معاشرتی ناول

فرزانہ یاسمین

سول ایجنٹ

ناز کتاب گھر، شاندار مارکیٹ ٹیا محل، دہلی

طابع :- محمد انوار، جمشید علی
محمد عرفان۔
مصنف : فرزانہ یاسمین
مطبع : جمال پریس دہلی

قیمت : آٹھ روپئے

اِنتساب

اپنے پیارے ماموں جان

اور

بہت ہی پیاری خالہ جانی

کے نام

— فرزانہ یاسمین

لطف و ستم، وفا جفا، یاس و اُمید، قُرب و بُعد
عشق کی عمر کٹ گئی اِنہی توہمات میں!

فلسفہ بہت عقلمند ہے — مگر
محبت اُس سے بھی زیادہ عقلمند،
علم و حکمت بہت طاقتور ہیں — لیکن
محبت و وفا اُس سے بھی زیادہ طاقتور،

برسات کی دلنشیں رات دوسرے پہر میں داخل ہو رہی تھی۔ ابتدائی تاریخوں کا چاند سیاہ بادلوں میں چھپ چکا تھا۔ باہر ننھی ننھی بوندیں زمین کی سمت بھاگی چلی آ رہی تھیں۔ ٹھنڈک کا ایک مدھر سا احساس تھا۔ جو فضاؤں میں پھیلا ہوا تھا مولسری، ہار سنگار، چنبیلی اور موتیے کے پودوں سے اٹھتی خوشبوئیں ایک نئی مہک بنا رہی تھی۔ ایک دلفریب مہک۔ راجہ خاموش سر جھکائے کھڑا تھا۔ سرو و دیگر درخت اپنے پتوں کے تال پر جھوم رہے تھے اوپر کو اٹھا ہوا نیلا آکاش سینۂ ارض پر تندناتے دریاؤں میں جھانک رہا تھا اور اندر کھڑکی کے سامنے کرسی میں نیم دراز وفا کورس کی موٹی سی کتاب پر نظریں جمائے بڑی مصروف نظر آ رہی تھی۔ کالے ڈھلے ہوئے بال کرسی کی پشت پہ بکھرے ہوئے لہرا رہے تھے اور پاؤں میز کے کناروں پر ٹکے دھیرے دھیرے کسمسا رہے تھے۔ ٹیبل لیمپ کی روشنی شیڈ کی وجہ سے صرف تھوڑی سی جگہ پر جم کے رہ

گئی تھی اور باقی کمرہ خواب ناک اندھیروں میں ڈوبا ہوا تھا۔

"وفا! ـــ"

وفا نے چونک کے دروازے کی طرف دیکھا۔ بسمہ کچھ متفکر سی دہلیز کے پار کھڑی تھیں۔

"امی! آیئے! کیا بات ہے؟"

وفا کتاب میز پر رکھتے ہوئے ماں کی طرف بڑھی۔ بسمہ اندر کمرے میں آ چکی تھیں وفا نے ٹیبل لیمپ بجھا کے بلب روشن کر لیا اور پھر ماں کی طرف دیکھا۔

"ہاں! امی آپ کچھ پریشان سی ہیں؟"

وفا نے ماں کے گلے میں بانہیں ڈالتے ہوئے پیار سے استفسار کیا۔

"وہ ـــ نوید ابھی تک نہیں آیا بیٹی؟"

"اوہ! آرہا ہوگا امی! آپ کو بتا کے ہی تو گیا تھا کہ پکچر پر جا رہا ہوں۔"

وفا نے ماں کو یاد دلایا۔

"ہاں! گیا تو بتا کے ہی تھا ـ لیکن ـــ وقت کیا ہے تمہارے پاس؟"

وفا نے کلائی پہ نظر ڈالی۔ چونک کے دوبارہ وقت دیکھا اور پھر تسلی آمیز لہجہ میں بولی۔

"پونے گیارہ ہونے والے ہیں۔ بس اب آتا ہی ہوگا نوید۔"

پونے گیارہ ـــ فلم اتنی دیر سے تو نہیں چھوٹتی ـــ خدا خیر کرے۔ آج موسم بھی کچھ ٹھیک نہیں ـــ " بسمہ ایک دم سے بے حد پریشان ہوگئیں۔

"نہیں امی بعض اوقات بجلی چلے جانے سے فلم ختم ہونے میں کافی دیر لگ

جاتی ہے۔ آج بھی کوئی ایسی ہی بات ہو گئی ہوگی۔ آپ فکر نہ کریں۔"

وفا کہنے کو تو یہ کہہ گئی لیکن اس کا اپنا دل ڈوب گیا۔ آج تک نوید کبھی اتنی دیر سے نہ لوٹا تھا۔ جب سے اعجاز الحسن کا ٹرانسفر دوسرے صوبہ میں ہوا تھا۔ اسے اپنی ذمہ داری کا کچھ زیادہ ہی احساس ہو گیا تھا۔ وہ وفا سے عمر میں تو دو تین برس چھوٹا تھا۔ لیکن ہمیشہ خود کو بھائی جان کہلوانا پسند کرتا۔ وفا کو اپنے بھائی کا یہ انداز بہت پسند تھا۔ اور جب وہ زیادہ ہی موڈ میں ہوتی تو بھائی جان، بھائی جان کہتے نہ تھکتی۔

"نوید خیریت سے گھر آجائے۔"

اس نے دل ہی دل میں بے اختیار دعا کی۔

"وفا!" بسمہ نے بیٹی کا شانہ تھپتھپایا۔

"تم پڑھو بیٹی! میں اپنے کمرے میں چلوں۔ شیبی، غفی اکیلے ہیں۔ کہیں جاگ نہ پڑیں۔"

"نہیں امی۔ اب پڑھنے کو جی نہیں چاہتا۔ میں بھی آپ کے کمرے میں چلتی ہوں۔"

وفا نے بتی بجھائی اور ماں کے ساتھ اس کے کمرے میں چلی آئی۔ شعیب اور غفت دونوں اپنے اپنے بستروں پر مزے کی نیند سو رہے تھے۔ وفا نے دونوں پر پیار بھری نظر ڈالی اور پھر ماں کا دھیان بٹانے کو بولی۔

"آج بہت دیر تک یہ دونوں لڑتے رہے ہیں امی!"

"ہاں ۔۔۔" بسمہ مسکرائیں۔

"شیبی نے غفی کی گڑیا جانے کہاں چھپا رکھی تھی۔ بے چاری غفی رو رو کے پاگل ہو گئی۔ تب کہیں جا کے دی۔"

"بڑا شیطان ہے میرا بیٹا ۔"

نسیمہ نے پیار سے شیبی کی پیشانی پر آئے ہوئے بال ہٹائے اور ہلکا سا پنکھا کھول کے اپنے بستر پر بیٹھ گئیں۔ وفا عفت کے ساتھ لیٹ گئی۔ نسیمہ نے اسے لیٹتے دیکھا تو شفقت سے بولیں۔

"سو جاؤ وفا! میں جاگ رہی ہوں؟"

"نہیں امی ۔ ! مجھے ابھی نیند نہیں آئے گی؟"

اس کا ذہن پھر نوید کی طرف چلا گیا تھا۔

وفا، نسیمہ اور اعجاز الحسن کی بڑی بیٹی تھی۔ میڈیکل کے چوتھے سال میں تھی۔ اس سے چھوٹا نوید تھا جو ابھی دنوں ایف۔ ایس۔ سی کے امتحان سے فارغ ہوا تھا وہ بھی اپنی بہن کی طرح ڈاکٹر بننا چاہتا تھا اور ڈاکٹر بن کے فوج میں جانے کی تمنا بھی بڑی شدید تھی۔ نوید سے چھوٹا شعیب نویں جماعت میں تھا۔ ماں کا لاڈلا اور بھائی کا دوست ــــ عفت سب سے چھوٹی تھی اور ساتویں جماعت میں پڑھ رہی تھی چھوٹا ہونے کی وجہ سے وہ بڑے فائدے میں تھی۔ اسے ماں باپ کے ساتھ ساتھ وفا اور نوید کا لاڈ بھی حاصل تھا۔ شیبی سے اکثر لڑائی رہتی۔ مگر اس لڑائی کے باوجود دونوں ایکدوسرے کے بڑے مخلص اور سچے دوست تھے۔ شیبی ہمیشہ اسے خود سکول چھوڑنے جاتا اور آتے سمے بھی اسے ساتھ لاتا۔ البتہ اسے عفی کی چونٹیوں ایسی سہیلیاں ذرا پسند نہ تھیں۔ جو خواہ مخواہ عفت کو اپنی گڑیوں کی شادیوں میں بلا کے اس کا ذوق خراب کر رہی تھیں۔ شیبی کا خیال تھا کہ عفی کو اس کے ساتھ کرکٹ کھیلنا چاہیئے۔ جب کہ وہ روز بروز گڑیا قسم کی چیزیں اکٹھی کئے جا رہی تھی۔

"ٹن ۔ ٹن ۔"

"گھڑیال نے گیارہ بجائے امی نسیمہ چونک کر وفا سے مخاطب ہوئیں۔"

"لو وفا! اب تو گیارہ بھی بج گئے ابھی تک نہیں آیا ۔"

"ہوسکتا ہے امی! نوید دوسرا شو نہ دیکھ سکا ہو اور لیٹ شو دیکھنے کے لئے ٹھہر گیا ہو۔"

وفا نے خود کو سنبھالتے ہوئے ماں کو تسلی دی ۔

لیکن بے قرار نسیمہ باہر برآمدے میں چلی گئی ۔ وفا نے جلدی سے جوتی پہنی اور کھلے بالوں کو پیچھے جھٹکتے ہوئے ماں کے پیچھے چل دی ۔

"میرے دل کو کچھ ہو رہا ہے وفا! خدا میرے بیٹے کو بخیریت گھر واپس لائے!" نسیمہ نے وفا کو اپنے پیچھے آتے دیکھ کر کہا ۔ وفا نے لاڈ سے اپنا سر ماں کے کندھے پر رکھ دیا ۔

"امی! فکر مت کیجئے! ہمارا نوید ماشاءاللہ بہت ہوشیار ہے ۔ بس آتا ہے"

"ٹرن ۔۔ ن ۔۔ ن ۔" وفا کی بات ادھوری رہ گئی ۔ کال بیل سنتے ہی وہ تیزی سے دروازے کی طرف بڑھی ۔

"ٹھہرو ۔ بیٹی!"

نسیمہ کو ایک دم سے ہی بیٹی کے تحفظ کا خیال آگیا ۔ لیکن وفا دروازہ کھول چکی تھی ۔

"کہاں رہ گئے تھے بھائی جان؟"

وفا نے جلدی سے پوچھا ۔

نوید کھلکھلا کے ہنس دیا۔

"ٹھہرو باجی! میرے ساتھ ایک زخمی بھی ہے۔"

"زخمی! ــ" حیرت، استعجاب اور لہجہ کی کپکپاہٹ سے بسمہ اور وفا دونوں نے بیک وقت کہا۔

"فکر کی بات نہیں۔ ایک راہگیر سکوٹر سے گر گیا تھا۔ کچھ زیادہ چوٹ نہیں آئی۔"

نوید مڑا۔ وفا پیچھے ہٹ گئی۔ بسمہ دروازے میں کھڑی ہو گئیں۔ نوید نے ٹیکسی کا دروازہ کھول کے کسی کو سہارا دے کے باہر نکالا اور ٹیکسی والے کو رکنے کا کہہ کر زخمی کو تھامے ہوئے ہوئے دروازے کی طرف بڑھا۔ زخمی بری طرح لڑکھڑا رہا تھا اور نوید کو اس کا سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا۔ بسمہ نے جلدی سے بڑھ کر دوسری طرف سے زخمی کو سہارا دیا اور نوید وفا سے مخاطب ہوا۔

"باجی!" جلدی سے میرا کمرہ کھول دیجئے۔" پھر مسکرایا۔

"میرا مطلب تھا ذرا ٹھیک کر دیجئے۔"

وفا جلدی سے مڑی۔ نوید کا کمرہ صاف تھا۔ لیکن کتابیں....... اور رسالے فرش اور میز پر بکھرے عجیب منظر پیش کر رہے تھے۔ وفا نے جلدی سے رسالے اور اخبار سمیٹ کر میز پر اکٹھے کئے اور بستر کی چادر درست کرتے ہوئے ایک دم کھڑی ہو گئی۔ بسمہ اور نوید زخمی کو لے آئے تھے۔ آہستگی سے نوید نے اسے بستر پر بٹھایا اور ٹیکسی کو رخصت کرنے چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد وفا گرم پانی کر کے لے آئی اور زخم پر پٹی کر دی۔ دائیں ٹانگ پر زخم کچھ گہرا تو نہ تھا، لیکن خون بہت زیادہ بہہ جانے کی وجہ سے زخمی نڈھال سا ہو چکا تھا۔

نوید نے اسے تکیوں کے سہارے بٹھاتے ہوئے وفا سے پوچھا۔
" باجی! اس وقت انہیں طاقت کے لئے کیا دیا جائے ؟"
" دودھ کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کیوں امی ؟" وفا نے بسمہ کی طرف دیکھا۔
" صبح کسی ڈاکٹر سے معائنہ کروا کے صحیح علاج شروع کیا جا سکے گا۔"
" آپ کون سے کم ہیں کسی ڈاکٹر سے ۔!" نوید مسکرایا۔
" بھائی جا ۔" ! وفا نے چیخنا چاہا، لیکن زخمی کا خیال کر کے خاموشی سے دودھ گرم کرنے چلی گئی۔ وفا دودھ گرم کر کے لائی تو زخمی بے ہوش ہو چکا تھا اور نوید بسمہ سے زخمی کی سرگزشت کہہ رہا تھا۔
" نوید!" وفا دودھ کا گلاس میز پر رکھتے ہوئے جلدی سے زخمی کی طرف بڑھی۔
" تم یہ بات پھر بھی کر سکتے تھے۔ زخمی کی خبر گیری مقدم تھی ۔"
" کیا ہوا باجی ؟ یہ تو سو رہے ہیں ؟" وہ زخمی کو آنکھیں موندے لیٹے ہوئے دیکھ کر بولا۔
" نہیں بے ہوش ہو چکے ہیں۔ جاؤ بھاگ کے امی کے کمرے سے کورامین لے آؤ۔"
نوید تیزی سے اٹھا اور بسمہ نے اس کی جگہ پر بیٹھتے ہوئے زخمی کا سر اپنی گود میں رکھ دیا۔
" جانے کس کے جگر کا ٹکڑا ہے۔ خدا اسے اپنی امان میں رکھے۔"
" امی ! فکر مت کیجئے! خون زیادہ بہہ جانے کی وجہ سے کمزوری ہو گئی ہے اور یہ کمزوری ہی بے ہوشی کا سبب ہے۔"

وفا نے زخمی کی نبض ٹٹولتے ہوئے بسمہ کو تسلی دی۔

پہلے بے چاری نوید کے لئے بے قرار تھی اور اب ایک اجنبی ماں کے زخمی بیٹے کے لئے۔ اسے بے ساختہ اپنی ماں پر پیار آگیا۔ اس نے ایک احترام بھری نظر ماں پر ڈالی۔ اسی لمحے نوید کوراسین کی شیشی لئے آگیا۔ چند قطرے چمچی میں ڈال کر نوید نے زخمی کے حلق میں ٹپکائے۔ تھوڑی دیر بعد زخمی کے بے حس جسم میں حرکت کے آثار پیدا ہوئے۔ وفا نے پلیٹ کے دودھ کا گلاس میز سے اٹھایا اور بسمہ کی طرف بڑھایا۔

"امی! چمچی سے تھوڑا تھوڑا دودھ منہ میں ڈالئے!"

بسمہ نے چمچ سے تھوڑا تھوڑا دودھ زخمی کے منہ میں ڈالنا شروع کیا۔ گرم دودھ اندر گیا تو زخمی نے آنکھیں کھول دیں۔ سامنے جھکی جھکی وفا۔ وفا کے ساتھ کھڑا پریشان سا نوید ـــ اور ماں سی مشفق اور گرم بسمہ کی گود۔۔۔۔۔۔۔ پرسکون سا ہو کے اس نے پھر آنکھیں بند کرلیں۔

"اب کیسے ہو بیٹا؟"

بسمہ نے اس کی پیشانی پر پھسل آنے والی لٹیں سنوارتے ہوئے شفقت سے پوچھا۔۔۔۔۔۔۔۔ زخمی نے اپنی خوب صورت آنکھیں پھر کھول دیں اب ان میں زندگی کی جوت نمایاں تھی۔ ہونٹوں پہ تبسم کھیلنے لگا۔ گو اس کا وجود بہت کمزور تھا۔

"کیسے ہو بیٹا!" بسمہ نے پھر پوچھا۔

"ٹھیک ہوں ـــ لیکن ـــ" ہونٹوں پہ کھلی ہنسی کی دھوپ کراہ کے دھوئیں میں ڈھل گئی۔

"کیا ہوا ؟"

وفا ایک دم سے بولی ۔ زخمی نے دانتوں سے ہونٹ کاٹتے ہوئے اپنی ٹانگ کی طرف نظر دوڑائی ۔

" درد ہو رہا ہے ؟ "

وفا نے پوچھا۔

زخمی نے اثبات میں سر ہلایا اور نوید مسکرایا ۔

" چوٹ بھی تو بڑے غضب کی کھائی تھی آپ نے ــــ " پھر وہ وفا سے مخاطب ہوا۔

تبہ ہے باجی کیا ہوا ۔ میں سینما سے نکل کر پیدل ہی گھر آرہا تھا ۔ کوئی سواری نہ ملی تھی ۔ دیر ہو جانے کے ڈر سے تیز تیز قدم اٹھا رہا تھا ۔ بارش رک چکی تھی ۔ جب میں نیشنل پارک کے قریب پہنچا تو میرے دیکھتے ہی دیکھتے ایک سکوٹر ہوا سے باتیں کرتا ہوا آیا اور آنا فاناً فٹ پاتھ سے آٹکرایا ۔ ٹکرا کے جو پیچھے کی طرف الٹا تو سوار بھی چکر کھاتے ہوئے گرا ۔ سکوٹر ٹانگوں پر سے گزر گیا ۔ دائیں ٹانگ پہ شاید زیادہ دباؤ پڑا تھا سکوٹر کا ــــ کیوں بھیا ! "

زخمی دھیرے سے مسکرادیا اور نوید اس کی مسکراہٹ دیکھ کر اور تیز ہوا ۔

" پھر باجی ۔ ان صاحب کو بڑی مشکل سے ٹیکسی میں لادا ۔ وہ تو شکر ہے کہ ٹیکسی والا نیک تھا ورنہ دونوں کو حوالات میں دے آتا ۔ "

وفا مسکرادی اور بڑے پیار سے بھائی کے شانے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے بولی ۔

"ادھر امی تمہاری فکر میں پریشان ہوئی جاتی تھیں اور اُدھر تم سڑکوں پہ زخمیوں کو سمیٹ رہے تھے ــ"

ارے زخمیوں کو کہاں ـــ صرف ایک زخمی کو۔ وہ بھی بڑی مشکل سے۔ زخمیوں کو سمیٹنا تو خدا آپ کو نصیب کرے شــــ" نوید مسکرایا اور زخمی سے مخاطب ہوا۔

" دیکھیے یہ میری باجی ہیں وفا۔ میڈیکل کے چوتھے سال میں سر کھپا رہی ہیں۔ یہ میری بڑی ہی پیاری امی ہیں۔ جن کی گود میں آپ سر رکھے ہیں"۔

اجنبی نے سر اٹھا کے نسیمہ کے مشفق چہرے پر نظر ڈالی اور مسکرا کر پھر سر ان کی گود میں ڈال دیا۔

" بس ـــ"

اجنبی نے پوچھا گویا کہہ رہا ہو اور کوئی نہیں تمہارے ہاں۔

دوسرے کمرے میں میرے دو چھوٹے بہن بھائی شینی اور عفی سو رہے ہیں۔ ابا مشرقی صوبے میں چائے کے باغات کے منیجر ہیں"۔

زخمی کچھ سنبھل گیا تھا۔ نوید کی پرخلوص اور شیریں باتوں نے زخم کی تکلیف کسی حد تک کم کر دی تھی۔ اس نے ایک اچٹتی سی نظر وفا کے چہرے پر ڈالی اور نوید سے بولا۔

اپنا تعارف تو کروا چکے۔ اب ہم سے بھی کچھ پوچھو؟"

" ارے ــ ہاں بیٹے تم بھی تو اپنے متعلق کچھ بتاؤ۔ ہم تو پریشانی میں تمہارا نام تک پوچھنا بھول گئے ــ"

نسیمہ نے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے پیار سے پوچھا۔

"میں ـــ میرا نام ہے بنیل آصف۔ دو بہت ہی اچھی بہنوں کا بہت ہی لاڈلا بھیا ہوں۔ میرے ابا فوج سے استعفیٰ دیکر اپنی زمینوں کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔ میری امی بھی بالکل آپ ایسی مشفق ہیں۔" بنیل نے تعارف کرا کے آنکھیں موندلیں۔ شاید اتنی بہت ساری باتیں کر کے تھک چکا تھا۔ یا نیند نے آ لیا تھا۔ لیکن وفا کو زخم کا خیال تھا۔

"زخم میں پھر تکلیف ہونے لگی ـ"

"نہیں ـــ" بنیل نے بند بند آنکھوں پہ بازو رکھتے ہوئے ہولے سے کہا۔

"وفا تم نوید کو کھانا دے دو پھر سو جاؤ ـــ تم لوگ۔ بہت رات ہوگئی ہے"

بسمہ ہولے سے بولیں۔

"اور آپ؟" نوید جاتے جاتے پلٹا۔

"میں ـــ میں اپنے بیٹے کے پاس بیٹھوں گی"

"نہیں ـــ" بنیل نے جلدی سے آنکھوں سے ہاتھ ہٹا لیا۔

"آپ سو جائیے ـ اب میں ٹھیک ہوں" اور پھر دروازے کی طرف دیکھا وفا کھانا گرم کرنے جا چکی تھی اور نوید پردہ پکڑے کھڑا تھا۔

"دیکھیے بنیل بھائی! میں آپ کے کمرے میں ہی سو رہوں گا۔ ٹھیک!"

نوید مسکرا کر بولا۔

"بالکل ٹھیک ـــ!" بنیل مسکرایا اور نوید وفا کی آواز پر باورچی خانے کی طرف چلدیا ـــ

رات مینہ رک رک کے برستا رہا۔ لیکن اذانِ سحر کے ساتھ ہی بجلی بڑے زور سے چمکی اور سیاہ بادل بارش کے مسلسل برسنے والے قطروں کا روپ دھار گئے۔ بجلی کی کڑک سے غفی کی آنکھ کھل گئی ۔ وہ جلدی سے اپنے بستر پر اٹھ کے بیٹھ گئی۔ پھر آنکھیں ملتے ہوئے چارپائی سے نیچے اتری اور شیبی کا شانہ ہلایا۔ وہ بڑبڑاتا ہوا آنکھیں میچے میچے رخ بدل کے پھر خوابوں میں کھو گیا۔ چند لمحے توقف کے بعد غفی نے پھر شیبی کو جھنجھوڑا۔

"کیا کرتے ہو ــ لالہ! ــ"

شیبی جھنجھلا کے بولا

"شیبی! یہ میں ہوں ــ"

غفی اس پہ جھکتے ہوئے آہستگی سے بولی۔

شیبی نے جھٹ سے تاراسی آنکھیں کھول دیں

"چڑیل! رات بھی روں روں کر کے سونے نہ دیا اور اب صبح ہی صبح جگانے چلی آئی ہے۔"

شبی بیٹھتے ہوئے غصے سے بولا۔

"آپ نے کیوں میری گڑیا چھپائی تھی" عفی ایک دم سے اداس ہو گئی۔

"تم چھپانے کا کہتی ہو۔ کسی دن میں تمہاری ساری گڑیاں آگ میں جھونک دوں گا۔"

"خبردار! شبی! اگر میری گڑیوں کو ہاتھ بھی لگایا تو میں آپ کا بلا پا رو کے تنور میں پھینک آؤں گی" عفی غصے سے بولی۔

"کیا کہا ___ تو میرا بلا تنور میں پھینک آئے گی۔ ٹھہر ذرا!" شبی ایک ہی جست میں زمین پر تھا۔

عفی ڈر کے مارے کمرے سے بھاگ گئی۔ عفی آگے آگے اور شبی پیچھے پیچھے۔ وفا برآمدے میں کھڑی بارش کا نظارہ کر رہی تھی۔ عفی کو وہیں جائے پناہ نظر آئی۔

"باجی! دیکھئے۔ شبی مجھے مارتے ہیں" عفی ایک دم سے وفا سے لپٹ گئی۔

وفا نے عفی کو لپٹاتے ہوئے نظریں اٹھائیں تو سامنے ہی شبی غصے سے لال کرتے کے بازو اوپر چڑھائے کھڑا تھا۔

"ارے شبی بھیا۔ کیا ہوا۔ جو تم دونوں صبح صبح پھر جھگڑنے لگے۔"

وفا نے آگے بڑھ کے شبی کا بازو تھام لیا۔ شبی نے غصے سے بازو چھڑا لیا اور دور جا کھڑا ہوا۔ وہ مسکرا اٹھی۔

"تو ہمارے شیبی میاں بہت غصے میں ہیں۔ کیوں عفی تم نے شیبی سے کیا کہہ دیا؟"
وفا نے عفی کا چہرہ ہاتھوں میں لیتے ہوئے پوچھا۔
"یہ کیا بتائے گی۔ مجھ سے سنئے۔" شیبی جلدی سے قریب آتے ہوئے
بولا۔
"صبح صبح مجھ سے کہنے لگی۔ میں آپ کا بلا پارو کے تنور میں پھینک آؤں گی۔"
آپ نے کیوں کہا تھا کہ آپ میری گڑیا جلا دیں گے۔" عفی غمگین لہجے میں بولی
"تم دونوں دیوانے ہو۔ چلو صلح کر لو۔ صبح صبح نہیں جھگڑا کرتے۔"
وفا نے پیار سے دونوں کے ہاتھ ایک دوسرے کے ہاتھ میں پھنساتے ہوئے
عفی صلح پر مائل تھی۔ لیکن شیبی ابھی تک اکڑ رہا تھا۔
معاف کر دو نا شیبی! ۔" عفی نے بھائی کے گلے میں باہیں ڈال دیں۔
شیبی مسکرا دیا اور عفی کا ہاتھ پکڑتے ہوئے نوید کے کمرے کی طرف چل دیا۔
"لو! اب چل بھی دیئے۔ امی کو تو سلام کر لو۔" وفا مسکرا کے بولی۔
"ٹھہریے باجی! لالہ کو بھی جگا لیں۔ وہ ابھی تک سو رہے ہیں۔"
شیبی کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولا۔
شیبی کی نظر کمرے میں داخل ہوتے ہی سامنے پلنگ پر پڑی۔ لیکن قبل اس کے کہ
وہ کچھ کہتا عفی بول اٹھی۔
"شیبی! شاید کوئی مہمان آئے ہیں۔ یہ لالہ تو نہیں۔"
"ہاں! یہ لالہ تو نہیں ۔" شیبی نے پلنگ پر جھکتے ہوئے کہا۔
"صبح بخیر! شیبی عفی ۔!"

شیبی، عفی آواز کے رُخ مڑ گئے۔ نوید غسلخانہ سے نکل رہا تھا۔

"کیوں۔ آج بڑے میلے کے موڈ میں نظر آرہے ہو؟" نوید نے دونوں کے سر ٹکراتے ہوئے کہا۔ لیکن شیبی اور عفی مہمان کی طرف متوجہ تھے۔

"لالہ! یہ کون ہیں؟" شیبی نے دھیرے سے پوچھا۔

نوید بنیل پر جھک آیا اور مسکرا کے بولا۔

"یہ ایک زخمی ہیں۔ راستہ سڑک میں پڑے مل گئے۔ اٹھا لایا۔"

"دونوں حیران رہ گئے — نوید کی بات پر یقین نہ آیا۔

"آپ جھوٹ کہتے ہیں لالہ! —" عفی نے کہا اور بنیل پر جھک گئی۔ پھر امداد طلب نگاہوں سے شیبی کی طرف دیکھا۔ شیبی اچھے موڈ میں تھا۔ فوراً بولا۔

"ہم انہیں جگانے لگے ہیں —" نوید نے کچھ کہنے کو ہی تھا کہ بنیل مسکراتے ہوئے اُٹھ بیٹھا۔

"ہم جاگ رہے ہیں دوست!" اس نے شیبی کو کھینچ کر اپنے قریب بٹھا لیا۔

"آؤ، تم بھی ہمارے پاس بیٹھو!" عفی چپ چاپ گھٹنوں پر فراک ٹھیک کرتے ہوئے شیبی کے ساتھ بیٹھ گئی۔

"اب آپ کیسے ہیں بنیل بھائی —" تھوڑی دیر بعد بنیل نوید کے شانوں پر دباؤ ڈالتے ہوئے بولا۔

"ٹھیک ہوں نوید — لیکن جلنے زخم اب کس حال میں ہے؟" بنیل نے ٹانگ ہلانا چاہی لیکن اُف، کہہ کے رہ گیا۔

"تکلیف ہوتی لگی بھیّا!" شیبی ٹانگ سے چادر اتارتے ہوئے بولا۔

"شاید بارش میں بھیگنے کی وجہ سے زخم خراب ہو گیا ہے"۔ بنیل تکیے سے ٹیک لگاتے ہوئے بولا۔

تکلیف اور درد کے آثار اس کے چہرے سے مترشح تھے۔

"شیبی، عفی تم یہیں بیٹھو۔ میں باجی کو بلا لاؤں" نوید یہ کہتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گیا اور شیبی، عفی نبیل کا منہ تکنے لگے۔

دیکھئے بھیا! آپ بالکل فکر نہ کیجئے، ہماری باجی ڈاکٹر ہیں۔ ابھی دوا لگائیں گی تو آپ فوراً ٹھیک ہو جائیں گے"۔

عفی نے بنیل کا سر ہولے ہولے دباتے ہوئے بڑے پُر وقار لہجہ میں کہا۔

" واہ! جھوٹ تو قیامت کا بولو گی تم عفی۔ بھیا ہماری باجی ابھی ڈاکٹر تھوڑی بنیں۔ ویسے آپ کی پٹی بہت اچھی طرح کریں گی۔ لیکن ایک بات یاد رکھئے گا۔ دوا بڑی سخت لگاتی ہیں۔ جان نکلنے لگتی ہے۔ پھر حکم دیتی ہیں کہ خبردار جو روئے"۔ شیبی وفا کی نقل اتارتے ہوئے بولا۔

" دیکھئے بھیا آپ نہ روئیے گا!" عفی نے نصیحت کی۔ پھر خود ہی ہنس دی۔ لیکن آپ تو اتنے بڑے ہیں۔ روئیں گے کیونکر؟"

بنیل ان کی معصوم باتوں پر مسکرا دیا۔

" بھئی تم دونوں تو بہت ماسٹر ہو"۔

تھوڑی ہی دیر بعد نوید لوٹ آیا۔ اس کے پیچھے وفا تھی۔ نوید نے شیبی، عفی دونوں کو بنیل کے بستر سے اٹھا دیا اور اس کی پتلون کے پائنچے اوپر کرتے ہوئے مسکرا کے بولا۔

"بنیل بھائی! شکر کیجیئے جو پتلون تنگ نہ تھی۔ ورنہ یہی زخم پہ چپک چپک علاج بنا کرتی!" بنیل مسکرا دیا اور وفا کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

نوید نے آہستہ آہستہ پٹی کھولی۔ روئی زخم سے چپک کے رہ گئی تھی۔

"عفی! ذرا جاؤ ــــ امی سے تھوڑا سا گرم پانی لے آؤ اور نوید تم دواؤں کا بکس ذرا جلدی سے ــ!"

نوید اور عفی چلے گئے تو شیبی وفا کی کرسی کے بازو پہ چڑھ کے بیٹھ گیا۔

"باجی! بنیل بھائی کو کوئی زیادہ سخت دوا نہ لگائیے گا۔"

وہ مسکرا دی

"آپ کی سفارش کی کوئی ضرورت نہیں۔" اس نے شیبی پر پیار بھری نظر ڈالی۔

نوید دواؤں والا بکس لے آیا اور عفی گرم پانی۔ کافی ردوکد کے بعد وفا نے پہلی پٹی اتاری۔ زخم صاف کیے اور پھر سے پٹی کی۔ زخم گہرا تو نہ تھا لیکن خون کافی نکل جانے اور برسات کی وجہ سے کچھ بگڑ گیا تھا۔ وفا نے پٹی باندھتے ہوئے بنیل کے چہرے پر نظر ڈالی وہ آنکھیں موندے اور لب بھینچے چپ چاپ نیم دراز تھا۔

"نوید!" وفا نے بھائی کو بلایا۔

"منہ دھلوایا ان کا ــ"

"نہیں باجی ــ"

شیبی ذرا باتھ روم سے پانی کا جگ لے آؤ اور عفی تم اور صابن۔" وفا نے اٹھتے ہوئے کہا۔

بنیل نے یکدم آنکھیں کھول دیں۔

"میں خود باتھ روم چلا جاتا ہوں"

"نہیں — چلنا آپ کے لئے نقصان دہ ہے" وفا جاتے جاتے ٹھٹھری۔ چند لمحے رکی اور پھر پردہ اٹھا کے باہر نکل گئی۔

بسمہ نے بڑی شفقت سے اسے ناشتہ کرایا۔ شیبی، عفی اسے اپنی باتوں سے ہنساتے رہے۔ پھر نوید ڈاکٹر کو لینے چلا گیا۔ گو وفا نے پٹی کر دی تھی لیکن زخم برسات کا تھا۔ وہ ابھی پوری ڈاکٹر نہ بنی تھی۔ اس لئے ڈاکٹر سے مشورہ ضروری تھا۔

بسمہ نے بنیل سے اس کے گھر کے متعلق پوچھا۔ اس نے بتایا کہ وہ یہاں اپنے ایک دوست کے ہاں ٹھہرا ہوا ہے۔ اور اس کا گھر مہران کی خوب صورت وادی میں دریائے مہران کے کنارے واقع ہے۔

ڈاکٹر نے آ کر پٹی وغیرہ دیکھ کر اطمینان کا اظہار کیا اور احتیاط کے طور پر ایک دوا بھی لکھ کے دے گیا۔ نوید دوا لینے گیا تو بنیل نے اسے اپنے دوست کاشف کا پتہ دیتے ہوئے کہا کہ اسے اس کا حال بتا آئے۔ بنیل کو یقین تھا کہ کاشف اس کے لئے سخت بے چین ہوگا اور اس کے متعلق سنتے ہی دوڑتا آئے گا اور ہوا بھی یہی کاشف نوید کے ساتھ ہی چلا آیا۔ راستے میں نوید اسے سب کچھ بتاتا آیا۔

"اگر باجی تھوڑی بہت پٹی وٹی کرنا نہ جانتیں تو بہت خطرہ پیدا ہو جاتا۔"

"اب کیسا تھا بنیل؟"

کاشف نے استفسار کیا۔

"درد تو بدستور ہے لیکن رات کی سی بے ہوشی نہیں۔"

نوید کاشف کو بنیل کے پاس چھوڑ کے لیمہ کے پاس چائے کا کہنے چلا گیا۔

"یار سنا ہے رات تم شہید ہوتے ہوتے بچے ؟"

کاشف نے کرسی پلنگ کے قریب گھسیٹتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"اب بھی کوئی کسر باقی نہیں۔ شاید یاروں کی دعائیں قبول ہو جائیں " بنیل آنکھیں موندے ہوئے بولا۔

اب تمہارا شہید ہونا ناممکن ہے بنیل! قتل ہو جاؤ تو الگ بات ہے " کاشف معنی خیز انداز میں بولا۔

"کیوں ؟ کیا ہوا ؟ "

بنیل نے آنکھیں کھول دیں۔

"ایک کافر تمہیں ورغلانے جو لگا ہے "

" ارے نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں " بنیل کے ہونٹوں کے گوشے مسکراہٹ کے مارے پھڑپھڑانے لگے۔

" وہ تمہاری ڈاکٹر ہے کدھر ؟ نظر نہیں آئی "

کاشف نے بنیل پر جھکتے ہوئے کہا۔

" اس کمرے کے علاوہ گھر میں اور بہت سے کمرے ہوں گے

بنیل نے تکیہ سے ٹیک لگاتے ہوئے جواب دیا۔

" ہوں ۔"

نوید اور شبی کی آمد سے ان کی گفتگو کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ نوید اور شبی کے پیچھے

بسمہ اور وفا چلی آئیں۔ وفا ہاتھ میں چائے کی ٹرے لئے ہوئے تھی۔

"یہ میری امی ہیں کاشف صاحب!"

نوید نے تعارف کرایا۔

"اور امی یہ ہیں اپنے بنیل بھائی کے دوست کاشف۔"

"— میرا نام شعیب ہے۔ لیکن گھر میں سب مجھے شیبی کہتے ہیں؛ شیبی خود سے ناانصافی برداشت نہ کر سکا۔

"اور مجھے عفی کہتے ہیں۔ ویسے میرا نام عفت ہے۔"

عفی نے پردے میں سے سر نکالا۔ سب کھل کھلا کے ہنس پڑے۔

"اور — یہ میری باجی ہیں — وفا — ہیں تو مجھ سے بڑی۔ لیکن سعادت مند اتنی ہیں کہ بھائی جان کہہ کر دل خوش کر دیا کرتی ہیں —"

نوید کے تعارف سے وفا کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ میز پر برتن سجا کے چائے بنانے لگی۔

سب کو چائے ملی لیکن بنیل کو دودھ پینا پڑا۔ وہ احتجاجاً کپ واپس کرنا چاہتا تھا کہ عفی اس کے کندھے پر جھک گئی۔

"فٹافٹ دودھ پی جائیے بھیا! ورنہ باجی ٹیکہ لگا دیں گی۔"

بنیل کی ہنسی نکل گئی اور جی کڑا کر دودھ حلق میں انڈیلنے لگا —

بنیل نے کاشف کے ساتھ جانے کے لئے بے حد اصرار کیا۔ لیکن بسمہ نے ایک دو دن کے لئے روک لیا۔ وفا کا بھی یہی مشورہ تھا۔ کاشف نے کھانے کے بعد جانے کی اجازت چاہی اور بنیل کے رخسار تھپ تھپاتے

ہوئے شرارت سے بولا۔

"زخم تو بے شک یہیں کہیں چھوڑ جاتا۔ لیکن دردِ لا دوا نہ لیتے آنا اپنے ساتھ!"

"پاگل! —"

بنیل مسکرایا اور پہلو بدل کے آنکھیں موند لیں۔

دن کا سنہری پن شام کے میلگجے سایوں میں بدل چکا تھا۔ نبیل کا زخم بھر چکا تھا اور اب چلنے پھرنے میں کوئی دقت محسوس نہیں ہوتی تھی۔ آج وہ نوید وغیرہ سے ملنے جا رہا تھا کیونکہ ایک دو روز میں گھر لوٹنے والا تھا۔ اس کی غیر معمولی طور پر طویل غیر حاضری سے اس کی ماں بہت پریشان تھی۔ اس نے گنگناتے ہوئے ٹائی کی گرہ لگائی اور آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنا جائزہ لینے لگا۔

"بہت نخرے بازیاں ہو رہی ہیں۔ کہاں کے ارادے ہیں؟" کاشف کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولا۔

نبیل مسکرا کے مڑا اور کاشف کو کرسی میں دھکیلتے ہوئے بولا۔

"ذرا باہر کی دنیا دیکھیں گے۔ بہت دن بور ہو لئے۔"

"باہر کی دنیا ــــــ تفصیل سے بتاؤ ــــ" کاشف ٹانگ پر ٹانگ چڑھاتے

ہوئے بولا۔

"پروگرام کیا ہوگا۔ پہلے سکوٹر بہادر کا پتہ لینے جائیں گے۔ پھر نوید کو لے کر فلم دیکھنے جائیں گے۔ واپسی پر اسے چھوڑتے ہوئے اپنے اس آشیانے میں لوٹ آئیں گے" نبیل نے کاشف کو اٹھاتے ہوئے کہا۔

گویا ــــ نوید کے ہاں جانے کے دو شریفانہ بہانے اختیار کئے جائیں گے۔ ایک تو ساتھ لینے کا بہانہ اور دوسرے واپس چھوڑنے کا بہانہ۔ خوب" کاشف مسکرایا۔

بہت ہوشیار ہو دوست! ــ" نبیل باہر نکلتے ہوئے بولا۔

" تم سے کم ــ" کاشف اندر جاتے ہوئے بولا۔

" اب کدھر ــ ؟" نبیل نے مڑ کے پوچھا۔

" ذرا ائی سے کہہ آؤں ــ"

موسم خوشگوار تھا اس لئے دونوں نے کوئی سواری لینے کی بجائے پیدل چلنا بہتر جانا۔ سب سے پہلے سکوٹر کا پتہ کیا۔ ابھی اس کی مرمت مکمل نہ ہوئی تھی۔ وہاں سے نوید کے گھر کا رخ کیا۔ راستے میں موتیے کے پھول بک رہے تھے۔ نبیل نے دو گجرے لے لئے۔ کاشف مسکرا دیا۔

" نوید پہنے گا یہ گجرے ــ؟"

" میں نے کب خریدے ہیں نوید کے لئے ــ؟"

" اچھا ــ لیکن میرا خیال ہے نوید کی بہن بھی انھیں نہ پہنے گی۔"

" کون پہناتا ہے، نوید کی بہن کو" نبیل ہونٹ بھینچتے ہوئے مسکرایا۔

" تو پھر ــــ " کاشف کچھ اور کہنا چاہتا تھا۔ لیکن نبیل نے اس کی بات

کاٹ دی۔

"خاموش۔ وقت آنے پر پتہ چل جائے گا"

" بنیل نے بیل دبانے کے لئے ہاتھ رکھا ہی تھا کہ ایک دم سے دروازہ کھلا۔ وفا، نوید کے ساتھ بازار جارہی تھی۔ چاروں ایک لمحہ کو ٹھٹکے۔ پھر نوید نے مسکراتے ہوئے بنیل اور کاشف کے ہاتھ تھام لئے۔

"شکر ہے ہماری یاد تو آئی۔"

"آیئے ۔۔۔ اندر چلیں ۔۔۔" نوید واپس مڑا۔

وفا ویسے ہی کھڑی تھی۔

"آپ لوگ کہیں جا رہے تھے شاید۔" بنیل نے وفا پر ایک اچٹتی سی نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔

"ہاں بھیا! ۔۔۔ جا تو رہے تھے۔ لیکن اب نہیں جائیں گے" نوید بولا

"آیئے باجی! صبح سویرے بازار جائیں گے"

وفا نے قدرے بیزاری سے دروازہ بند کیا اور ان کے پیچھے پیچھے چلی آئی۔ نیبی اور عفی دونوں سے لپٹ گئے۔ دونوں برآمدے میں ہی بیٹھ گئے۔ بسمان کی آمد کی خبر سن کر مسکراتی ہوئی آئیں۔

"بنیل! اب کیسے ہو بیٹے؟" وہ ان کے سلام کا جواب دیتے ہوئے بڑی شفقت سے بولیں۔

" اب تو ٹھیک ہوں امی! تبھی آپ سے ملنے چلا آیا۔ نوید نے تو پلٹ کے خیر ہی نہ لی" بنیل نے شکوہ کیا۔

"ناراض ہیں بھیا! دراصل ابوجی نے چند دنوں کے لئے اپنے پاس بلایا ہے اس لئے مصروفیت کی وجہ سے حاضر نہ ہو سکا" نوید شرمندہ ہوتے ہوئے بولا۔

"تو آپ لوگ بقیہ چھٹیاں ابو کے پاس گزارنے جا رہے ہیں" کاشف نے پہلی بار گفتگو میں حصہ لیا۔

"ہاں بیٹے! آج کل ان سب کو چھٹیاں ہیں ——— سلہٹ دیکھنے کا شوق بھی بہت زیادہ عرصے سے ہے۔ ذرا تفریح ہو جائے گی" بسمہ بچوں کو پیار سے دیکھتے ہوئے بولیں۔

عفی، بنیل کے ہاتھ میں گجروں والے رومال کو مختلف انداز سے سونگھ رہی تھی۔ بنیل نے رومال کھولتے ہوئے گجرے بسمہ کے آگے بڑھا دیئے۔

"لیجئے امّی! بازار میں بڑے پیارے گجرے بک رہے تھے۔ میں آپ کے لئے لیتا آیا"

بسمہ نے احتیاط سے دونوں گجرے پکڑ لئے اور وفا نے دونوں گجرے ان کی کلائیوں میں ڈال دیئے۔ شیبی اور عفی ماں کے دونوں ہاتھ تھام کے پھولوں کی خوشبو سونگھنے لگے۔ وفا ان کی اس حرکت پر مسکرا دی۔

"آپ کو گجرے پہننا پسند ہیں وفا بہن —" کاشف نے وفا کو مخاطب کیا۔

"پسند —" وہ سوچ میں کھو گئی۔ اور پھر نرم سی مسکراہٹ لبوں پہ بکھیرتے ہوئے بولی۔

"کبھی سوچا ہی نہیں بھیا —"

بنیل اس کی بے ساختہ بات پر مسکرا دیا۔

"انہیں اتنی خوب صورت چیزوں سے کہاں رغبت بھیا! ان سے تو سڑی لمبی لاشوں کی چیر پھاڑ کے بارے میں پوچھیے۔" نوید وفا کو چھیڑتے ہوئے بولا۔

"بھائی ــــ" اب کے پھر وہ اپنی چیخ دبا گئی اور وہاں سے اٹھ گئی۔

"کہاں چلیں بیٹی؟" بسمہ نے پیار سے پکارا۔

"چائے بنانے امی ــ" وفا برآمدے کے موڑ پر غائب ہوتے ہوئے بولی۔

"بس ہر وقت چائے ــــ اور کچھ نہیں تو چائے بنانے چل دیں گی۔" شبی کچھ ناراض سا بولا۔

"کیوں شبی تمہیں کیا ہوا؟" بسمہ نے خفگی سے پوچھا۔

"دیکھئے امی! بھائی جان شاید شربت پینا پسند کرتے ہیں۔" شبی چالاکی سے مسکرایا۔

"نہیں ماسٹر۔" بنیل ہنس دیا۔

"ہمیں اس وقت کسی چیز کی طلب نہیں۔ ہم تو اس وقت نوید کو لینے آئے ہیں۔" بنیل بولا۔

"کہاں ہے کو بھیا!" عفی جلدی سے بولی۔

"فدا پکچر جارہے تھے۔" کاشف نے جواب دیا۔

"لیکن بھیا! ہم تو کل ابو جی کے پاس جارہے ہیں۔ کچھ گھر پہ کام ہوگا۔" نوید نے معذرت کی۔

"کیا واقعی آپ لوگ کل جارہے ہیں امی!" بنیل نے بسمہ سے پوچھا۔

"تو پھر پکچر کا پروگرام منسوخ ــــــ ہم بھی آپ کا ہاتھ بٹاتے ہیں۔"

کاشف نبیل کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

وفا چائے بنالائی۔ سب نے مزے مزے سے چائے پی۔ پھر سب اندر کمرے میں چلے آئے۔ ڈرائینگ روم اکھاڑہ بنا ہوا تھا۔ سارا سامان جو بندھ چکا تھا یا بندھنا تھا سب کا سب یہیں ڈھیر تھا۔ نسیمہ رات کے کھانے کا انتظام کرنے چلی گئیں۔ وفا کپڑے سنبھالنے لگی۔ کاشف اور نبیل کے پاس بیٹھ گئے۔ وہ ایک اٹیچی میں اپنے رسالے ٹھونس رہا تھا۔ عفی اور شبی اسے رسالے ٹھونستے دیکھ کر رہ نہ سکے۔ عفی گڑیا اور شبی اپنا بلا لے آیا۔

"میری گڑیا بھی رکھ لیجئے لالہ!" عفی نے کہا۔

"اور میرا بلا بھی ۔۔۔" شبی بولا۔

"نہیں بابا ۔۔۔۔ اس میں اتنی جگہ نہیں۔ جاؤ باجی کو دے آؤ۔" نوید جھلاتے ہوئے بولا۔

"باجی ناراض ہوں گی۔" شبی مسکین صورت بنا کر بولا۔

"پھر میں کیا کروں۔" نوید اس کا بلا پرے پٹختے ہوئے بولا۔

"باجی! ۔۔" عفی زور سے چیخی۔ وفا نے سوٹ کیس بند کرتے ہوئے انہیں دیکھا۔

"باجی!" عفی پھر چلائی۔

"کیوں ۔۔۔ کیا ہوا ۔۔؟" وفا کپڑے جھاڑتے ہوئے ان کی طرف بڑھی اور پھر نوید کو اٹیچی پر جھکے دیکھ کر مسکرا دی۔

"بھائی جان! یہ کیا ۔۔!" وفا نوید کا شانہ ہلاتے ہوئے بولی

"کچھ نہیں باجی ۔۔"

وہ مسکراتے ہوئے بولا "چند ایک رسالے ہوں گے"

"ہائے باجی! لالہ جھوٹ بول رہے ہیں۔ اتنے سارے رسالے ہیں"

"یا تو ہماری چیزیں بھی اپنے اٹیچی میں رکھیں یا یہ بھی یہیں چھوڑ جائیں"

شیبی غصّے سے بولا۔

کاشف، عمی، شیبی کو بہلا پھسلا کر باہر لے گیا۔

"چلو نوید نکالو یہ رسالے میں ساتھ نہیں لے جانے دوں گی" وفا سنجیدگی سے بولی۔

"نہیں باجی! میں رسالے ضرور ساتھ لے جاؤں گا" نوید اکڑ گیا۔

"اگر اپنے رسالے نہیں چھوڑ سکتے تو ان کی چیزیں بھی رکھو" وفا غصہ سے بولی۔

"نہیں ۔۔ نہیں ۔۔ میں نہیں رکھوں گا ان کی چیزیں" وہ بھی غصّے سے چیخا۔

"نہیں رکھو گے؟" وفا نے چیلنج کے سے انداز میں پوچھا۔

"نہیں ۔۔" نوید تیزی سے بولا۔

"نوید ۔۔" وفا نے نوید کو شانوں سے پکڑ کر اس کا منہ اپنی طرف پھیر لیا۔

اس کی آنکھوں سے غصّے کی چنگاریاں نکل رہی تھیں اور جسم ہولے ہولے لرز رہا تھا۔ پیشانی پر پسینے کے قطرے جھلکنے لگے تھے۔ اچانک اس کی نظر سامنے بیٹھے بنیل پر پڑی جو بڑی دلچسپی سے اس کی باتیں سن رہا تھا اور ساتھ ساتھ اس کی کیفیت پر مسکرا رہا تھا۔ وفا کے ہاتھ ایک دم سے کانپ اٹھے۔ اس نے نوید کو چھوڑ دیا اور

تیزی سے ڈرائینگ روم سے باہر نکل گئی۔ وفا کے ایک دم چلے جانے سے نوید چونکا اور بنیل کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے افسردگی سے بولا۔

"باجی ناراض ہو گئیں بھیّا! میں نے بھی تو ان کا ذرا لحاظ نہیں کیا۔"

"نہیں ــ وہ ناراض نہیں نوید!" بنیل اسے اپنے قریب بٹھاتے ہوئے بولا۔ لیکن نوید اس کی بات نہ سمجھ سکا اور اپنے اٹیچی میں ٹھونسے ہوئے رسالے نکالنے لگا۔

"واقعی ان سب کی کیا ضرورت ہے۔ سیر کرنے کے بعد پڑھنے کو بھلا کونسا وقت بچے گا ــ"

نوید کی بات پر بنیل مسکرا دیا۔

رات کھانے پر وفا نہیں تھی۔ نوید خجل خجل سا اپنی جگہ پر بیٹھا تھا۔ بسمہ باری باری چیزیں سب کے آگے رکھ رہی تھیں۔ کاشف اپنے دائیں بائیں بیٹھے شیبی اور عفی سے مخاطب تھا اور بنیل سوچوں میں گم ہوئے ہوئے کھانا کھا رہا تھا۔

کھانے پر وفا کی غیر حاضری نوید کی بدتمیزی کی بدولت تھی یا اس کی خاطر سوچ کے سرے سلجھنے کی بجائے الجھے جا رہے تھے۔

"لو نہیں ــ! یہ کوفتے تو تم نے چکھے ہی نہیں ــ" بسمہ نے سالن کا ڈونگا اس کے سامنے رکھ دیا ــ اس نے تھوڑا سا سالن لیتے ہوئے ڈونگا آگے کاشف کی طرف بڑھا دیا۔ کاشف مسکرایا۔

"ہوں ــ تو ہم یاد ہیں ابھی تک؟"

کھانے کے بعد وہ سب اٹھ کر ڈرائینگ روم میں چلے آئے۔ سارا سامان بند

چکا تھا۔ اب صبح جانے کے متعلق باتیں ہونے لگیں اور باتوں ہی باتوں میں ساڑھے نو بج گئے ہیں۔ کاشف اور بنیل نے اجازت چاہی۔ لیکن اس وقت باہر سے وفا کی آواز آئی۔

"شیبی ـــ" شیبی جلدی سے اٹھا اور باہر نکل گیا۔

چند ہی لمحوں بعد وہ "باادب۔ باملاحظہ۔ ہوشیار کوئین فی تشریف لاتی ہیں۔"

کا نعرہ بلند کرتا ہوا چائے کی ٹرے تھامے ہوئے محتاط قدم لیتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔

نوید نے بڑھ کر ٹرے پکڑلی اور میز درمیان میں کھینچ کر چائے بنانے لگا۔ پھر کاشف اور بنیل کو چائے پیش کرتے ہوئے بولا۔

جو مزا باجی کے ہاتھ کی بنی چائے میں ہے۔ وہ تو اس چائے میں نہ ملے گا۔ لیکن نوش فرما کر چیتر کی حوصلہ افزائی کیجئے۔"

دونوں اس کی بات پر ہنس پڑے۔

"شیبی! وفا کو بلا لاؤ ـــ چائے ہی پی لیتی ـــ" بسمہ نے اپنا کپ میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

"امی! باجی اپنی چائے کمرے میں لے گئی تھیں۔" شیبی، عفی کو کمرے میں چکر دیتے ہوئے بولا۔

کاشف نے بنیل کی طرف اور بنیل نے نوید کی طرف دیکھا۔ بسمہ نے نوید کے جھکے ہوئے سر کو دیکھا اور پیار سے اس کے بال ہاتھ میں لیتے ہوئے بولیں۔

"نوید! آج وفا سے جھگڑے ہو۔"

نوید پھیکا سا مسکرا دیا اور عفی، شیبی تالیاں پیٹنے لگیں۔

"لالہ خراب ہو گئے ۔ باجی سے لڑنے لگے ۔"

کاشف نے دونوں کو پکڑ کے قالین پر بٹھادیا اور لالہ کا مذاق اڑانے پر سرزنش کی۔ بنیل اس کی استادی پر ہنس دیا اور پھر کاشف کا ہاتھ پکڑے ہوئے بسمہ سے اجازت مانگنے کو آگے بڑھا۔

" اب اجازت امی! کل انشاء اللہ ایئرپورٹ پہنچ جائیں گے ۔"

بسمہ اور نوید انہیں دروازے تک چھوڑنے آئے۔ دروازہ بند کر کے بسمہ تو عفی شیبی کو سونے کے لئے چھوڑنے چلی گئیں اور نوید باجی سے معافی مانگنے وفا کے کمرے کی طرف ۔

بارش رک چکی تھی۔

ٹھنڈی خوشبودار ہوا میں پوری وادی کو مہکا رہی تھیں۔ شیبی، غفی اور نوید تینوں گھر سے باہر کھڑے شہر کا نظارہ کر رہے تھے۔ چھوٹے چھوٹے ٹیلوں اور سرسبز پہاڑیوں سے گھرا سلہٹ کا شہر نہایت دلکش نظارہ پیش کر رہا تھا۔ اعجاز الحسن کا گھر اونچائی پر تھا۔ اس لئے اردگرد کے اونچے نیچے مقامات کے مناظر اپنی پوری رعنائیوں کے ساتھ لطف اندوز ہونے کا موقع دیتے تھے۔ نوید نے دوربین آنکھوں سے ہٹاتے ہوئے کلائی کی گھڑی میں وقت دیکھا اور چونک کے بولا۔

"توبہ! دس بجنے والے ہیں اور باجی ہیں کہ تیار ہی نہیں ہو چکیں؟"

"میں پتہ کروں لالہ"۔ غفی نے پیش کش کی۔

"ارے بھئی پتہ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ تم لوگ چلنا شروع کرو۔ وفا اور تمہاری

امی بھی پیچھے پیچھے آتی ہیں۔"
اعجاز الحسن ان کے قریب آتے ہوئے مسکرا کے بولے۔
عفی نے اعجاز الحسن کا ہاتھ تھام لیا اور شیبی نوید کے ساتھ ساتھ بھاگنے لگا۔
وفا اور بسمہ گھر سے نکلیں تو شیبی، عفی اور نوید، اعجاز الحسن کی ہمراہی میں کافی آگے جا چکے تھے۔
ذرا انتظار نہیں کر سکتے یہ لوگ! وفا بسمہ کے ساتھ ہو لے ہولے چلتے ہوئے بولی۔
"سیر کے شوق میں تو صبح سے تیار ہوئے کھڑے تھے۔ کہاں تک انتظار کرتے؟" بسمہ تنگ راستے پر مضبوطی سے قدم جماتے ہوئے بولیں۔
"آج تو میرا سیر کو بالکل بھی جی نہیں چاہ رہا تھا امی۔"
"کیوں؟" بسمہ چونک کے بولیں۔ طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔ رنگ اڑا اڑا سا ہے تمہارا۔"
وفا ہنس دی۔
بس آپ کو وہم ہو گیا امی! آب و ہوا کی تبدیلی اور روز روز کی سیر کا کچھ اثر تو ہو گا۔ بس ذرا تھکن سی ہے!"
وفا نے یہ سب تو ماں کی تسلی کے لئے کہہ دیا تھا لیکن وہ جب سے سلہٹ آئی تھی۔ عجیب سی بے چینی اور بے قراری محسوس کرتی تھی اور آج تو وہ واقعی بیکل تھی لیکن سیر خراب ہو جانے کے ڈر سے خاموش رہی۔ جب سے وہ سلہٹ آئے تھے ہر روز کہیں نہ کہیں جانے اور ملنے ملانے کا پروگرام ہوتا تھا۔ آج چائے کے

باغات کی سیر کو نکلے تھے۔ سیر کرتے کرتے وہ کتنی دور نکل گئے لیکن نوید کہیں رکنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا شیبی اور عفی بھی اس کا پورا پورا ساتھ دے رہے تھے۔ وفا بہترا چیخی چلائی لیکن آج وہ تینوں اس کے حکم سے لاپرواہ چلے جا رہے تھے۔ موسم خوشگوار تھا۔ بارش بھی بند تھی اور دریائے سرما کی وادی کا حسن جوبن پر تھا۔

دوپہر کھانے کے بعد حضرت شاہ جلالؒ کا روضہ دیکھنے کا پروگرام تھا۔ وفا کو بھی ساتھ جانا پڑا۔ روضے پر عقیدت مندوں کا ہجوم لگا تھا۔ لوگ روضے پر پھول چڑھاتے اور دعائیں مانگ کے لوٹ جاتے۔ وفا ہاتھوں میں پھول تھامے شیبی کے ساتھ باہر کھڑی رہی اس کی نظریں ہاتھوں میں پکڑے پھولوں سے پھسلتی ہوئی بہت دور کسی غیر مرئی نقطے پر متعلق ہو کے رہ گئیں۔ ارد گرد موتیے کی خوشبو پھیل گئی۔ موتیے کے پھولوں سے گندھے گجرے نگاہوں میں پھرتے پھراتے اس کی بانہوں میں جھول گئے۔ وہ ان کی مہک سونگھنے کو جھکی لیکن نوید کی بات پر چونک کے سیدھی ہو گئی۔

" اب ہم کین برج " دیکھنے جائیں گے ابو جی!"

" آج اتنا ہی کافی ہے بیٹے! اور وفا بھی کچھ تھکی تھکی سی ہے۔" ماں نے وفا کے اترے ہوئے چہرے پہ نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔

" کیوں بیٹی! کیا ہوا؟" اعجاز الحسن ایکدم سے گھبرا گئے۔ وفا ان کی بہت ہی پیاری بیٹی تھی اور اتنی بڑی ہو جانے کے باوجود ان کی نظروں میں وہ ایک ننھی سی بچی تھی۔

" میں ٹھیک ہوں ابو جی! ہم کین برج دیکھنے چلیں گے۔" وفا نوید کے شانے پہ پیار سے ہاتھ رکھ کر مسکراتے ہوئے بولی۔

" کین برج " فن تعمیر کا تو کوئی ایسا نمونہ نہ تھا کہ وہ چونک اٹھتے۔ البتہ وہ جس خوبی

سے سلہٹ کے قدیم اور جدید حصے کو ایک دوسرے سے جدا کر کے پھر ملا دیا تھا وہ قابل داد تھا۔ وہ کتنی دیر پل پر کھڑے دریائے سرما کے مچلتے پانیوں کا نظارہ کرتے رہے اور جب واپس لوٹے تو شام کے ملگجے سائے اپنی سرمگیں قبائیں تھامے ہوئے وادی کو اپنی لپیٹ میں لے رہے تھے۔

وفا نے صرف چائے لی اور اپنے کمرے میں چلی آئی۔ رات کے لمحے چپ چاپ بیتے چلے جا رہے تھے اور نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ انگ انگ تھکن سے چور تھا۔ چاند کا زردی مائل چہرہ بادلوں کی اوٹ سے جھانک رہا تھا۔ عطر بیز ہوائیں اٹھکیلیاں کرتی پھر رہی تھیں۔ سماں اس قدر دلکش تھا لیکن وفا اپنے بستر پر نڈھال سی پڑی تھی۔ وہ کچھ سوچتی اس سوچ کا دامن جھٹکتی لیکن اسے دوبارہ تھام لینے پر مجبور ہو جاتی۔ پہلو بدل بدل کے تنگ آ گئی تو دیوار سے ٹیک لگا کے بیٹھ گئی۔

"افوہ! کیا قیامت ہے۔" اس نے پیر سرد سرد سی زمین پر ٹکا دیئے اور چہرہ ہاتھوں میں تھام کے کھو سی گئی۔ اس کی نظروں تلے سفید رومال لہرانے لگا۔ ذہن چند دن پیچھے کی سمت پلٹ گیا۔ وہ سب ایئرپورٹ پہنچ چکے تھے اور انتظار گاہ میں بیٹھے کاشف اور نبیل کا انتظار کر رہے تھے۔ نوید ادھر ادھر تانکتا جھانکتا باہر نکل گیا

"وفا! یہ نوید جانے کدھر چلا گیا۔" نسیمہ گھبرائی گھبرائی سی بولیں۔

"جائے گا کہاں۔ باہر ان لوگوں کا انتظار کر رہا ہوگا۔" وفا نے صفی کا رِبن ٹھیک کرتے ہوئے کہا۔ لیکن جب کافی دیر گزر گئی۔ نوید واپس نہ پلٹا تو وفا اسے دیکھنے کو تیز تیز باہر نکلی۔ انتظار گاہ سے نکلتے ہی نبیل مل گئے۔

"اوہ! کہاں جا رہی ہیں۔ آپ" نبیل اسے روکتے ہوئے بولا۔

"ارے ۔ آپ ۔۔ !" وہ ہلکا سا مسکرائی اور پھر ایک دم سے ہی پریشان ہوگئی ۔

"نہ جانے نوید کدھر چلا گیا ہے ۔ امّی پریشان ہو رہی ہیں ۔"

"صلح ہوگئی نوید سے ۔" بنیل نے مسکرا کے پوچھا ۔

"صلح ۔۔ لڑائی کب تھی ؟"

"اچھا یہ بات ! رات تو آپ مرنے مارنے پر تلی ہوئی تھیں ۔"

"نہیں تو ۔۔ !" وہ اپنی رات والی حالت کا سوچ کے شرمندہ سی ہوگئی ۔

"چلیئے نہ سہی ۔ اب یہ بتایئے واپسی کب تک ہوگی ۔" وہ اس کے جھکے ہوئے سر کو اوپر اٹھتے ہوئے دیکھ کر بولا ۔

"کیوں ؟ آپ کو اس سے مطلب ؟" وفا ایک دم گھوم کے بولی ۔

جایئے نہ بتایئے ۔ کون انتظار کرتا ہے ۔۔" بنیل تیز تیز قدم لیتا انتظار گاہ میں چلا گیا اور وفا بے خیالی میں چلتی ہوئی نوید سے ٹکرا گئی ۔

"باجی ! آپ کدھر جا رہی ہیں ؟" نوید نے وفا سے پوچھا ۔

"تمہیں ڈھونڈنے نکلی تھی ۔" وہ آہستگی سے بولی ۔ اور پھر اس کے ساتھ ہی اندر چلی آئی ۔ جانے کاشف اور بنیل کس وقت اس کی نظر بچا کے انتظار گاہ میں چلے آئے تھے وہ سوچ بھی نہ سکی ۔ مائیک پر جہاز کی روانگی کا اعلان ہوا تو وہ باہر نکل آئے سبھی مختلف قسم کے جذبات لیئے ہوئے تھے ۔ شیبی اور عنی لبنہ کے دائیں بائیں آگے آگے جا رہے تھے ۔ نوید نے بنیل سے ہاتھ ملا لیا تو کاشف کی طرف مڑا ۔

"آپ کو خدا حافظ کہہ سکتا ہوں ؟" بنیل نے وفا پہ ایک نظر ڈالتے ہوئے آہستگی

سے پوچھا.

" خدا حافظ ! —" وفا نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا اور تیزی سے لیمہ کے پیچھے چل دی.

جہاز کی ہر ہر سیڑھی پر قدم رکھتے ہوئے اس نے چاہا کہ پیچھے مڑ کے دیکھ لے. صرف ایک بار — آخری بار — اور ہر سیڑھی پہ دل کی بات دماغ رو کئے چلا گیا. لیکن آخری سیڑھی پر قدم رکھتے سمے وفا ضبط نہ کر سکی. اس نے پلٹ کے دیکھا. بنیل ریلنگ پر جھکا اس کی طرف دیکھ رہا تھا اور کاشف اس کے پہلو میں کھڑا مسکرا رہا تھا. جہاز نے رن دے پر چکر کاٹا اور فضا میں بلند ہونا شروع ہوا. وفا نے زمین پر جو آخری چیز دیکھی وہ بنیل کا سفید رومال تھا. جو فضا میں ہلکے ہلکے لہرا رہا تھا. پھر اس کی آنکھیں سندھی چلی گئیں اور اس کے بعد دائیں بائیں کتنے ہی سفید رومال لہرانے لگے. اور ان رومالوں کے دامن میں بنیل کا جھکا جھکا چہرہ شرارت سے مسکانے لگا.

سلہٹ آکر اَبوجی کے ساتھ سیریں کرتے ہوئے وہ بہت زیادہ خوشی محسوس کرتی. لیکن بعض اوقات ایک دم سے ہی ہر طرف سفید رومال لہرانے لگتے اور وہ تھکی تھکی سی ساتھ دینے کو بڑھے چلے جاتی. پھر سوچتی. بنیل جس کے ساتھ اس کا کوئی تعلق، کوئی رشتہ نہیں خواہ مخواہ کیوں ذہن پہ سوار ہو کے رہ گیا ہے — لیکن اس سوال کا جواب ڈھونڈنے کی بجائے وہ اسی کے خوابوں میں کھو کے رہ جاتی — اور آج — اس نے چہرہ ہاتھوں کے پیالے سے آزاد کر لیا — اور بستر پر دراز ہوتے ہوئے ٹیبل لیمپ روشن کر لیا.

آج — تو وہ خود کو بنیل بنا بے حد تنہا اور اداس محسوس کر رہی تھی. دل کہتا رہا

کاش! آج بنیل ساتھ ہوتا ــ اونہہ ــ ساتھ ہوتا تو نوید کا ساتھ دیکھ اور زیادہ تھکاتا اور بور کراتا۔ لیکن اس کی ہمراہی میں بوریت اور تھکاوٹ تو نام کو نہ ہوتی" دل نے چپکے سے کہا۔

"خواہ مخواہ ہی ــ کونسا ساری عمر اس کا ساتھ رہا ہے۔" اس نے جھنجھلا کے پہلو بدل لیا۔

آسمان صاف ہو چکا تھا۔ ستارے پلکیں جھپکا رہے تھے۔ چاند جانے کون سے سمندر میں ڈوب چکا تھا" ہاں کونسا ساری عمر میرا ساتھ رہا ہے لیکن آئندہ تو ساتھی بن سکتا ہوں" ستاروں بھرے آکاش کے دامن سے ایک خوب صورت پیکر اتر کے وفا کی آنکھوں میں سما گیا۔ اس نے آہستگی سے آنکھوں پر پلکوں کی چلمن گرا لی اور ہوا کی سرکش لہریں اس کے سیاہ لمبے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے لوریاں دینے لگیں۔

وفا بے قرار، بے چین اور بے کل تھی۔ تو بنیل کو بھی اپنا آپ کھویا کھویا سا محسوس ہو رہا تھا۔ وفا کو سلہٹ کے لئے خدا حافظ کہہ کے وہ خود کو اس کے شہر میں اجنبی سا محسوس کرنے لگا تھا۔ کاشف نے اسے کیسا کیسا تنگ کیا تھا ___ لیکن ___ بنیل ایک دم سے ہی دکھی ہو گیا تھا۔ بھلا وفا سے اس کا کیا واسطہ ___ مگر یہ بلا واسطہ، واسطہ بھی بڑی اذیت ناک شے تھی۔ اس کا لرزتی ہوئی آواز میں "خدا حافظ" کہہ کے مڑ جانا۔ پھر بے قرار ہو کے پلٹنا اور دیکھتے ہی منہ پھیر لینا۔ بنیل کے لئے کسی قیامت سے کم تو نہ تھا۔ وفا نے اس کی تیمارداری ایک فرض سمجھ کر کی تھی۔ میڈیکل کی طالبہ تھی۔ لیکن ذرا جو فرائض سے ایک انچ ادھر ہٹے۔ نہ پٹی کھولے گا۔ وہ دوا لگائے گی۔ تو پٹی باندھے گا اور وہ چپ چاپ اٹھ کے چلی جائے گی۔ بعض اوقات تو وہ اس میں اپنی توہین محسوس کرتا لیکن وفا کا چونک کے پوچھنا۔

"کیا۔" وہ پھر سے ہونے لگا۔ تمام بے پروائیوں پر مرہم کا کام دیتا۔ دوسرے دن کاشف نے زبردستی روک لیا۔ تیسرے دن وہ گھر لوٹا۔ اپنی دونوں بیٹیوں کے ساتھ بیٹھی ماں اس کی منتظر تھیں۔ اس نے پردہ ہٹایا۔ تو تینوں کھل اٹھیں۔

"بھیا! اتنے دن لگا دیئے؟"

"ٹھہرو بینی ـــ امی سے پیار تو لے لوں ـــ وہ بینی کو الگ کرتے ہوئے ماں کے سامنے جھک گیا۔

"اب کے بڑے دن لگا دیئے بیٹا! ـــ" وہ پیار سے اس کی پیشانی چومتے ہوئے بولیں۔

"بس کاشف نے روک لیا۔ آنے ہی نہیں دے رہا تھا۔" وہ ہنستے ہوئے ان کے درمیان بیٹھ گیا۔

"بڑے خراب ہیں کاشف بھائی! خود تو آتے نہیں اور بھیا کو اتنے اتنے دن روک رکھتے ہیں۔" بینی کو کاشف پر غصہ آ گیا۔

"لو ـــ تم تو ناراض ہو گئیں۔" بنیل ہنس دیا اور پھر بڑی بہن کی طرف مڑا۔

"کیوں یہ ہماری دیدی کیوں خاموش ہیں آج؟"

"نہیں تو ـــ سوچا ذرا بینی سے گلے شکوے ہولیں تو حال احوال پوچھوں" وہ مسکرا کے بولی۔

"اوہو ـــ خدا خیر کرے۔" بینی چائے کا کہنے چلی گئی اور بنیل نہانے کو چل دیا۔ چائے پر کچھ کمی سی محسوس کرتے ہوئے بنیل ماں کی طرف متوجہ ہوا۔

"امی جان! ابا جان ابھی تک شکار سے نہیں لوٹے؟"

"نہیں ــــ وہ تو کب کے لوٹ چکے۔ تمہارے جانے کے تیسرے دن ہی وہ یہاں پہنچ گئے تھے" وہ چائے بناتے ہوئے بولیں۔

" لیکن اس وقت تو شاید گھر پر نہیں ؟"

" ہاں بھیّا ! ابا جان آج کہیں مہمان ہیں ۔" بہن نے جواب دیا۔

" پھر تو ان سے ملاقات رات کو ہی ہو سکے گی ۔"

چائے کے بعد بنیل بہنوں کو لے کر گھومنے چلا گیا۔ ہرے بھرے کھیتوں کے درمیان سیدھی لیٹی پگڈنڈی پر آگے پیچھے چلتے چلتے جب تینوں تھک گئے تو واپس لوٹے۔

" اچھا بھیّا ! اب یہ بتایئے کہ آپ نے وہاں کیا کیا سیریں کیں ۔" بڑی نے بنیل سے آگے نکلتے ہوئے پوچھا۔

" اس دفعہ تو کوئی سیر نہ کر سکے ۔ بس سیدھے سادے بستر پر لیٹے رہے ۔"

" بستر پر لیٹے رہے ۔ کیوں ؟" وہ گھبرا کے بولی ۔

" وہ ڈاکٹر کا جو حکم تھا دیدی ؟" بنیل ہونٹ دانتوں تلے دبا کے بولا ۔

" ڈاکٹر کا حکم ۔ کیا آپ بیمار ہو گئے تھے بھیّا ـــ " بہن نے بھائی کے ہاتھ تھام لئے۔

" نہیں ـــ بیمار تو نہیں ہوا تھا ۔" وہ ہونٹ بھینچ کے مسکرایا ۔

" تو پھر ـــ ؟ "

" پھر ـــ " بنیل نے بہن کو منہ چڑا دیا ۔

" سیدھی سیدھی گھر چلو ـــ یہ کیا پولیس والوں کی طرح سوالات کرنے لگیں ۔"

بنیل نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

"آپ جائیے ۔۔ ہم نہیں جاتے گھر۔ کیوں دیدی؟"

"ہاں بھیا! آپ جب تک اپنی علالت کے بارے میں تفصیل سے نہیں بتائیں گے۔ ہم گھر نہیں جائیں گے ۔" دونوں بہنیں، پگڈنڈی کے کنارے پر بیٹھ گئیں۔

"توبہ ۔۔! کیا قیامت ہے۔ تم سے پوچھے بنا کوئی بیمار بھی نہ ہوا کرے۔"

بنیل رکتے ہوئے بولا۔

دونوں خاموش رہیں۔

تو محاذ کے اس طرف مکمل خاموشی ہے۔ چلو بتائے دیتے ہیں۔ تم بھی کیا یاد کروگی کہ کس شاہ دل بھائی سے پالا پڑا تھا۔" وہ دونوں کے درمیان جگہ بنا کر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"اچھا ۔ اب شروع کرو جرح۔ مجرم حاضر ہے۔"

"ہر وقت مذاق نہ کیا کیجئے بھیا!"

"یہ بتائیے ۔ کہ آپ بیمار کیا ہوئے تھے۔"

"بیمار ۔ نہیں ۔ میں بیمار نہیں ہوا تھا۔ البتہ ایک چھوٹا سا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔"

"ہائے اللہ۔ کہاں چوٹ لگی تھی بھیا" ایک دم اچھل کے بولی۔

"بتاتا ہوں۔ تم ذرا چین سے تو بیٹھو!" بنیل حیران سی بہن کو پھر بٹھاتے ہوئے بولا۔

"بارش کی وجہ سے سڑک پر پھسلن تھی اور میں سکوٹر پر تھا۔ اتفاق سے کاشف اس دن میرے ساتھ نہ تھا۔ جانے کس طرح میرا اسکوٹر پھسل گیا اور میں بالکل بے حس سا ہو کے رہ گیا۔ ایک نیک دل لڑکا مجھے ٹیکسی میں ڈال کر اپنے گھر لے گیا۔ میں وہاں دو دن تک رہا پھر کاشف مجھے ساتھ گھر لے آیا۔ صرف چند دن ہی ہوئے ہیں۔ مجھے چلتے پھرتے۔" کاشف دونوں کا سر ٹکراتے ہوئے بولا۔

"کہاں چوٹ لگی تھی بھیا؟"

"یہ دائیں ٹانگ پر۔" بنیل نے زخم کی جگہ دکھاتے ہوئے کہا۔

"تبھی دیدی! بھیا نے اتنے دن لگا دیئے۔" بینی نے مسکرا کر کہا اور بنیل ہنس دیا۔ پھر دونوں کو اٹھاتے ہوئے گھر کا رخ کیا۔

"اچھا وہ کاشف بھائی کیوں نہ آئے آپ کے ساتھ؟"

"کہہ رہے تھے دیدی کے بیاہ میں آؤں گا۔" بنیل مسکرا کے بولا اور وہ شرما گئی۔

"کاشف بھائی اتنے بُرے نہیں۔ یہ آپ خود ہی دل سے کہہ رہے ہیں۔"

"ہاں کاشف تو تمہارا سگا بھائی ہوا اور ہم — ہوئے سوتیلے۔" بنیل عجیب سے لہجے میں بولا اور دونوں ہنس پڑیں۔

رات کھانے کے بعد ابا جان واپس آئے بنیل تو ان سے لپٹ گیا۔

"بہت انتظار کروایا بیٹے!" انہوں نے شفقت سے کہا۔

"وہ کاشف نے روک لیا تھا ابا جان۔" بنیل نے سر جھکاتے ہوئے جواب دیا۔

"سچی بھیا —!" قریب بیٹھی ہوئی بہن نے اس پر شوخ نظریں جما دیں۔

"ہاں — کچھ غلط نہیں دیدی —!" بنیل کی نگاہوں میں پیار بھری نمائش تھی۔

دونوں بہنوں کا یہ لاڈلا بھائی گھر بھر کا چہیتا تھا۔ خاص طور سے بلبی تو اس سے بے حد مانوس تھی۔ جب وہ دونوں کے اصل نام بدل کر پیار بھرے لہجہ میں لبوں کو بھینچ کر "بلبی"

تو اس سے بے حد مانوس تھی۔ جب وہ دونوں کے اصل نام بدل کر پیار

بنیل جب سب کو خدا حافظ کہہ کے سونے کے لیئے آیا تو اس پاس وفا کا رعنا چہرہ کتنی دیر ہی تھر کتا رہا

"وفا! ." وہ ہولے سے پکارا

"وفا! —" اس نے سرگوشی کی۔

"وفا! —!" بنیل نے زور سے آنکھیں میچ کے وفا کو اپنی محفل میں بلا لیا۔

روانگی سے دو دن پہلے اعجاز الحسن بچوں کو چاٹگام لے گئے۔ وہاں پورا ایک دن گھومتے پھرتے گزرا۔ چاٹگام میں قدرت کا اتنا بہت زیادہ حسن دیکھ کے وفا کھل اٹھی۔ ہر طرف پانی ـــ ہر طرف سبزہ ـــ اس کی آنکھوں میں خوابوں کے جزیرے ڈولنے لگے۔ اس کی ساری بے کلی ـــ بے چینی ایکدم سے ختم ہو کے رہ گئی اور جب رات گئے ڈھاکہ کے لئے روانہ ہوئے تو وفا بے اختیار رو دی۔

"چلو، باجی کو تو چاٹگام بھا گیا۔" نوید شرارت سے بولا

وفا نے مسکرا کے آنسو پونچھتے ہوئے نوید کا کان مروڑا۔

"بہت شریر ہو گئے بھیا!"

ڈھاکہ چاٹگام کے برعکس بہت بڑا مشینی اور جدید شہر تھا۔ چوڑی چوڑی سڑکیں اور ان پر پھیلتے ہوئے رکشے۔ سارا دن گھوم پھر کے وہ اتنا تھکے کہ بستروں پر لیٹتے

ہی نیند نے آلیا۔ اگلے دن وقت مقررہ پر ایئرپورٹ پہنچ گئے۔ مائیک پر مسافروں کے ناموں کا اعلان ہونے لگا۔ اعجاز الحسن، نوید، عفی اور شیبی کو پیار سے جہاز کی طرف رخصت کرتے ہوئے وفا کی طرف بڑھے۔ وفا باپ سے لپٹ کر رو پڑی۔

"وفا! ارے کیا ہوا بیٹی؟" اعجاز الحسن نے پیار سے چہرہ اوپر اٹھایا۔ آنسو رخساروں پر پھیل رہے ہیں۔

"آنسو پونچھ لو وفا! تم سب سے بڑی ہو۔ حوصلے سے کام لو بیٹی!" اعجاز الحسن نے وفا کے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

"ابو جی!" وفا کی سسکی نکل گئی۔

"نہیں بیٹی۔ ایسی بھی کیا کمزوری؟ میں بہت جلد تمہیں ملنے آؤں گا۔"

پھر اعجاز الحسن اسے بہن بھائیوں اور ماں کا خیال رکھنے کا کہتے رہے۔ پڑھائی کے بارے میں خاص تاکید کی اور اس کی پیشانی چومتے ہوئے خدا حافظ کہا۔

وفا نے ایک الوداعی نظر باپ پر ڈالی اور تھکے تھکے قدموں سے جہاز کی طرف بڑھی۔

تھوڑی ہی دیر بعد جہاز فضاؤں میں تیرنے لگا اور اعجاز الحسن اتنے بھرے پُرے شہر میں کھو کے رہ گئے۔ شیبی اور عفی چاکلیٹ کھا رہے تھے۔ نوید دوربین سے باہر کا نظارہ کر رہا تھا۔ بسمہ نے گھٹنوں پر اخبار پھیلا رکھا تھا اور وفا چپ چاپ آنکھیں موندے اداس اداس سی بیٹھی تھی۔ آتے سمے بھی وہ بے حد اداس تھی۔ جانے کیوں اسے یوں محسوس ہوا تھا کہ وہ بنیل سے دور جا کے ایک پل بھی سکون سے نہ گزار سکے گی۔ اور ہوا بھی یہی۔ ہر ہر لمحہ بنیل کا چہرہ تصور کے پردوں پر ابھر کے اسے ستاتا رہا اور اب جو واپس لوٹ رہی تھی تو ابو جی سے جدائی بڑی تکلیف دہ لگ رہی تھی۔

اسے ابو جی سے بہت پیار تھا۔ لیکن ان سے بچھڑتے سمے وہ کبھی آج کی طرح بیاکل نہ ہوئی تھی۔

جہاز سینکڑوں میل طے کر کے آہستہ آہستہ منزل کا رخ پکڑنے لگا اور پھر نوید نے جھک کے دیکھا۔ جہاز ان کے اپنے شہر پر چکر کاٹ رہا تھا۔ ہولے ہولے اس کا رخ زمین کی سمت ہوا جا رہا تھا۔ پھر رن وے پر دوڑتے ہوئے ایکدم سے رک گیا۔ جہاز کے رکتے ہی ایئر پورٹ کا عملہ حرکت میں آگیا۔ دروازے کے ساتھ سیڑھی لگی اور مسافر باری باری باہر نکلنے لگے۔ ٹیکسی رکواتے ہوئے نوید کی نظر اچانک کاشف پر پڑی۔

" ہیلو کاشف بھائی! آپ یہاں کہاں ؟" وہ ان سے بغل گیر ہوتے ہوئے بولا۔

" ارے تم لوگ آ گئے ۔" کاشف نوید کو لئے لئے سب کی طرف آگیا۔ وہ بھی یوں اچانک ان سے ملنے پر بہت خوش تھا۔

" آپ کسی کو لینے آئے ہیں بھائی جان ؟" شیبی اپنی لمبی لمبی پلکیں جھپکتے ہوئے بولا۔

" نہیں بھائی میں تو تمہارے بنیل کے پاس جا رہا ہوں ۔" کاشف نے شیبی کے رخسار تھپتھپاتے ہوئے وفا پر نظر ڈالی اور پھر ایک دم سے چونک اٹھا۔

" امی! یہ ہماری وفا بہنا کو کیا کر لائیں آپ ؟"

وفا جھینپ سی گئی ۔

" وفا وہاں جا کے کچھ ٹھیک نہیں رہی بیٹے ۔" بسمہ وفا پر نگاہ ڈالتے ہوئے بولیں۔

" کیوں وفا ؟" کاشف نے پوچھا ۔" کیا ہو گیا تھا ؟"

کاشف کے استفسار پر وفا کی پیشانی پر پسینے کے قطرے چمکنے لگے۔
"باجی کو وہاں جانا کچھ راس نہیں آیا بھیّا!" نوید نے ہنستے ہوئے کہا۔
بسمہ نے بنیل کو دعائیں، شیبی اور عفی نے چاکلیٹ اور نوید نے سلام بھیجا۔
سب ٹیکسی میں بیٹھ گئے تو کاشف وفا کی طرف متوجہ ہوا۔
"کیوں وفا آپ کیا بھیج رہی ہیں بنیل کو؟"
وفا کا چہرہ شرم سے سرخ ہو گیا۔
"بتائیے نا!" کاشف نے اصرار کیا۔ وفا خاموش کھڑی پلکیں اٹھاتی گراتی رہی۔
"اچھا نہ بتائیے۔ میں اس سے جا کے کہہ دوں گا کہ کوئی تمہارے غم میں زرد پڑ گیا ہے۔" کاشف شرارت سے بولا۔
"کاشف بھائی!" وفا کے لب پھڑپھڑائے اور وہ جلدی سے ٹیکسی میں بیٹھ گئی اور ٹیکسی ہلکے سے جھٹکے سے چل دی۔
دن ڈھل رہا تھا اور ہوائیں ٹھنڈی پڑ گئی تھیں۔ گھر کھولا تو اپنائیت کا اتنا بہت سارا احساس ہوا کہ ایک دم سے ہی ساری تھکن دور ہو گئی۔ وفا نے چائے بنائی۔ کھانے کی کسی کو طلب نہ تھی۔ شیبی اور عفی تو فوراً ہی سونے چلے گئے۔ نوید اپنے کمرے کی حالت درست کرنے لگا۔ بسمہ اور وفا گھر کا جائزہ لیتی رہی۔ پھر بسمہ سونے کو چلی گئیں تو وفا اپنے کمرے میں چلی آئی کتابیں نکال کے الماری صاف کی، پھر ترتیب سے کتابیں سجائیں۔ بستر درست کیا اور بتی بجھاتے ہوئے سونے کو لیٹ گئی۔ کتنی دیر ابوجی یاد آتے رہے۔ پھر اپنی حماقت پر نادم ہوتی رہی بھلا کیوں رو دی تھی وہ جبکہ عفی، شیبی بڑے مزے سے جہاز میں بیٹھنے کو دوڑے تھے۔ کتنے ہی دن ابوجی اداس ہوتے رہیں گے۔

حد ہوگئی جذباتیت کی۔ پھر کاشف یاد آگیا اور اس کی وساطت سے خیال بنیل تک جا پہنچا۔

اُفوہ۔ کاشف بھائی ان سے ملیں گے تو جانے کیا کیا کہہ دیں کہہ رہے تھے کہ بنیل سے کہوں گا کوئی تمہارے غم میں زرد پڑ گیا ہے۔ خواہ مخواہ ہی۔ اچھی بھلی تو ہوں۔ لیکن امی بھی تو کہتی ہیں کہ رنگ پھیکا پڑ گیا ہے اور بہت تھکی تھکی سی لگتی ہوں۔ کیا واقعی! اس نے ایک دم اٹھ کے بتی جلا دی اور آئینے کے سامنے بیٹھ گئی۔ الجھے الجھے سیاہ ریشمی بالوں میں تھکے تھکے سے چہرے کا رنگ واقعی اُڑ چکا تھا۔ آنکھوں کے اردگرد حلقے سے پڑ گئے تھے وہ جھنجلا کے اُٹھ آئی۔ بھلا یہ کیا پاگل پن ہے۔ آخر یہ مجھے ہو کیا گیا ہے۔ اب آئے تو بنیل یہاں۔ کبھی جو گھر میں گھسنے دوں۔ اچھی بھلی زندگی کو روگ لگا دیا۔ وہ اپنے آپ ہی سے بولی اور کروٹ لے کر نیند کی وادی میں اترنے لگی۔

رات کافی گزر چکی تھی ۔
دونوں بہنیں بیٹھے بیٹھے اونگھنے لگی تھیں ۔ماں بھی بنیل کی اس غیر معمولی عدم موجودگی پر
پریشان سی ہو گئی تھیں ۔
" کاشف! تم سفر سے تھکے آئے ہو۔ چلو جا کے آرام کرو بیٹے ۔" وہ کاشف کا
شانہ تھپتھپاتے ہوئے بولیں۔
" بنیل ابھی آیا نہیں امی! جانے کہاں رہ گیا ؟ " کاشف کھڑے ہوتے ہوئے
بولا ۔
" میں کسی سے کہہ کر فون کراتی ہوں آج تو حد کر دی اس نے ۔" وہ دوسرے کمرے
کی طرف بڑھتے ہوئے بولیں ۔
" یہ بے چاری تو یہیں سو گئیں ۔" کاشف مسکرا کے بولا ۔ اور دونوں نے جھٹ

سے آنکھیں کھول دیں۔

"واہ بھیا! کون سوتا ہے۔ وہ تو یونہی ذرا آنکھیں بند کر لی تھیں۔"

دونوں ہنسنے لگیں۔

کاشف کپڑے تبدیل کر کے لیٹنا ہی چاہتا تھا کہ کمرے سے باہر ہلکی سی آہٹ ہوئی اور پھر قدم اندر کی طرف اٹھے۔

"ارے کاشف! تم بغیر اطلاع دیئے چلے آئے۔" بنیل ایک دم سے کاشف کے گلے لپٹ گیا۔

"منع کر دیتے تم، یہی ڈر تھا!"

"ہاں ۔۔ بالکل ۔۔" بنیل مسکرایا اور پھر بولا

"یہ تو بتاؤ کب آئے؟"

"یہی کوئی ایک دو گھنٹے قبل۔"

"یعنی شام کی فلائیٹ سے۔"

"ہاں۔"

"صبح کی فلائیٹ سے آ گئے ہوتے۔"

"جب تمہاری قسمت میں ایک خوشخبری لکھی تھی تو پھر کیسے صبح کی فلائیٹ سے آتا۔" کاشف شرارت سے مسکراتے ہوئے بولا۔

"خوشخبری؟ ۔۔ میرے لئے ۔۔" بنیل بے تابی سے اپنی جگہ چھوڑ کے کھڑا ہو گیا۔

"کیا رزلٹ کا کچھ پتہ چلا۔"

" ایکدم بے وقوف انسان ہو بنیل ۔" کاشف اسے کرسی میں دھکیلتے ہوئے بولا۔

" رزلٹ انجینئرنگ کا ہے ۔ مڈل میٹرک کا نہیں ۔ جمعہ جمعہ آٹھ دن تو امتحان دیئے نہیں ہوئے اور رزلٹ ابھی سے نکلنے لگا۔"

" پھر اور خوشخبری کیا ہو سکتی ہے ۔" بنیل کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے بولا۔

" بوجھو تو جانیں ۔" کاشف اسے ستانے پر تلا بیٹھا تھا۔

" نہ سہی ۔ یہ بتاؤ امی کیسی ہیں ۔ ؟"

" بہت جلد یاد آگئیں تمہیں امی ۔ ؟"

" کاشف! بہت باتیں بنانے لگے ہو ۔ آخر کوئی حد ۔" بنیل اٹھتے ہوئے بولا ۔ کاشف ہنس دیا ۔

" کہاں چلے بنیل ۔ ؟"

" سونے کے لئے ۔"

" ابھی سے ۔"

" کیا مطلب ۔ آج رات جگا ہو گا۔"

" نہیں ۔ رت جگا تو نہیں ۔ مگر وہ خوشخبری ۔"

" جانے دو یار ۔ پھر سہی ۔" بنیل خدا حافظ کہتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گیا۔ اور کاشف بتی بجھاتے ہوئے بستر پر دراز ہو گیا۔

بنیل سونے کے لئے لیٹا تو دھیان نا معلوم خوشخبری کی طرف چلا گیا۔ جانے کیسی خوشخبری ہے۔ شاید وفا کا کوئی پیغام ہے ۔ لیکن کہاں ۔ ؟ وہ افسردہ سا ہو گیا۔ وفا ابھی آئی کہاں ہو گی ۔ کتنی دیر خود سے ہی الجھتا رہا۔

رات کی سیاہیوں میں سحر کا نور گھلنے لگا تو آنکھ کھلی۔ صبح دیر تک سوتا رہا اور جب جاگا تو دونوں بہنیں کاشف کے ساتھ مل کر پکنک کا پروگرام بنا چکی تھیں۔ اسے بھی ساتھ دینا پڑا۔ لیکن سارا وقت وفا کا خیال ستاتا رہا۔ اتنے بہت سارے دن پُرسکون گزرے تھے۔ اب کاشف آیا تو وفا کا تصور پھر سے ذہن میں ہلچل مچانے لگا۔ اس کا جی چاہا کاشف سے پوچھے۔

وفا سلہٹ سے لوٹ آئی؟

وہ کیسی تھی؟

کبھی میرا ذکر ہوا؟

لیکن سوال گھٹ کے رہ جاتے۔ نامعلوم سی امیدی اور یاس جرأتِ سوال پیدا نہ ہونے دیتی۔ پکنک سے لوٹ کر بنیل اپنے کمرے میں چلا آیا اور بتی جلائے بغیر کرسی پر گرسا پڑا۔

"کیا سو گئے بنیل؟" باہر سے کاشف کی آواز سنائی دی۔

"نہیں کاشف — چلے آؤ —" کاشف نے بتی جلائی اور سامنے دیکھتے ہوئے حیران ہو بیٹھا۔

تم اندھیرے میں کیا کر رہے ہو۔ بنیل میں سمجھا شاید تم سو رہے ہو؟

بنیل مسکرا دیا۔

"آؤ بیٹھو — ! کچھ دیر گپ شپ ہی رہے گی۔" بنیل کاشف کی طرف کرسی بڑھاتے ہوئے بولا۔

"نہیں بندہ پرور! گپ شپ کا وقت نہیں۔ بدولت کو سخت نیند آرہی ہے۔"

کاشف کرسی پر بیٹھے ہوئے بولا۔

"تو پھر سو لئے ہوتے۔"

"کیسے سو جاتا۔ جب کہ تم آج بھی رات جگا منا رہے ہو۔"

"پاگل ہو تم کاشف!" بنیل ہنس دیا۔

"میں تو لیں سونے والا تھا۔"

"ہاں ویسے ہی کہ دوسرے دن کمرے سے باہر نکلو تو سوجی سوجی آنکھیں کھل ہی نہ سکیں۔" کاشف نے بنیل کو چھیڑا۔

"رات میں خوب گہری نیند سویا تھا۔ اس لئے صبح آنکھیں بوجھل بوجھل سی تھیں۔" بنیل نے جلدی سے صفائی پیش کی۔

"ہاں ـــ جب سے تمہیں ایک لیڈی ڈاکٹر کے زیرِ علاج رہنا پڑا ہے تمہاری نیند ضرورت سے کچھ زیادہ ہی گہری ہو گئی ہے ـ" کاشف اس کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے بولا۔

"خواہ مخواہ ہی ـــ نوید وغیرہ آ گئے سلہٹ سے واپس؟"
بنیل نے پیچھا چھڑانے کو پوچھا۔

"ہاں کل ہی تو آئے ہیں ـ میں تمہارے یہاں آنے کو ایئر پورٹ پہنچا تو ان کے جہاز نے لینڈ کیا تھا۔"

"کیا حال ہے سب کا؟"

سب کا حال ٹھیک ہے ـ لیکن وہ تمہاری ڈاکٹر کچھ ایسی ٹھیک نہ تھی۔"

"کیا ہوا اسے؟" بنیل چونک کے بولا۔

اور کاشف اس کے مرتعش لہجے سے بے حد محظوظ ہوا۔

"بڑا خیال ہے اس کا۔"

"ہاں ــــ ہے۔ اس نے بھی تو دو دن میرے اتنی توجہ سے مرہم پٹی کی تھی؟"

بنیل بلا جھجک بولا۔

"کافی دلیر ہو گئے ہو! ویسے اتنا بتا دوں کہ مشینیں ٹھونکنے بجانے والوں کا نباہ نبض ٹٹولنے والوں سے مشکل ہے۔"

"اچھا یہ بتاؤ۔ عفی، شیبی اور امی کیسے تھے؟"

"ان کے متعلق تو پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ بالکل ٹھیک تھے۔ تم نے وفا کے متعلق کیوں نہیں پوچھا؟"

"کیا پوچھتا ۔ تم بتاتے ہی نہیں ۔" بنیل سر جھکاتے ہوئے بولا۔

"ناراض ہو گئے ــــ سنو امی کہہ رہی تھیں۔ وفا کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں رہی۔ نوید کہہ رہا تھا کہ باجی کو سلہٹ جانا راس نہیں آیا ــــ اور میرا خیال ہے اسے یوں بے حال کسی کے خیال نے کیا ہے ــــ" کاشف نے کرسی پر نیم دراز ہوتے ہوئے ٹھہر ٹھہر کر کہا۔

"واقعی ــــ ؟" بنیل نے آگے کو جھکتے ہوئے پوچھا۔ اس کے لہجے کا اضطراب اور مسرت کے دوگونہ جذبات ہویدا تھے۔

"ہاں، ہاں" کاشف بولا۔

میں جب عفی، شیبی سے تمہارے لئے چاکلیٹ، امی اور نوید سے سلام دعا لے کر وفا کی طرف پلٹا اور اس سے پوچھا کہ تم بنیل کو کیا بھیجو گی۔ تو وہ ایک دم سے گھبرا گئی

جب وہ بہت اصرار پر بھی نہ بولی تو میں نے اس سے کہا۔ کاشف بنیل کے چہرے پہ نظریں جماتے ہوئے خاموش ہوگیا۔

"کیا کہا؟" بنیل نے مضطرب ہو کر پوچھا۔

"کہ ۔۔ میں بنیل سے کہہ دوں گا کہ کوئی تمہارے غم میں زرد پڑ گیا ہے۔"

"پھر ۔۔؟"

پھر اس کا چہرہ ایک دم سے سرخ ہوگیا اور وہ ٹیکسی میں بیٹھ گئی۔

بنیل بجھ سا گیا۔ کچھ دیر خاموشی رہی، کاشف بنیل کے چہرے پر جذبات کے جوار بھاٹا دیکھتا رہا۔

"حضور! چاکلیٹ وصول نہیں کریں گے۔" کاشف اٹھتے ہوئے بولا۔

"چلو!" بنیل اس کے ساتھ چل دیا۔

ساری رات عجیب سی بے چینی سے کٹی۔ وفا کا زرد زرد چہرہ دل میں ہل چل مچاتا۔ کیا وہ میرے لئے افسردہ ہوگئی۔ یا ۔۔ یونہی ۔۔ بیماری نے اسے یہ روپ بخشا ہے۔ بہر حال وہ کسی بھی وجہ سے اس حالت کو پہنچی ہے۔ بنیل کا جی چاہا۔ اڑ کے جائے اور اس کی ساری زردیاں سمیٹ کے لے آئے ۔۔ وفا کے حسن کا گلاب کبھی نہ مرجھائے ۔۔ اے خدا ۔۔ کبھی نہ ۔۔ کبھی نہ ۔۔ بنیل دعا مانگتے مانگتے جانے کب سو گیا۔

اکتوبر کا اوائل تھا۔ شامیں کافی ٹھنڈی ہو چلی تھیں۔ سرما کو خوش آمدید کہنے کے
لئے گھروں میں تیاریاں شروع ہو چکی تھیں لیکن وفا وغیرہ موسم کی آمد سے بے خبر
پریشانیوں کے جال میں پھنستے چلے گئے تھے۔ ابھی واپس لوٹے پندرہ دن بھی نہ ہوئے
تھے کہ اعجاز الحسن کی بیماری کا تار ملا۔ سب سناٹے میں آ گئے۔ بسمہ دوسرے دن
ہی سلہٹ چلی گئیں۔ وفا نے پرانی ملازمہ گھر کی دیکھ بھال کے لئے بلا لیا۔ نوید کا نتیجہ نکل
چکا تھا۔ اسے میڈیکل میں داخلہ نہیں مل سکا تھا۔ فوج میں کمیشن لینے کے لئے ایک
ٹسٹ دے چکا تھا اور اب بڑی بے چینی سے کال کا منتظر تھا۔ شیبی، عفی اپنے اپنے
سکول جاتے۔ لوٹ کے خوب لڑتے جھگڑتے اور وفا کے صلح کرانے پر مل کر کھیلنے لگتے۔
وفا کی حالت ان دنوں عجیب سی ہو گئی تھی کالج ہوتی یا گھر ہر وقت کھوئی کھوئی سی رہتی
اور جب کوئی بلاتا تو چونک اٹھتی۔ جیسے گہری نیند سے جگا دی گئی ہو۔ چھوٹے بہن

بھائیوں کی وجہ سے خود کو سنبھالے ہوئے تھی ورنہ ابوجی کی بیماری کی اچانک خبر اس کی تمام ہمتیں چھین لے گئی تھی۔

شام کے ہلکے سائے گہری رات میں بدل رہے تھے۔ شیبی کمرے میں بیٹھا اسکول کا کام کر رہا تھا۔ صفی کی سہیلی کی سالگرہ تھی اور نوید ابھی ابھی اسے لینے گیا تھا۔ اماں باورچی خانے میں مصروف تھیں اور وفا برآمدے کے ستون کے ساتھ ٹیک لگائے کھوئی کھوئی سی زرد سے چاند کو تکے جا رہی تھی۔ اس کا دل اور ذہن دونوں ابوجی کی بیماری میں الجھے ہوئے تھے۔ امی کے دو تین تسلی آمیز خط آ چکے تھے۔ لیکن اس کے باوجود نامعلوم سے خدشے اس کے ذہن پر سوار ہو کے رہ گئے تھے۔ خطروں کا تارا ٹوٹا۔ تو وہ چونک اٹھی۔

"تم آ گئے۔ اتنی جلدی۔"

"وفا!۔"

اپنا نام لئے جانے پر اس نے غور سے دیکھا۔ سامنے نوید نہیں بنیل کھڑا تھا۔ وہ لڑکھڑا سی گئی۔

"طبیعت تو ٹھیک ہے آپ کی؟" بنیل نے اسے سہارا دیتے ہوئے پوچھا۔

وفا نے اس کے خوب صورت چہرے پر نظریں ٹکا دیں۔ ایسی خالی خالی، بے بس اور کھوئی سی نظریں کہ بنیل ایک دم سے گھبرا گیا۔

"آپ بولتی کیوں نہیں؟ طبیعت کیسی ہے آپ کی؟" بنیل نے اسے شانوں سے پکڑ کے جھنجھوڑتے ہوئے پوچھا۔

"میں ٹھیک ہوں۔" وفا نے جلدی سے اس کے ہاتھ پرے ہٹاتے اور

دھیمی آواز میں بولی۔

"میں بھی نوید آگیا ہے۔"

"میرا آنا ناگوار گزرا۔" بنیل نے سرد لہجہ میں پوچھا۔

وفا وہیں رک گئی۔

"بتایئے نا!" بنیل اس کے سامنے آگیا۔ وفا کے لب کچھ کہنے کو کانپے۔ لیکن الفاظ ساتھ نہ دے سکے۔

"وفا۔۔!" بنیل نے اس کا جھکا جھکا سر اوپر اٹھایا۔

"جی۔" وہ خواب کے سے عالم میں بولی۔

"میرا آنا برا لگا تمہیں؟" بنیل نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"نہیں۔"

"گھر خالی خالی کیوں ہے؟ باقی سب لوگ کہاں گئے ہیں؟" ایک دم سے بنیل چوکنا ہو گیا۔

"وہ۔۔۔" وفا کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ عفی، نوید پارٹی کے متعلق باتیں کرتے ہوئے گھر میں داخل ہوئے۔

"بڑی دیر لگا دی گڑیا۔" وفا نے عفی سے پوچھا؛ مگر عفی جواب دینے کی بجائے بنیل کے ساتھ الجھ گئی۔

"ہم نہیں بولتے بھیا! اتنے دنوں بعد آئے۔"

"تو آپ ناراض ہیں ہم سے؟" بنیل ہنس دیا۔

"باجی! شیبی کہاں ہے؟" نوید ان کے ساتھ اندر کو جاتے ہوئے بولا

"کام کر رہا تھا کمرے میں۔ شاید سو گیا ہو۔"
وفا شیبی کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولی۔
"جب سے امی گئیں ہیں ۔۔ شیبی بہت کام چور ہو گئے ہیں۔"
عفی نے موقع غنیمت جان کر شکایت کی اور بنیل ایک دم نوید کی طرف مڑ گیا۔
"امی کہاں گئیں ہیں نوید! ۔۔؟"
"امی ابو جی کے پاس گئی ہیں۔" نوید کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولا۔
ابھی ہمیں یہاں پہنچے چند دن ہی ہوئے تھے کہ ابو جی کی بیماری کا تار آ پہنچا۔
امی کو فوراً جانا پڑا۔ باجی کچھ ٹھیک نہ تھیں ورنہ میں بھی ضرور جاتا۔"
"کیا ہو گیا تھا تمہاری باجی کو؟" بنیل وفا پر ایک متفکر سی نظر ڈالتے ہوئے بولا۔
"پتہ نہیں۔ خود ڈاکٹری پڑھ رہی ہیں لیکن اپنا مرض نہ جان سکیں۔
نوید اُٹھتے ہوئے بولا۔
بنیل کی نظریں پھر وفا کے سراپے کا جائزہ لینے لگیں۔ پیازی کپڑوں میں لپٹا ہوا نازک سا وجود کمر پہ جھولتی ہوئی ڈھیلی سی چوٹی۔ شرم و حیا سے رنگین چہرہ۔ وہ اک ٹک اسے دیکھے جا رہا تھا۔ نگاہوں کی حدت سے گھرا کے جھکی جھکی وفا فوراً سیدھی ہو گئی۔ اور پھر نوید کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولی۔
تم شیبی کو جگاؤ بھیا! میں ذرا کھانا دیکھ لوں۔"
بنیل کی نظریں پردے سے الجھ کے رہ گئیں۔ وفا پردے کے پیچھے کھو کے رہ گئی تھی۔

کھانا کھانے کے بعد چائے پیتے پیتے شیبی اور عفی کے درمیان کسی بات پر بحث چل نکلی اور بات دھینگا مشتی تک جا پہنچی۔ نوید نے بہتیرا بہلایا پھسلایا۔ بیچ بچاؤ کراتا رہا۔ لیکن دونوں غصے میں آپے سے باہر ہو چلے تھے۔ وفا ابھی تک چپ چاپ تماشا دیکھے چلے رہی تھی۔ جب نوید بے بس ہو گیا تو اس نے چائے کی پیالی میز پر رکھی اور دونوں کے بیچ میں آ کے کھڑی ہو گئی۔

"عفی آخر ہوا کیا ہے؟" وفا نے عفی کے ہاتھ پکڑتے ہوئے پوچھا۔ لیکن عفی غصے سے ہاتھ چھڑا کے شیبی کے بالوں پر جھپٹی۔ بالوں کو کچھ اس زور سے ہاتھ میں لیا کہ شیبی کی چیخ نکل گئی۔ وفا اب برداشت نہ کر سکی اور ایک ہاتھ عفی کے جڑ دیا۔ عفی وہیں رونے بیٹھ گئی۔ نوید تو شیبی کو بہلا پھسلا کر اپنے کمرے میں لے گیا اور عفی گھٹنوں میں منہ دیئے قالین پر بیٹھی روں روں کرنے لگی۔ وفا نے غصے میں عفی کو ایک تھپڑ تو لگا دیا لیکن اب پچھتا رہی تھی اس نے کبھی بہن بھائیوں پر ہاتھ نہ اٹھایا تھا۔ آج نہ جانے کیا ہو گیا تھا۔ اپنی جگہ سے اٹھی اور عفی کے قریب بیٹھتے ہوئے اس کا سر اپنی گود میں لے لیا۔

"بللہ! اب چپ ہو جاؤ عفی میری اچھی بہن!" اس نے عفی کو چمکارا۔ لیکن عفی سے ضبط ہی نہ ہو رہا تھا۔ بہن کے مارنے پر ماں یاد آ گئی تھی اور اس کی جدائی کا غم رو رو کے دور کر رہی تھی۔

"عفی ___!" وفا نے عفی کا منہ چوم لیا۔

"اگر تم نے رونا بند نہ کیا، تو میں بھی رو دوں گی ___"

اور واقعی کے مسلسل رونے پر وفا کی آنکھوں میں بھی آنسو تیرنے لگے۔

آنکھوں سے پھسل کر رخساروں پر آئے تو بنیل ایک دم سے چونک اٹھا۔

"ارے ۔۔ آپ بھی رو دیں؟"

"عفی ۔۔" وہ عفی پر جھک آیا۔

"چپ ہو جاؤ گڑیا۔ تمہاری باجی بھی رونے لگیں۔"

عفی نے روتے روتے کنکھیوں سے وفا کو دیکھا اور پھر اس کے گلے میں باہیں ڈال کے جھول سی گئی۔ وفا کے بھیگے بھیگے رخساروں پر مسکراہٹ کی دھوپ پھیل گئی۔ یہ نظارہ بنیل کے لئے بے حد دلکش تھا۔ وہ اس میں کھو کے رہ گیا۔

نوید شیبی کا غصہ مٹا کے واپس آیا تو وفا کے بھیگے بھیگے رخسار دیکھ کر اس کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے جھک سا گیا۔

"کیا ہوا باجی ۔۔؟" اس کے پہلو میں حیران سا شیبی کھڑا اپنی لمبی لمبی پلکیں جھپک رہا تھا۔

"عفی کو چپ کراتے کراتے خود رونے لگیں۔" بنیل شرارت سے مسکرایا۔

"جانے تمہاری باجی ڈاکٹر کیسے بنیں گی۔"

وفا نے دوپٹے کے پلو سے چہرہ صاف کیا اور پھر عفی کو ہوشیار کرتے ہوئے اس کے کمرے میں چھوڑنے چلی گئی۔ شیبی بھی سونے کو پیچھے پیچھے چلا آیا۔ جب دونوں کپڑے بدل کے سونے کو لیٹ گئے تو وہ کم پاور کا بلب روشن کر کے کمرے سے نکل آئی۔ بنیل جانے کو تیار کھڑا تھا۔

"اتنی دیر ہو گئی بھیا! آپ کیسے جائیں گے؟" نوید کہہ رہا تھا۔

"دیکھتا ہوں۔ جو کوئی سواری مل جائے ۔۔" بنیل گھڑی پر نظر ڈالتے

ہوئے بولا۔

میں کوئی رکشا، ٹیکسی لے آؤں بھیا؟ نوید نے پیش کش کی۔

" نہیں نوید تم انہیں چوک تک چھوڑ آؤ" وفا نے کہا۔

" میں کوئی بچہ تو نہیں جو نوید مجھے چھوڑنے جائے" بنیل مسکرا کے بولا۔

" ہاں — بھیا — آپ یہاں ٹھہریں۔ میں چوک سے کوئی سواری لیئے ابھی حاضر ہوا۔"

نوید چلا گیا تو دونوں چلتے چلتے دروازے میں آ کھڑے ہوئے۔ باہر سڑک سنسان تھی اور فاصلوں پر لگے ہوئے قمقمے تاریکی کی چادر کو پھاڑنے کی کوشش کر رہے تھے کتنے لمحے چپ چاپ بیت گئے یوں جیسے کہنے سننے کو کچھ بھی ان کے پاس نہ ہو لیکن ایکدم سے بنیل وفا کی سمت پلٹا۔

" امی کب آ رہی ہیں؟"

" ابھی کچھ پتہ نہیں"

" یوں لگتا ہے جیسے منی شیبی ان کے بغیر اداس ہیں۔"

" ہاں۔ امی کو یاد تو نہیں کرتے مگر بہانے بہانے رونے لگتے ہیں"

صرف روتے ہی نہیں آپ کو بھی رلاتے ہیں"

" اوہ — میں نے کبھی بھی ان پر ہاتھ نہیں اٹھایا۔ جانے آج کیا ہو گیا تھا"

وفا کھو سی گئی اور چاندنی نرم نرم روشنی میں یہ کھوئی کھوئی سی وفا بنیل کو اتنی اچھی لگی کہ وہ بے اختیار اسے دیکھے چلا گیا۔

" نوید — ابھی تک نہیں آیا" وفا ایک دم سے پریشان ہو گئی۔

بنیل اس کی پریشانی کو نظر انداز کرتے ہوئے بولا۔

"ایک بات پوچھوں؟"

"جی ___"

"میں نے کہا ایک بات پوچھوں؟"

"کیا؟" وفا نے حیرت سے پوچھا۔

"کاشف کہتا تھا کہ آپ کی رنگت کسی کے غم میں زرد پڑ گئی ہے۔ کون ہے وہ؟"

وفا کا چہرہ سے سرخ ہو گیا۔ اسے کاشف پر بے پناہ غصہ آیا۔ بھلا ایسی باتیں بھی کرنے والی ہوتی ہیں۔

"بتائیے نا ___" بنیل کچھ اور قریب کھسک آیا۔

وفا کی آنکھیں مندھتی گئیں۔

"غلط کہا ہوگا کاشف بھائی نے۔"

وفا ہولے سے بولی اور بنیل ایک دم سے سنجیدہ ہو گیا۔

"اوہ میں تو پہلے ہی کہتا تھا۔ اچھا خدا حافظ۔" دور سے آتی ہوئی ٹیکسی کی طرف دیکھتے ہوئے بنیل بولا۔

وفا نے محسوس کیا کہ بنیل کے لہجے میں سنجیدگی کے ساتھ ساتھ اداسی بھی تھی۔

"ٹھہریئے نوید کو تو آ لینے دیجیئے۔"

وفا بے قرار سی بولی۔

لیکن بنیل چپ چاپ باہر نکل گیا۔ دور سے آتی ٹیکسی اس کے قریب آ رکی۔ نوید باہر نکل آیا اور بنیل اسے خدا حافظ کہتے ہوئے ٹیکسی میں بیٹھ گیا۔ ٹیکسی چل

دی اور وفا اس کی سرخ روشنیوں کی لہروں میں ابھرتی ڈوبتی رہی ۔

" آیئے باجی! اندر چلیں "

نوید اس کا شانہ ہلاتے ہوئے بولا۔

وفا نے چونک کے اس کی طرف دیکھا پھر دروازہ بند کیا اور اس کے ساتھ ساتھ اندر چلی آئی ۔

رات بڑی مشکل سی کٹی تھی۔

کافی دیر تک تو وہ بیٹھی پڑھتی رہی تھی۔ لیکن جب سونے کو لیٹی تو نیند کا آنچل پکڑا ہی نہ گیا۔ سر میں عجیب سا درد ہو رہا تھا۔ کبھی اٹھ کے بیٹھ جاتی۔ کبھی لیٹ جاتی۔ جب کسی پہلو چین نہ ملتا تو بنیل کے تصور سے جھگڑنے لگتی۔ کیسی اچھی بھلی زندگی تھی۔ خود زخمی ہو کے آئے اور روگ لگا کے چلے گئے۔ آنکھوں سے آنسو بہتے رہے اور پھر فنا کو یاد آیا کہ آج بنیل کچھ پریشان کچھ سنجیدہ سے لوٹے تھے۔ کاشف بھائی بھی تو انھیں الٹی سیدھی پٹیاں پڑھاتے رہتے ہیں۔ بھلا میرے زرد ہونے کا ان کے ساتھ کیا تعلق؟

سپیدۂ سحر نمودار ہوا تو نیند کا جادو چڑھنے لگا۔ مگر بہت جلد ہی، شبلی کے شور نے جگا دیا ایک دم سے ہی ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ ابھی رات ہی تو اتنا لڑے تھے۔

ب پھر بھڑنے لگے ــــ جلدی سے چپل پہنتے ہوئے ان کے کمرے کی طرف دوڑی۔ ساری پریشانی مسکراہٹ میں بدل گئی۔ نوید دونوں میں صلح کرا رہا تھا۔
" تم نے تو مجھے ڈرا ہی دیا عفی، شیبی!" وہ ان کے قریب جاتے ہوئے بولی۔
" کیوں باجی ؟" شیبی نے آنکھیں جھپکیں۔
" اتنا شور جو مچا رکھا تھا" وہ دونوں کے سر آپس میں ٹکراتے ہوئے بولی۔
دونوں کھلکھلا کے ہنس دیئے اور منہ ہاتھ دھونے کو وہاں سے چل دی۔
آج اتوار تھا۔ سبھی گھر پر تھے۔ عفی شیبی دونوں نہا دھو کر کھیلنے میں مشغول ہو گئے نوید بازار میں سودا سلف لینے چلا گیا۔ وفا اماں کو کھانے کے متعلق بتا کے نہانے چلی گئی۔ ابھی وہ غسلخانے میں گئی ہی تھی کہ دروازے کی گھنٹی بجی۔ شیبی، عفی جلدی سے بھاگے۔ دروازہ کھولا تو کاشف اور بنیل کھڑے تھے دونوں خوشی کے مارے ان سے لپٹ گئے۔
شیبی اپنی ذمہ داری کا ثبوت دیتے ہوئے انہیں ڈرائینگ روم میں لے آیا اور اور عفی اس کی دیکھا دیکھی اماں کو چائے کہنے چل دی۔
" ارے بھئی یہ وفا اور نوید کہاں ہیں ؟" کاشف نے شیبی کے رخسار تھپتھپاتے ہوئے پوچھا۔
" لالہ تو بازار گئے ہیں اور باجی نہا رہی ہیں" شیبی نے جواب دیا۔
" آپ فکر نہ کیجئے بھیا! میں اماں سے چائے کا کہہ آئی ہوں۔ وہ تو باجی سے بھی اچھی چائے بناتی ہیں" عفی کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولی۔
بنیل جو ابھی تک خاموش بیٹھا تھا۔ ایک دم ہنس دیا اور اسے اپنی کرسی کے بازو پر بٹھاتے ہوئے بولا۔

"تمہاری عفی سے صلح ہو گئی؟"

"ہاں ——— لالہ نے تو صبح سویرے ہماری صلح کرا دی تھی" یہ شبی جلدی سے بولا۔ اور عفی کاشف کی طرف مڑ گئی۔

اور بھیا۔ باجی اتنی ڈرپوک ہیں کہ ادھر ہماری صلح ہو رہی تھی اور سارا عرصہ دوڑی دوڑی آئیں کہ ہم کہیں پھر تو نہیں جھگڑ پڑے، بات کر کے عفی خود بھی ہنس دی۔

وفا نبیل کے اپنے کمرے میں چلی گئی۔ تھوڑی ہی دیر بعد نوید آ گیا۔ کاشف بچوں کے ساتھ مشغول تھا اور نبیل تھکا تھکا سا کرسی پر نیم دراز تھا۔ چہرہ ستا ستا سا تھا۔ نوید مسکراتے ہوئے اس پر جھک آیا۔

"کیا ہوا نبیل بھائی؟ طبیعت کچھ ٹھیک نظر نہیں آتی؟"

جواباً نبیل کے ہونٹوں پر پھیکا پھیکا سا تبسم پھیل گیا۔ کاشف بھی اٹھ کے ان کے قریب آ گیا۔

"یہ کل تم نے ہی کچھ کر کے بھیجا تھا۔ ورنہ آیا تو بڑا کھلا کھلا سا تھا۔"

کاشف کی بات پر نبیل سیدھا ہو کے بیٹھ گیا۔

"تم فکر مند کیوں ہو رہے ہو؟ مابدولت ٹھیک ہیں!"

نوید، نبیل اور کاشف تینوں اسی موضوع پر گفتگو کر رہے تھے کہ شبی وفا کا ہاتھ تھامے ہوئے کمرے میں داخل ہوا۔

"لالہ! ذرا آپ ہٹ جائیے۔ باجی ابھی نبیل بھائی کی بیماری کا پتہ چلا لیتی ہیں۔"

کاشف شبی کی ہوشیاری پر ہنس دیا۔ پھر شرارت سے مسکرایا۔

"واہ! بھئی تم تو بڑے کام کے آدمی ہو۔" آئیے وفا بہن! اپنے اس مریض کا علاج

کیجیے"

نبیل نے کاشف کو غصّے سے گھورا۔

" مجھے کیوں گھورتے ہو۔ ڈاکٹر سے اپنا معائنہ کراؤ۔ رات سے مجھے تنگ کر رکھا ہے۔"

کاشف لاپروائی سے بولا۔

وفا نے نظر بھر کے نبیل کو دیکھا۔ ایسا کمزور کمزور سا تو وہ ان دنوں بھی نہ لگا تھا۔ جب زخم کی شدت سے دونوں پڑا کراہتا رہا تھا۔ رات ہی رات میں کیسی حالت ہو گئی تھی۔

" نوید ۔۔ " وہ اچانک نوید کی طرف مڑی۔

" جاؤ تھرمامیٹر لے آؤ۔"

" نوید جلدی سے امی کے کمرے سے تھرمامیٹر لے آیا۔

لیجیے ۔۔ بھیا! تھرمامیٹر لگائیے۔" نوید تھرمامیٹر آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔

" میں ٹھیک ہوں نوید! تمہیں خواہ مخواہ وہم ہو گیا ہے۔"

لیکن عفی اور شیبی کے پیار بھرے انداز کے آگے اس کی ایک نہ چلی۔ تھرمامیٹر ۱۰۲ بخار بتا رہا تھا۔ وفا نے تھرمامیٹر جھٹکتے ہوئے فکرمندی سے نبیل کی طرف دیکھا اور پھر احساسِ جرم سے نظریں جھکا لیں۔

چائے کے ساتھ نبیل کو دو گولیاں بھی نگلنا پڑیں۔ کاشف نے آج بھی فلم کا پروگرام بنایا تھا۔ لیکن نبیل کی وجہ سے ترک کرنا پڑا۔ نبیل کو وفا کے پاس تنہا چھوڑنے کے خیال سے وہ نوید اور عفی شیبی کو "عجائب گھر" لے گیا۔ وفا نے شیبی، عفی میں سے کسی ایک کو روک لینا چاہا۔ مگر دونوں میں سے کوئی بھی راضی نہ ہوا۔ نوید نبیل کے بارے میں بے حد پریشان تھا۔ آرام کرنے کے لئے تو اسے اپنے کمرے میں چھوڑ گیا اور ساتھ ہی وفا کو اس کا

خاص طور پر خیال رکھنے کی تاکید کی۔

وہ سب چلے گئے تو وفا باورچی خانے میں چلی آئی اور بنیل کے لئے یخنی چڑھا کے رکھ دی۔ اماں اپنے کام میں بدستور مصروف تھیں۔ پھر دوپہر کے لئے کسٹرڈ بنا کے ٹھنڈا ہونے کو رکھ دیا۔ ایک دو دفعہ بنیل کو دیکھنے گئی۔ مگر وہ کروٹ بدلے سو رہا تھا۔

نوید وغیرہ گیارہ کے گئے ساڑھے بارہ تک واپس نہ لوٹے تھے۔ وفا نے انتظار سے اکتا کر بنیل کو یخنی بھیج دی۔ اس خیال سے کہ جانے صبح بھی کچھ کھایا ہوگا کہ نہیں لیکن دوسرے لمحے اماں یخنی کا پیالہ پکڑے واپس آ گئیں۔

"کیوں اماں۔ کیا سو رہے ہیں؟" وفا نے پوچھا

"نہیں بٹی۔ یخنی پینے سے انکار کر دیا۔"

"تم نے اصرار کیا ہوتا۔"

"بہت کیا بٹی لیکن مانے ہی نہیں۔" وفا نے پیالہ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

چند لمحے توقف کیا اور پھر خود ہی چل دی۔

بنیل نے جو پردے کے پیچھے اس کا عکس دیکھا تو پہلو بدل کے آنکھیں بند کر لیں۔

وفا مسکرائی اور پیالہ میز پر رکھتے ہوئے اس پر جھک گئی۔

"آپ جاگ رہے ہیں۔ یوں بننے کی کوشش مت کیجئے۔"

بنیل چپ چاپ پڑا رہا۔

"اٹھئے نا — !" وفا نے شانہ ہلایا۔ بنیل نے آنکھیں کھول دیں۔ لیکن منہ سے کچھ نہ بولا۔

"یخنی پی لیجئے!"

بنیل نے خالی خالی نظروں سے اسے دیکھا اور اٹھ کے دیوار سے ٹیک لگائی۔
"توبہ ہے۔ اتنی ناراضگی بھی کیا ہے" وفا مسکراتے ہوئے بولی۔
"میں بھلا کب ناراض ہوں۔" بنیل نے پہلی دفعہ زبان کھولی۔
"پھر میری بات کا جواب کیوں نہیں دے رہے۔"
"کیا کہا آپ نے؟"
"واہ! بھول گئے۔" وفا مسکرا کے پلٹی۔ اور یخنی کا پیالہ لیتے ہوئے اس کے قریب آ گئی۔
"لیجئے ۔ یخنی لائی ہوں پی لیجئے۔"
"نہیں ـــ میں یخنی نہیں پیوں گا۔"
"کیوں؟"
"میری مرضی ۔"
"میری بات بھی نہیں مانیں گے۔"
"نہیں ۔"
"سچ ۔"
"ہاں بالکل سچ۔"
وفا کو ایک دم سے اپنا آپ بڑا بوجھل لگا۔ آہستہ سے سیدھی ہوئی۔ کچھ دیر کو بنیل کے الجھے الجھے چہرہ کو دیکھتی رہی۔ پھر پلٹی اور قدم دروازے کی طرف بڑھا دیئے۔ لیکن ابھی وہ کمرے سے باہر نہ نکلی تھی کہ بنیل نے اسے پیچھے سے جا لیا۔
"چھوڑیئے ۔!" وہ رندھی رندھی سی آواز میں بولی۔

"مریضوں سے یوں پیچھا چھڑایا جاتا ہے بھلا" وہ ایک ہاتھ سے یخنی کا پیالہ لیتے ہوئے اور دوسرے سے اسے کھینچتے ہوئے بولا۔

وفا کچھ نہ بولی بس آنکھوں میں بھر آنے والے آنسوؤں کو رخساروں پر بہائے چلی گئی۔ بنیل نے پیالہ میز پر رکھ دیا اور اسے اپنے قریب پلنگ پر بٹھا لیا۔

"تو اب آنسو بہائے جا رہے ہیں کس خوشی میں۔" وہ اس کا چہرہ اونچا کرتے ہوئے بولا۔ وفا نے منہ موڑ لیا۔

"ادھر دیکھو نالائق لڑکی۔ ہماری طرف۔" بنیل نے زبردستی اس کا رخ اپنی سمت کر لیا۔

"اب بتاؤ ــــ یہ آنسو کیوں بہائے جا رہے ہیں؟" بنیل نے اس کے رخساروں پر قطرہ قطرہ ٹپکنے والے آنسوؤں کو انگلیوں سے گراتے ہوئے پوچھا۔

لیکن وفا کو ضبط کا یارا نہ رہا تھا۔ آنسو بے اختیار بہے چلے جا رہے تھے۔

"اچھا نہ سہی ــــ" وہ لیٹتے ہوئے بولا۔

"میں بھی اب روؤں گا۔ پھر بخار تیز ہو جائے گا۔ دوا پلاؤ گی تو وہ بھی نہ پیوں اور مر جاؤں تو جی بھر کے آنسو بہا لینا۔"

وفا نے ایکدم آنکھیں ہتھیلیوں سے رگڑ ڈالیں اور شرمندہ شرمندہ سی اس پر جھک سی گئی۔

"خدا کیلئے آپ ایسی باتیں نہ کیجئے۔"

"تمہارا کیا بھروسہ۔ آج تو کبھی نہ رونے کا وعدہ کر رہی ہو اور کل آؤں تو منہ ہی پھیر لو"

"اب ایسی بے مروت بھی نہیں ہیں۔" کہنے کو تو وہ کہہ گئی لیکن شرم سے اس

کی نظریں جھک سی گئیں ۔
آنکھوں میں چمکتے آنسو ۔ اور لبوں پر پھیلا تبسم ۔ بنیل دیوانہ وار اسے گھورے چلا گیا۔

" لیجئے ۔ اب یخنی تو پی لیجئے ۔" وہ پیالہ آگے بڑھاتے ہوئے بولی ۔
" اوں ہوں ۔ مجھ سے نہ پکڑا جائے گا یہ پیالہ ۔ کمزوری بہت ہے ۔"
وہ اٹھ کے پلنگ کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے بولا ۔
" ہاں ۔ وہ تو میں جانتی ہوں آپ کی کمزوری ۔" وفا نے پلنگ پر بیٹھتے ہوئے پیالہ بنیل کے ہونٹوں سے لگا دیا ۔
" اے ۔ ذرا آہستہ آہستہ ۔" وہ منہ پرے لے جاتے ہوئے بولا ۔
وفا نے اب کے پیالہ آہستہ آہستہ بڑھانا شروع کیا ۔ یخنی ختم ہو گئی لیکن پیالہ بدستور بنیل کے ہونٹوں سے لگا تھا ۔
" اے ۔ کہاں کھو گئی ہو ۔" بنیل نے اسے پکارا ۔
وفا نے چونک کے پیالہ اس کے ہونٹوں سے ہٹا لیا اور جانے کو اٹھی ۔
وفا ۔ ! بنیل نے اس کا آنچل تھام لیا ۔
وفا نے پلٹ کر دیکھا ۔
" ابھی نہ جاؤ ۔"
لیکن وفا بیٹھی نہیں چپ چاپ کھڑی اسے دیکھتی رہی ۔
" میں کیا کہہ رہا ہوں ۔" وفا ! بنیل تکیے پر سر رکھتے ہوئے بولا ۔
" کیا ۔ ؟" احمریں لب آہستگی سے جدا ہو کے مل گئے ۔

"ابھی نہ جاؤ ــ" وہ ملتجی سا بولا۔

"کیوں ــ ؟"

"یہ نہ پوچھو" میں نے آہستگی سے اس کا ہاتھ تھام کے اپنے قریب پلنگ پر بٹھالیا۔

وفا کے رخساروں پر شفق سی پھوٹنے لگی۔ پلکوں کی اوٹ میں آنکھیں مسکرانے لگیں۔ ہونٹوں کے گوشے انجانے سے احساس کے تحت پھڑپھڑانے لگے۔

خلاف توقع دروازہ چوپٹ کھلا پا کر بنیل ادھر ادھر جھانکتا چلا گیا۔ ڈرائنگ روم سے شیبی اور عفی کی میٹھی میٹھی مسرت سے بھرپور آوازیں آ رہی تھیں۔ گھر بھی غیر معمولی طور پر چمک رہا تھا۔ وفا وہ راہداری سے گزر کے باورچی خانے میں داخل ہوئی۔ اتنی جلدی میں تھی کہ بنیل کو بھی نہ دیکھ سکی۔ بنیل مسکرایا اور برآمدے کا رخ چھوڑ کے باورچی خانے کی طرف چل دیا۔

وفا میز پر جھکی کچھ ڈھونڈ رہی تھی۔ گہرے نیلے ریشمی کپڑوں میں آج اس کا کچھ اور ہی رنگ تھا۔ ڈھیلی ڈھالی لمبی چوٹی کمر پر جھول رہی تھی۔ بنیل نے ایک دم بڑھ کے ہاتھ اس کی آنکھوں پہ رکھ دیئے۔ وفا تڑپ کے پیچھے ہٹی۔

"کون؟" آنکھوں پہ پڑے ہاتھوں کو ٹٹولتے ہوئے بولی۔

بنیل کا دل چاہا ایک دم سے ہنس دے لیکن ہونٹوں میں ہی مسکرا کے رہ گیا۔

"ارے نوید" وہ ہاتھوں کو چھڑا کر اس کا چہرہ ٹٹولنے لگی۔ پھر ہاتھ سر تک جا پہنچے۔

"نہ چھوڑو! خود ہی امی آئیں گی۔ وہ جھاپڑ کھا کے چھوڑو گے۔"

بنیل نے بڑی مشکل سے ہنسی دبائی۔

"ارے نوید کے بچے!" وفا بے بس سی چیخی۔

اور اس نے ایک دم سے ہاتھ کھول دیئے۔ وفا ایک دم سے پریشان ہو اٹھی۔ بنیل کے بال ابھی تک اس کی مٹھی میں تھے۔

"معاف کر دیجئے۔ میں سمجھی نوید ہو گا" وہ خجل خجل سی بولی۔

بنیل نے اس کے دونوں ہاتھ تھام لئے۔

معافی کی صرف ایک صورت ہو سکتی ہے" اس کی آنکھوں میں جھانک کر بولا۔

"کیا؟" آہستگی سے پوچھا۔

"اپنی ان نالائق انگلیوں سے ان بالوں کو ٹھیک کر دو جن کا حلیہ بگاڑ دیا ہے۔"

"ہائے نہیں ـ" وہ ایک دم سے گھبرا اٹھی۔

"کیوں نہیں ـ" وہ حیران سا بولا۔

"کوئی دیکھ لے گا" وہ ڈری ڈری سی بولی۔

"یہ تو اور بھی اچھی بات ہے" وہ مسکرایا۔

اور وفا اپنی نرم نرم انگلیوں سے اس کے بال سنوارنے لگی۔ دل دھک دھک کر رہا تھا اور چہرے پر ایک خجالت سی پھیلی ہوئی تھی۔ بار بار نظریں باہر کی جانب اٹھ جاتیں۔

"بس معاف کیا" وہ اس کا ہاتھ دباتے ہوئے پیار سے بولا۔

"شکریہ" وفا مسکرائی اور پھر کیتلی کے کھولتے پانی کو چائے دانی میں انڈیلتے ہوئے بولی۔

"آپ اندر چلیئے نا۔"

"میں وہاں جا کے کیا کروں۔ تم جو ادھر ہو" وہ اس کی مصروفیت کو دلچسپی سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"آج امی بھی تو آئی ہیں۔"

"اوہو۔ تبھی گھر بھر میں رونق سی محسوس ہو رہی ہے۔"

"چلیئے! میں بھی آتی ہوں۔" وفا چائے دانی پر ٹی کوزی دیتے ہوئے بولی۔

"دونوں ساتھ ساتھ جائیں گے۔ ہو سکتا ہے امی ہمیں ہمیشہ کے لئے ایک ساتھ کر دینے کا پروگرام بنا لیں۔"

وفا نے ایک تیز نظر اس پر ڈالی۔ وہ کچھ بھی نہ کہہ سکی۔ نہ اقرار۔ نہ انکار۔۔۔ چپ چاپ کھڑی ٹرے میں برتن سجاتی رہیں۔

بسمہ بنیل کو دیکھ کر بے پناہ خوش ہوئیں۔ کیسا کھلا کھلا سا پردہ ہٹا کے اندر داخل ہوا تھا اور اس سے دو قدم پیچھے وفا چائے کی ٹرے پکڑے شرمائی شرمائی سی چلی آ رہی تھی۔ عفی، شیبی بسمہ کو چھوڑ کر بنیل سے لپٹ گئے۔ بنیل انجاز الحسن کی خیریت پوچھتا رہا۔ نوید جو آج چپ چاپ بیٹھا تھا۔ چائے پیتے پیتے اچانک بنیل سے مخاطب ہوا۔

"کاشف کیوں نہیں آئے بنیل بھائی!"

"امی بیمار تھیں اس لئے کاشف نہ آ سکا۔" بنیل نے جواب دیا۔

"کیا ہوا کاشف کی امی کو؟" بسمہ جلدی سے بولیں۔

"بخار سا ہو گیا ہے کچھ۔"

"یہ تو بہت برا ہوا مجھے تو صبح چلے جانا ہے۔ کاشف بھائی سے اب کیسے ملاقات ہوگی؟" نوید تاسف سے بولا۔

"کہاں جانا ہے تمہیں؟" بنیل کپ میز پر رکھتے ہوئے بولا۔

"میں سارے ٹسٹوں میں کامیاب ہو گیا ہوں۔ اب ٹریننگ کے لئے جا رہا ہوں۔" نوید نے بتایا۔

"یہ تو بڑے مزے کی بات ہوئی۔" بنیل وفا کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

وفا اداس اداس سی بھائی کے چہرے پر نظریں جمائے بیٹھی تھی۔

"نوید! تم یوں کرو۔ کاشف سے بھی مل آؤ۔ اور وفا تم ساتھ چلی جاؤ۔ کاشف کی امی کا حال پوچھ آنا۔ اگر میں تھکی ہوئی نہ ہوتی تو ضرور جاتی۔"

"ہاں امی! بالکل ٹھیک ہے۔" نوید خوشی سے بولا۔

"تو پھر چلیے۔۔۔!" بنیل اٹھ کھڑا ہوا۔

نسیمہ نے روکنا چاہا۔ لیکن دیر ہو جانے کے ڈر سے وہ رکا نہیں۔

کاشف نوشابہ کو دوا پلا کے پلٹا تو سامنے بنیل، نوید اور وفا کو پا کے کھل اٹھا۔

"دیکھیے امی! آج ہمارے ہاں کون آیا ہے؟" کاشف نوشابہ کو تکیوں کے سہارے بٹھاتے ہوئے مسرت بھرے لہجے میں بولا اور جھجکتی، شرماتی وفا کو کھینچتے ہوئے ماں کے پلنگ کے قریب لے آیا۔

"امی! یہ میری پیاری بہن وفا ہے اور وفا یہ میری امی ہیں۔"

نوشابہ نے وفا کا ذکر کئی بار سن رکھا تھا۔ بنیل کو اکثر کاشف اس کا نام لے

تنگ کرتا رہتا تھا اور بنیل کے شرم سے سرخ چہرے کو دیکھ کر وہ سوچتیں۔ وفا واقعی کوئی دیکھنے کی چیز ہوگی۔ انھوں نے وفا کو اپنے قریب بٹھاتے ہوئے اس کی پیشانی چوم لی اور ڈھیر ساری دعائیں دے ڈالیں۔ نوید پہلے بھی ان سے مل چکا تھا اور وفا سا بے تکلف تھا۔ سب بیٹھ چکے تو کاشف مسکرا کے بولا۔

" بنیل آج وفا کو یہاں کیسے لے آئے ؟"

وفا کا چہرہ شرم سے سرخ ہو گیا۔

" نوید تم سے ملنے آیا تھا۔ یہ امی کو دیکھنے چلی آئیں " بنیل وفا کے خوب صورت حیا سے رنگین چہرے کو دیکھتے ہوئے بولا۔

" ارے — نوید — یہ تم خاص طور پر ہم سے ملنے کسی سلسلے میں آئے ہو!" کاشف نوید کی طرف مڑا۔

" کل میں ٹریننگ کے لئے جا رہا ہوں۔ سوچا آپ سے بھی دعائیں لیتا چلوں۔" نوید مسرور سا بولا۔

" واہ ! بڑے خوش نصیب ہو یار — "

نوید کے جانے کے ذکر سے وفا کچھ اور اداس ہو گئی تھی۔ وہ گھر سے ایک پل غائب ہو جاتا تو وفا کھانا پینا اپنے اوپر حرام کر لیتی اور اب وہ اتنے سارے دنوں کے لئے جا رہا تھا بھی ہی اداسی کی بات۔ اگر اسے میڈیکل میں داخلہ مل جاتا تو کیا ہی اچھا ہوتا سوچوں میں ہی الجھ کے رہ گئی۔ نوید بہن کی پریشانی بھانپ گیا۔ مسکرا کے بولا۔

" کیا سوچنے لگیں باجی ؟"

" کچھ بھی نہیں !" اس کے ہونٹوں پر سوگوار سا تبسم پھیل گیا۔

"نوید! وفا تمہارے جانے کے خیال سے پریشان ہو رہی ہے۔" نوشابہ وفا کو پیار بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولیں۔

"خبردار! جو آپ اداس ہوئیں۔ میں بھی تو آپ کا بھائی ہوں۔ نوید کی غیر موجودگی کا احساس کبھی جو ہونے دوں۔" کاشف جلدی سے بولا۔

خدا آپ کو سلامت رکھے بھیا! وفا نے اسے دعا دی اور خود کو ہشاش بشاش بنانے کی کوشش کرنے لگی۔

"بیٹے! چائے نہیں پلواؤ گے بہن کو؟" نوشابہ نے کاشف سے کہا۔

"کیوں نہیں امی!" کاشف اٹھتے ہوئے بولا۔

"ابھی گیا اور ابھی چائے بنا کے لایا۔"

"وہ ماں جی آج کدھر ہیں کاشف؟" بلبل کاشف کے قریب آتے ہوئے بولا۔

"آج انہیں اپنی بیٹی کی منگنی اٹینڈ کرنا تھی اس لئے چھٹی کر گئیں۔" کاشف کے بات کرنے کے انداز پر سب کھل کھلا کر ہنس پڑے اور وفا اپنی جگہ چھوڑتے ہوئے کاشف سے بولی۔

"ٹھہریئے بھیا! چائے میں بناؤں گی۔"

"واہ وا، بہن ہو تو ایسی ہو۔" کاشف نے مسرور ہو کر کہا اور بلبل کی طرف دیکھا۔

"بلبل! جاؤ ذرا وفا بہن کو باورچی خانے تک چھوڑ آؤ۔" پھر رکا اور شرارت آمیز لہجے میں بولا۔

"لیکن خود لوٹ آنا۔"

وفا کاشف کی شرارت بھانپ کے جلدی سے باہر نکل گئی۔ بلبل نے جاتے

جاتے کاشف کے ایک مکہ رسید کیا۔ اور وفا کو ستاتا، تنگ کرتا باورچی خانے تک لے آیا۔ وفا نے سب چیزیں ڈھونڈ لیں تو بولی ۔

" اب آپ جائیے۔ میں ابھی چائے بنا کے لائی۔

" اوں ہوں " وہ برتن ٹرے میں سجاتے ہوئے بولا ۔

" یہ آپ کیا کر رہے ہیں " جلدی سے اس کے ہاتھ پکڑتے ہوئے بولی ۔

" تم چائے بنا رہی ہو۔ میں برتن ہی ٹرے میں رکھ لوں " وہ مسکرا کے بولا۔

" نہیں ـــــ یہ سب میں خود کر لوں گی ۔ آپ جائیے ـــ" وہ ٹرے اسکے سامنے سے اٹھاتے ہوئے بولی۔

اچھا نہیں مدد لینا چاہتیں تو نہ لو ـــ ویسے مجھے یہاں ٹھہرنے کی اجازت تو ہے " وہ ملتجی سے لہجہ میں بولا۔

" کیوں ؟ آپ کا یہاں کیا کام ؟"

وہ تنک کے بولی ۔

" لو ـــ غصّہ تو تمہارے ناک پر دھرا ہوتا ہے ۔ اکیلے میں کہیں ڈر گئیں ۔ تو "

وہ اسے شانوں سے پکڑ کر پر اسرار سے لہجے میں بولا ۔

" یہاں کون سے جن بھوت لبیرا کئے ہوئے ہیں جو وفا ڈر جائے گی "

وفا اور مینل نے ایک ساتھ دروازے کی سمت دیکھا جہاں کاشف کھڑا مسکرا رہا تھا۔ وفا نے رخ پھیر لیا اور چائے دانی میں چینی ڈالنے لگی۔

"تم کہاں سے ٹپک پڑے ماسٹر"
بنیل کاشف کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔
"کیا میرا یہاں تک پہنچنا ناممکنات سے تھا" کاشف اس کے کندھوں پر دباؤ ڈالتے ہوئے بولا۔
"ناممکنات سے تو نہ تھا لیکن تمہیں آنا نہیں چاہیئے تھا"
"چلو اب چلے جاتے ہیں" کاشف مڑتے ہوئے بولا۔
"نہیں اب میں بھی تمہارے ساتھ جاؤں گا"
"اور وہ بھابی جو اکیلی رہ جائیں گی" کاشف نے آہستگی سے کہا لیکن وفا اتنی دور نہ تھی، جو سن سکتی۔ جسم میں ایک سنسنی خیز لہر دوڑ گئی۔ گھبرا کے جلدی سے کیتلی پکڑنے کو ہاتھ بڑھایا۔ لیکن ایک دم سے ہی چیخ کے رہ گئی۔
"کیا ہوا۔۔؟" بنیل تیزی سے اس کے قریب آ گیا۔ وہ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ سے بے قراری سے مسلے جا رہی تھی۔ بنیل نے جلدی سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔
"ٹھہرو۔! میں برنال لاتا ہوں۔" کاشف یہ کہتے ہوئے باورچی خانے سے نکل گیا۔
"کیسے جلا ہاتھ ۔۔۔؟" بنیل نے وفا کی پیشانی پہ جھک آنے والی لٹوں کو پیچھے ہٹاتے ہوئے پوچھا۔
"کیتلی پکڑنے لگی تھی۔ جھاڑن ہاتھ میں نہ تھا" وہ ہولے ہولے بولی۔
"ایسی بھی بے خودی کیا؟ اگر کیتلی ہی الٹ جاتی تو!"

"تو —" وفا نے لمحہ بھر کو بنیل کی آنکھوں میں دیکھا اور نظریں جھکا لیں۔
"خود بھی جلتیں اور ہمیں بھی جلاتیں۔" وہ گمبھیر آواز میں بولا۔
"خواہ مخواہ ہی —" وہ ہاتھ چھڑاتے ہوئے بولی۔ لیکن بنیل نے اس کا ہاتھ چھوڑا نہیں۔ بلکہ اپنے تپتے ہوئے ہونٹوں سے لگا لیا۔
"اوہ —! وفا بری طرح گھبرا گئی "چھوڑیئے — میرا ہاتھ اب بالکل ٹھیک ہے"
"دیکھا نا — ہمارے ہونٹوں کا اعجاز —" بنیل اس کا ہاتھ چھوڑتے ہوئے بولا۔
"آئندہ جو کبھی جلن کا احساس ہو — تو اپنے غلام کو یاد کر لینا"
"اتنا — ناز —" وہ مسکرائی۔
"بالکل —"
"اوہ! آپ جائیں گے کہ نہیں —" وفا ہاتھوں میں منہ کو چھپاتے ہوئے بولی۔
"ارے — تم رو نہیں — ہم چلے —" بنیل سیٹی بجاتا ہوا باہر نکل گیا۔ راستے میں کاشف ملا۔
"آجاؤ کاشف! وفا چائے لے کر آ رہی ہے"
"وفا کے ہاتھ میں برنال تو لگا آؤں" کاشف مڑتے ہوئے بولا۔
"اس کا ہاتھ ٹھیک ہو چکا" بنیل متبسم سا بولا۔
"کیا جادو پھونک آئے ہو؟"
"اسی سے پوچھنا —" بنیل کمرے کا پردہ ہٹاتے ہوئے بولا۔ کاشف کچھ سمجھا کچھ

نہ سمجھا اور دھم سے کرسی میں جا دھنسا۔

چائے کے بعد وفا نے اجازت چاہی۔ رات کافی ہو چلی تھی۔ اس لئے نوشابہ زیادہ اصرار نہ کر سکیں۔ وفا کو دوبارہ آنے اور لبنہ کو ساتھ لانے کی تاکید کی۔ نوید کو پیار کرتے ہوئے اس کی کامیابی کے لئے دعا مانگی۔ کاشف اور بنیل نے ایک نظر وفا پر ڈالی اور پھر کاشف سے بولا۔

"تم امی کے پاس رہو کاشف میں انہیں چھوڑ آؤں۔"

"نہیں ہم چلے جائیں گے بھیّا۔" نوید جلدی سے بولا۔

"نہیں ماسٹر! ۔ چلو!"

وفا چپ تھی کچھ نہ بولی

"واپس آجانا ۔۔۔ بنیل ۔۔ کہیں وہیں سو رہو۔" کاشف مسکرا کے بولا۔

"فکر نہ کرو۔ رات تمہارے دماغ کی درستی میں ہی کٹے گی۔" بنیل، وفا اور نوید کے ساتھ جاتے ہوئے بولا۔ سامنے سے ایک ٹیکسی آرہی تھی۔ نوید روکنے کو آگے بڑھا۔

"آج کی گستاخی کا برا تو نہیں مانا۔" بنیل سنجیدگی سے بولا۔

وفا نے اس کے لہجے کی سنجیدگی کو محسوس کیا اور دھیمے لہجے میں بولی۔

بیمار مسیحا سے شکوہ کرے کیسی طور بجا ہے۔"

بنیل کے چہرے پہ ایک دم سے خوشیوں کے چراغ جل اٹھے۔ وہ وفا کی سمت جھکا لیکن وفا ٹیکسی کی طرف بڑھ چکی تھی۔

نوید کو گئے کتنے سارے دن ہو چکے تھے۔ اس اثناء میں اس کے دو تین خط بھی گھر آ چکے تھے۔ جن میں وہ اتنی مزے مزے کی باتیں لکھتا کہ نسیمہ، وفا، عفی اور شیبی پڑھ پڑھ کر لوٹ پوٹ ہو جاتے۔ گھر کے متعلق ایک ایک بات پوچھتا۔ عفی کی گڑیا اور شیبی کے بلے کا بھی ذکر ہوتا۔ ان کی لڑائی اور صلح کی بابت تو بڑی تفصیل سے پوچھتا۔ لیکن نوید کی غیر موجودگی میں عفی اور شیبی کی لڑائیوں میں خاصی کمی آچکی تھی۔ دونوں جانتے تھے کہ صلح کرانے کو لالہ موجود نہیں۔ اعجاز الحسن اب بالکل تندرست تھے۔ اور بڑی باقاعدگی سے گھر خط بھیجتے۔ وفا کو ہر خط میں پڑھائی کے بارے میں خاص طور پر نصیحت کرتے۔ وفا اب بڑی ذمہ دار سی ہو گئی تھی۔ نوید کے حصے کی ذمہ داریاں بھی اس نے سمیٹ لی تھیں۔ ہر شام عفی، شیبی کی پڑھائی کا جائزہ لینا۔ نسیمہ کے ساتھ بازار جا کے ہفتے میں ایک دو بار ضرورت کی چیزیں لے آنا اس کا معمول سا بن گیا تھا۔ نسیمہ سارا دن گھر کے چھوٹے چھوٹے کام سنوارتی پھرتیں

باورچی خانے کیلئے اماں موجود تھیں۔ لیکن بسمہ نے کبھی ان پر پورا پورا بوجھ نہ ڈالا۔ صبح ناشتہ خود بناتیں۔ کھانا بنانے میں بھی ہاتھ بٹاتیں۔

کہنے کو تو صرف نوید گھر سے گیا تھا لیکن یوں محسوس ہوتا تھا کہ گھر کی ساری رونقیں سمیٹ کے لے گیا ہو۔ کاشف ہر دوسرے تیسرے دن کبھی تنہا اور کبھی نوشابہ کے ہمراہ آجاتا تو خوب شور مچتا۔ عفی شیبی اس کے کندھوں پر چڑھ دوڑتے۔ کاشف وفا کو بنیل کا نام لے کر چھیڑتا یا اس کے خط دکھا دکھا کے چڑاتا۔ بسمہ کپڑے استری کر رہی ہوتیں تو ایک آدھ رومال پر استری پھیر دیتا۔ باورچی خانے میں جا کے اماں کے سر ہو جاتا کہ بتاؤ آج کیا پکا ہے یا کیا پکانے کا پروگرام ہے۔

نومبر کا مہینہ تھا عفی شیبی اپنے امتحانوں کی تیاری میں مصروف تھے۔ وفا بھی اپنے ٹیسٹ کیلئے کتابوں میں منہمک تھی۔ ایک دن کالج سے لوٹتے سمے پتہ چلا کہ انجینئرنگ کا رزلٹ نکل آیا ہے۔ گھر واپسی پر وہ سیدھی بازار گئی۔ وہ بہت ہی خوب صورت ہار خریدے گھر جا کے بسمہ کو بتایا تو انھوں نے اماں کو بھیج کر بازار سے مٹھائی منگوائی۔ سبھی کو یقین تھا کہ کاشف اپنی کامیابی کی خبر سنانے ضرور آئے گا۔ عفی شیبی جلدی جلدی سکول کا کام کرنے لگے۔ بسمہ اماں کے ساتھ مل کے کاشف کی پسند کی چیزیں پکوانے لگیں۔ وفا تھکی ہوئی لوٹی تھی۔ آرام کرنے کو اپنے کمرے میں چلی آئی۔ کتنی دیر لیٹی کروٹیں بدلتی رہی لیکن ایسی مسرور تھی کہ پلک تک نہ جھپک سکی۔ اچھے خاصے اندھیرے پھیل چکے تھے۔ کاشف ابھی تک نہ آیا تھا۔ وہ فکر مندسی ہو گئی "پتہ نہیں کاشف بھائی کیوں نہیں آئے۔" اٹھ کے منہ ہاتھ دھویا، کپڑے بدلے، بال سنوار رہی تھی کہ باہر مبارک باد کی ملی جلی پر مسرت آوازیں گونجیں وفا بالوں کو ویسے ہی چھوڑ کر جلدی سے الماری کی طرف بڑھی، ہاروں والا ڈبہ نکالا

ایک بار ہاتھ میں لے کر کھلاڑیوں پر چھوڑ کے باہر جانے کو لپکی تو کاشف سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"مبارک ہو کاشف بھائی" وہ خوش ہوتے ہوئے بولی اور ہاتھ میں پکڑا ہوا ہار اس کے گلے میں ڈال دیا۔

"بہت بہت شکریہ اچھی بہن!" کاشف وفا کے سامنے جھکتے ہوئے بولا۔

"دیکھئے بھیا! مجھے یقین تھا کہ آپ پاس ہوں گے۔ کالج سے آتے ہوئے آپ کے لئے ہار لیتی آئی ۔ وفا اس کے گلے میں پڑے ہوئے ہار کو دیکھتے ہوئے خوش دلی سے مسکرائی۔

"بہن جو ہوئیں۔" کاشف مسکرا کے بولا۔ ذرا آگے بڑھ کر میز پر پڑے ہوئے ڈبے پر نظریں جما دیں۔

"یہ دوسرا ہار کس کے لئے ہے؟" وہ حیران سا بولا۔

وفا میز کی جانب مڑی۔ اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور ہونٹ تبسم کی بجلیاں گرا رہے تھے۔ آنکھوں میں انوکھی سی چمک آگئی تھی۔ اس نے تصور میں دیکھا کہ نبیل اسکے سامنے بھی کھڑا ہے۔ وہ لرزتے کانپتے ہاتھوں سے اس کے گلے میں ہار پہنا رہی ہے۔ وہ پہنا کے پیچھے ہٹنے لگتی ہے کہ نبیل جلدی سے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لیتا ہے اور پھر.....

"میں نے پوچھا تھا، یہ ہار کس کے لئے ہے؟" کاشف نے اس کے تصورات کا سلسلہ درہم برہم کر دیا۔

"آپ کے دوست کیلئے" بمشکل وہ اتنا ہی کہہ سکی۔

"اوہ! —" وہ ہنس دیا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے اسے جانے کیا سوجھا۔ ایک دم سے سنجیدہ سا ہوگیا۔

"لیکن —" اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"لیکن کیا؟" وفا تڑپ کے بولی۔

"بنیل تو اس سال رہ گیا۔" کاشف اداس اداس سا بولا۔

وفا کا سانس حلق میں اٹک کے رہ گیا۔ اس نے کاشف کے چہرے پر نظر ڈالی کہ کہیں اسے تنگ ہی نہ کر رہا ہو۔ لیکن وہاں تو ایسی اذیت ناک سنجیدگی تھی کہ وفا لرز اٹھی۔

"آپ سچ کہہ رہے ہیں کاشف بھائی؟" اس نے کاشف کے شانوں کو جھنجھوڑ ڈالا۔

اسے یقین ہی نہ آرہا تھا کہ بنیل بھی فیل ہو سکتا ہے۔ حالانکہ اس کی تعلیمی قابلیت سے قطعی ناواقف تھی۔

"سو فیصدی سچ۔" کاشف وفا کو پلنگ پر بٹھلاتے ہوئے دھیمی آواز میں بولا۔

وفا نے میز پر پڑا ہوا ہار اٹھالیا۔ کتنی دیر اسے حسرت ناک نظروں سے تکتی رہی اور پھر آنکھوں سے لگا کے رو دی۔ سفید لڑیا پر ڈھلاتے ہوئے وفا کے سچے موتیوں ایسے آنسو جن میں پیار کی جھلک بسی تھی۔ کاشف کو ترس آگیا۔ اس نے سوچا بھی نہ تھا کہ وفا اتنی زیادہ سنجیدہ ہو جائے گی۔ جلدی سے اس نے وفا کا چہرہ ہاتھوں میں لے لیا۔

"وفا — پگلی رو دیں —"

وفا نے آنسو روکنے کو ہونٹ کاٹ لئے۔

" ابھی ــــ فوراً ــــ اس گدھے کو تار دیکر بلواتا ہوں " کاشف وفا کے آنسو پونچھتے ہوئے پیار سے بولا۔

" نہیں کاشف بھائی " وفا رندھی رندھی سی آواز میں بولی۔

" نہیں کیوں نہیں۔ پھر یہ ہار کون پہنے گا؟ " کاشف وفا کے ہاتھوں سے ہار لیتے ہوئے ڈبے میں رکھتے ہوئے بولا۔

" ہار۔ کامیاب ہونے والوں کو پہنائے جاتے ہیں ۔ نا ــــ "

" پگلی ہو تم بالکل " کاشف کھکھلا کے ہنس دیا۔

وفا حیرت سے اس کا منہ تکنے لگی۔

" ارے ــــ تیرا وہ ــــ نالائق تو تیرے بھیا سے بھی کچھ نمبر اوپر لے گیا ہے "

کاشف ہنستے ہوئے بولا۔

وفا ایک دم سے کھل اٹھی " سچ کاشف بھائی "

" ہاں " کاشف گلے میں پڑے ہار کو جھلاتے ہوئے بولا۔

" تو پھر آپ نے مجھے کیوں ستایا " وہ خفا ہو جانے کے انداز میں بولی۔

" یہ دیکھنے ــــ کو ــــ " کاشف اس پر جھکتے ہوئے دھیمے لہجے میں بولا

" کہ تمہیں اس گدھے کا کتنا خیال ہے "

وفا کا چہرہ شرم سے سرخ ہو گیا۔ پلکیں کپکپانے لگیں اور مسرت کا روح پرور احساس رگ و پے میں سرایت کر گیا۔

" اچھا چلو باہر۔ مٹھائی تو کھا لو ــــ " کاشف باہر جاتے ہوئے بولا۔

" ٹھہریئے بھیا! ایک منٹ میں ذرا بالوں کو باندھ لوں " کاشف رک گیا۔

وفا نے جلدی سے ربن بالوں میں باندھ لیا اور پھر دونوں باہر آ گئے۔ نوشابہ بہت خوش تھیں زندگی بھر کی پونجی یہی ایک بیٹا تھا۔ شوہر برسوں پہلے ایک حادثے کا شکار ہو گیا۔ نوشابہ کے لئے اچھی خاصی جائیداد چھوڑی تھی۔ اس لئے بیوی بیٹے کو کبھی مالی دشواری پیش نہ آئی تھی۔ البتہ رشتہ داروں کی بے مروتی اکثر تڑپاتی تھی۔ لیکن جب سے وہ لبنیٰ کے ہاں آنے جانے لگی تھیں یہ دکھ بھی بھول چکی تھیں۔ وفا نے کس پیار سے بہن ہونے کے ناطے اسے ہار پہنایا تھا اور لبنیٰ نے مٹھائی منگوا رکھی تھی۔

وفا نے خود چائے بنائی۔ چائے مزے مزے سے پی گئی۔ کاشف خوب خوب ہنستا ہنساتا رہا۔ بیچ میں بہن کا ذکر آ جاتا تو وہ وفا کو اشارہ کر دیتا۔ جس پر جھلا سی جاتی۔ چائے کے بعد نوشابہ نے اجازت چاہی لیکن لبنیٰ کے پیار بھرے اصرار کے سامنے انہیں رکتے ہی بنی۔ کھانے کی میز پر اس قدر اہتمام دیکھ کر کاشف کا چہرہ جگمگا اٹھا۔

"ہائے وفا! آج معلوم ہوا ہماری بھی کتنی اہمیت ہے۔"

"کوئی بہن ہوتی تو تمہیں اپنی اہمیت کا احساس ہوتا۔" نوشابہ بیٹے کو مشفق نظروں سے دیکھتے ہوئے بولیں۔

بالکل ٹھیک خالہ جان! بھائی تو بہنوں کی سب سے بڑی آس۔ سب سے بڑی امید ہوا کرتے ہیں۔" وفا پیار سے بولی۔ اسے کاشف آج بالکل نوید ایسا لگ رہا تھا اپنے سے برسوں چھوٹا۔ شریر سا۔

"سچ وفا! میں بھی کیسا خوش نصیب ہوں جو اس گھر کی راہ دیکھ لی۔"

بیٹا۔ تمہاری اس گھر میں حیثیت نوید اور شیبی سے بھی بڑھ کے ہے۔ ہم اس گھر کے

بڑے بیٹے ہو۔" نسیمہ پُرخلوص لہجے میں بولیں۔

" اللہ! ایسی جنت ملے گی کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ کیوں امی!" کاشف پلیٹ میں چاول نکالتے ہوئے نوشابہ سے مخاطب ہوا۔ وہ جواب میں پیار سے مسکرا دیں۔

" اب بھیا۔" وفا سالن کا ڈونگا نوشابہ کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔

" ہم اپنے لئے ایک چاندسی بھابی ڈھونڈیں گے۔"

کاشف شرما سا گیا اور عنی سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے کاشف کے پیچھے جا کھڑی ہوئی۔

" سچ بھیا۔ آپ کی شادی ہوگی۔ ہم خوب صورت کپڑے پہنیں گے۔ پھر آپ دولہا بن کے چاندایسی بھابی لائیں گے۔"

کاشف کو اپنے پہلو میں جھکی جھکی سی یہ ننھی منی گڑیا اتنی پیاری لگی کہ کھینچ کے گود میں بٹھا لیا اور اس کے سرخ سیبوں ایسے رخسار تھپتھپاتے ہوئے بولا۔

ضرور۔ ہماری شادی ہوگی۔ تم خوب صورت سے کپڑے پہنوگی۔ پھر ہم دولہا بن کے تمہاری چاندایسی بھابی لائیں گے۔ مگر سنو تو۔ اگر تمہاری کوئی گڑیا ہمارے لائق ہو تو اس کو نہ بنالیں دلہن۔" کاشف شرارت سے بولا اور عنی چیخ اٹھی۔

" نہ ــــ کاشف بھائی۔ ہم تو بس چاندایسی بھابی لائیں گے۔ گڑیا تو بولتی بھی نہیں۔"

" بھابیاں آنا شروع ہوئیں تو چلی آتی جائیں گی۔" نوشابہ مسکرا کے بولیں۔

" ہاں خالہ جان۔ ایک تو کاشف بھائی والی بھابی ہوں گی۔ ایک نوید بھائی والی۔ ایک شیبی والی۔"

شیبی اپنا ذکر سن کے شرما سا گیا۔

" اور ایک بنیل بھائی والی بھابی ـــــ ! ایک دم سے چار بھابیاں ــــ!"
وہ کھلکھلا کے ہنس دی۔

" بھئی عفی ـــ تین بھابیاں تو ضرور آئیں گی۔ مگر بنیل بھائی والی بھابی کو فہرست سے نکال دو۔"

" کیوں ـــ ؟" عفی کے ساتھ ساتھ سبھی حیرت سے کاشف کا منہ تکنے لگے۔ ایک وفا تھی۔ جو اپنی پلیٹ پہ جھکی بمشکل اپنی شرم اور غصے پر قابو پا رہی تھی۔

" بنیل کے ارادے کچھ نیک نظر نہیں آتے ـــ" وہ وفا پر ایک نظر ڈالتے ہوئے مسکرا کے بولا۔

نوشابہ کاشف کی بات سمجھ چکی تھیں۔ وہ بھی مسکرا دیں۔

" کیا بنیل بھائی شادی نہیں کریں گے ـــ" شیبی جلدی سے پلکیں جھپکتے ہوئے بولا۔

" یوں ہی جھوٹ بول رہا ہے بیٹے۔ بنیل شادی ضرور کرے گا۔" نوشابہ نے شیبی کو تسلی دی۔

بسمہ کی نظر اچانک وفا کے شرم سے رنگین چہرے پر پڑی۔ اور انھیں الجھ کے رہ گئیں۔ انہیں بے اختیار بنیل پر پیار آ گیا۔ انھوں نے تصور ہی تصور میں بنیل اور وفا کو ساتھ ساتھ دیکھا اور پھر اطمینان بخش سانس لیتی ہوئیں اپنی پلیٹ پر جھک گئیں۔ یوں جیسے ایک بوجھ ان کے سر سے اتر گیا ہو۔

کاشف اور نوشابہ کافی دیر تک بیٹھے باتیں کرتے رہے اور جب وہ لوٹے تو رات کافی گہری ہو چلی تھی۔ بسمہ، عفی اور شیبی کو چھوڑ کر وفا اپنے کمرے میں چلی آئی۔ نیند ابھی تک نہ آئی تھی۔ موڈ بھی اچھا تھا۔ کتنی دیر بیٹھی پڑھتی رہی۔ پھر جب رات کافی زیادہ بھیگ گئی آسمان کے وسط میں کہکشاں نمایاں ہو گئی تو وہ ٹیبل لیمپ بجھاتے ہوئے ہلکا سا بریلیٹ سیٹ کر کے بستر پہ دراز ہو گئی۔ میز پر بیتل کے لئے خریدا ہوا ہار ابھی تک ڈبے میں یونہی کھلا پڑا تھا۔

" ارے! کہیں خراب ہی نہ ہو جائے۔ الماری میں رکھنا یاد ہی نہ رہا ۔"

آپ ہی آپ بولی۔ اور پھر بستر سے اُٹھتے ہوئے ڈبہ ہاتھ میں لے لیا۔ ایک دم سے کسی انجانے احساس کے تحت ہار کو ہاتھوں میں لے کے ہونٹوں سے لگا لیا۔ آنکھیں بند سی ہو گئیں۔

" میں تم سے جو کبھی نہ کہہ سکوں، وہ یہ ہار تمہیں بتا دے گا۔"

ہار ڈبے میں بند کرتے ہوئے اس دھیرج سے بڑبڑائی جیسے کسی کے سن لینے کا خطرہ ہو۔

ڈبہ الماری میں رکھ کے لیٹی تو پھر نیند ہی روٹھ گئی بیتل جو سوز ادیوں سے سا تھی تھا۔ پھر اسے خیال آیا کہ اگر واقعی وہ فیل ہوتا۔ تو۔ " نہیں۔" وہ جلدی سے اٹھ بیٹھی۔ "ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کبھی نہیں۔"

وہ نڈھال سی تکیے پر گر پڑی عجیب سی کشمکش میں مبتلا تھی کہ نیند مہربان ہو گئی۔ لیکن سپنوں میں بھی تو وہ متبسم خوب صورت چہرہ بسا ہوا تھا۔ سوتے میں آپ ہی آپ اس کے لبوں پہ ایک شفاف سی مسکان پھیل گئی۔

دوستوں کے بے حد اصرار پر کاشف کامیابی کی خوشی میں پارٹی دے رہا تھا۔ بنیل کو اس نے خاص طور پر مدعو کیا تھا پہلے خط لکھا اور پھر نوشابہ کے کہنے پر تار بھی دے ڈالا وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح بنیل اپنی کامیابی کی بے پایاں مسرت وفا کے چہرے پر دیکھ سکے۔ اس کے سچے اور پاک جذبات سے اچھی طرح آگاہ ہو سکے اور ساتھ ہی وہ بنیل سے رزلٹ والے دن کا واقعہ بھی کہہ سنائے۔ وہ تصوری تصور میں بنیل کے چہرے پہ ان گنت چراغ جھلملاتے دیکھتا اور بے اختیار محبت میں اس کی کامیابی کے لئے دعائیں کرتا

اتوار کا دن تھا۔ شام پارٹی ہو رہی تھی۔ وفا کو کاشف صبح سویرے ہی لے آیا۔ نوشابہ نے تو نسیمہ اور بچوں کو بھی صبح ہی بلایا تھا۔ لیکن نسیمہ نے بچوں کی پڑھائی کے خیال سے شام کو آنے کا وعدہ کر لیا۔ وفا آتے ہی ڈرائینگ روم اور ہال کی ترتیب میں مصروف ہو گئی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ بنیل جسے یہاں سے پہلے موجود ہونا چاہیئے تھا ابھی تک نہ پہنچا

کیوں نہیں صبح سے دوپہر ہوگئی لیکن بنیل کا کہیں پتہ نہ تھا۔ کھانے کے بعد وہ آخری جائزہ لینے ہال میں آئی تو کاشف بھی اس کی کارگزاری دیکھنے کو ساتھ ہی چلا آیا۔

"کیوں کاشف بھائی۔ کہیں کوئی کمی رہ گئی ہے۔ تو بتا دیجئے؟" وفا کاشف کے بازو پر ٹھکتے ہوئے بولی۔

"نہیں کوئی نہیں۔ کیسا بدلا بدلا سا لگ رہا ہے گھر" کاشف بے پناہ مسرور تھا۔

"وہ تو آئے نہیں ابھی تک" وفا دل کی بات زبان تک لے آئی۔

"کون؟" کاشف جو ایک پینٹنگ میں بری طرح کھویا ہوا تھا چونک کر بولا۔

"آپ کے دوست۔" وہ ذرا خفگی سے بولی "بڑا دعویٰ ہے نا دوستی کا۔"

"ہاں۔ جانے کیا ہوگیا۔ بنیل ابھی تک نہیں پہنچ سکا۔ ورنہ وہ رکنے والا تو نہیں تھا۔" کاشف فکرمند بولا۔

"کسی کو اپنی خوشی میں شامل کرنے کو جی نہ چاہا ہوگا" وفا افسردہ سی بولی۔

"اوہو۔ میری بہنا تو ایکدم سے ہی ناراض ہوگئی۔" کاشف مسکرایا۔

"ذرا آتو لے گدھا۔" کاشف بات پوری نہ کرسکا۔

"تمہارا ہمزاد تمہارے حضور حاضر ہونے کی اجازت چاہتا ہے" ڈرائینگ روم کے دروازے پر بنیل سینے پر ہاتھ باندھے بڑا خوش خوش کھڑا تھا۔

"جاؤ۔ ہم نے نہیں بولتے، اتنا انتظار کرایا۔" کاشف اس کے گلے لگتے ہوئے پیار سے بولا۔

"نہیں بولتے تو نہ سہی۔ ہم کسی اور سے بول لیں گے" بنیل کاشف کا بازو تھامے تھامے آگے بڑھا۔ کاشف اس کی بات سن کر مسکرا دیا اور وفا کو چپ چاپ

کھڑکی سے دیکھتے ہوئے بولا۔

" جن سے بولنے کا ارمان دل میں لئے تم ہو وہ تو تمہیں کبھی معاف نہ کرینگے ماتنا انتظار کرایا نہیں ؟"

" ہمارا انتظار اور وہ بھی کوئی کرے ؟ بنیل پرمسرت لہجے میں بولا۔

وفا نے رخ پھیر لیا اور بنیل بے سادہ سا صوفے پر گر پڑا۔

" ارے ! اتنی سی بے رخی نے نڈھال کر دیا " کاشف نے اسے چھیڑا۔

" نہیں تو " بنیل پھیکا سا مسکرایا " بخار صاحب نے سارے کس بل نکال دیئے "

" اچھا تم اپنی ڈاکٹر سے رجوع کرو۔ بعد میں مابدولت دوا دارو کا بندوبست کرینگے "

کاشف اس کے شانے دباتے ہوئے سرگوشی سے انداز میں بولا اور پھر ہال سے باہر نکل گیا۔ بنیل نے تھکے تھکے سے انداز میں کھڑکی کے قریب رخ پھیرکے کھڑی وفا پر ایک نظر ڈالی۔ ایک لمحے کے لئے خوشی کا احساس اس کے تن من میں سرایت کر گیا۔ وفا نے اس کا انتظار کیا تھا۔ لیکن اتنی جلدی وہ اس کے انتظار سے اکتا گئی تھی۔ وہ اس سوچ کے ساتھ ہی تھکا تھکا سا صوفے میں دھنس کے رہ گیا۔ کتنے ہی لمحے چپ چاپ بیت گئے۔ خاموشی اور تنہائی سے گھبرا کے وفا نے منہ موڑ کے بنیل کو ایک نظر دیکھا اوہ کیسا ساتھ تھکا تھکا سا لگ رہا تھا۔ رنگ بھی پھیکا پھیکا سا تھا۔ بڑی بڑی خوبصورت آنکھیں بند تھیں اور بالوں کی چند شریر لٹیں بے ترتیب سی پڑی تھیں۔ ایک لمحہ کو دل دہل کے رہ گیا۔ دبے پاؤں آگے بڑھی اور صوفے کے پیچھے جا کے بنیل پر جھک سی بے اختیار آنکھوں سے آنسو ڈھلکے اور بنیل کے رخساروں پر ڈھلک پڑے

بنیل نے چونک کے آنکھیں کھول دیں اور خود پر جھکی وفا کا چہرہ ہاتھوں میں لے لیا۔ وفا ان ہاتھوں کے لمس سے ایکدم چونکی، اتنے گرم تھے جیسے ابھی ابھی بھٹی سے نکالے گئے ہوں۔ جلدی سے گھوم کے سامنے آئی اور اس کے سامنے قالین پر گھٹنوں کے بل بیٹھتے ہوئے نبض دیکھنے کو کلائی تھام لی۔ بنیل اس کی اس اضطراری حرکت پر مسکرا دیا۔

" میں ٹھیک ہوں وفا! تم خواہ مخواہ ہی پریشان ہو رہی ہو۔"

" آپ سے کچھ بہتر ہی جانتی ہوں کہ آپ کتنے ٹھیک اور کتنے خراب ہیں۔" وہ اٹھتے ہوئے ذرا غصے سے بولی۔

" اب کہاں چلیں؟" وہ اسے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھ کر بولا۔

" چپ چاپ بیٹھے رہیے، میں ابھی آئی۔" وہ باہر نکلتے ہوئے نصیحت آمیز لہجے میں بولی اور بنیل نے صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کے پھر سے آنکھوں پر پلکوں کی چلمن گرا لی۔ تھوڑی ہی دیر بعد وفا تھرمامیٹر لیے واپس لئے آ گئی۔

" آپ سو گئے۔" وہ آہستگی سے بنیل کا شانہ ہلاتے ہوئے بولی

" نہیں ـــ تو ـــ" اس نے اپنی بڑی خمار آلود آنکھیں کھول دیں۔

" ذرا آنکھوں کے ساتھ ساتھ منہ بھی کھولیے۔" وہ تھرمامیٹر جھٹکتے ہوئے مسکرا کے بولی۔

" لو! بابا ـــ جان چھوڑو کہیں۔" اس نے ہنستے ہوئے منہ کھول دیا۔ وفا نے جب تھرمامیٹر لے کر پارہ دیکھا تو وہ ۱۰۲ تک چڑھا جا رہا تھا۔ ایک دم سے ہی بنیل پر برس پڑی۔

"اتنے بخار میں کیوں چلے آئے آپ؟"
بنیل بڑی معصومیت کے اسے دیکھتا ہوا بولا۔
"آپ کو دیکھے بڑے دن ہو گئے تھے نا؟"
"یہ کوئی ایسا کام نہیں۔ آپ کو پہلے اپنا خیال رکھنا چاہیئے تھا۔" وہ دھیمے لہجے میں بولی۔
"میرا خیال مجھ سے زیادہ تم رکھ سکتی ہو وفا! اس لئے اتنے بخار میں بھی چلا آیا۔ حالانکہ ابھی تو کسی طور پر راضی نہیں ہو رہی تھیں۔" وہ وفا کا نازک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے بولا۔ وفا نے ایک بار اسے جی بھر کر دیکھا اور پھر ایک دم سے بولی۔
"آیئے آپ کو کمرے تک چھوڑ آؤں۔ کچھ دیر آرام کر لیں۔ پھر پارٹی میں گھومنا پھرنا ہو گا۔"
"نہیں۔ میں کمرے میں نہیں جاؤں گا۔" وہ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں کے درمیان دباتے ہوئے بولا۔
"بس تم میرے پاس بیٹھ جاؤ اور ایسی میٹھی میٹھی باتیں کرو کہ میرا بخار بھاگ جائے۔"
وفا نے انکار نہیں کیا۔ بنیل سے ذرا ہٹ کر صوفے پر بیٹھ گئی۔ جب وہ نہیں آیا تھا تو اس سے کبھی نہ بولنے کا عہد کئے بیٹھی تھی اور اب جب وہ اس کے اتنا قریب تھا تو وہ سوچ رہی تھی کہ وہ کیوں چلا آیا۔
"کیا سوچ رہی ہو وفا؟" بنیل نے اسے یوں کھوئے کھوئے دیکھا تو بولا۔
"کچھ بھی نہیں۔" وہ اپنے خیال پر ہی نادم سی ہو گئی۔
"اچھا ایک بات بتاؤ۔"

وفا نے سوالیہ نظریں بنیل کے چہرے پر گاڑ دیں۔

"تم نے انتظار کیا تھا میرا؟"

وفا نے سر جھکا لیا اور آہستگی سے بولی "کیا تھا۔ آج ہی نہیں بلکہ کئی دنوں سے!"

وفا کی بات سن کر بنیل بے قابو ہو گیا۔ جلدی سے وفا کا خوب صورت چہرہ ہاتھوں میں لے لیا اور اس کی بند آنکھوں پر پڑی۔ لرزتی ہوئی پلکوں کی چلمن کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"پھر مجھے نہ پا کر تم نے ضرور مجھے کوسا ہو گا۔"

"نہیں" وہ جلدی سے بولی "صرف آپ سے کبھی نہ بولنے کی قسم کھائی تھی۔"

"اچھا ـــ تو ایسی بڑی سزا دینے کا سوچا تھا۔"

"لیکن اب تو میں آپ سے بول رہی ہوں۔"

"ہاں ـــ اس بیمار پر رحم آگیا ہو گا۔"

"رحم ـــ اور آپ پر ـــ کبھی نہیں۔"

"تو پیار آگیا ہو گا۔"

"شاید ـــ"۔

"شاید ـــ ایسے ڈپلومیٹک لفظ استعمال نہ کیا کرو۔"

وفا بے اختیار ہنس دی۔

"ارے مبارکباد بھی نہ دی تم نے" بنیل کو جیسے کوئی بھولی بات یاد آگئی۔

"مٹھائی کھلایئے۔ مبارکباد نقد دی جائے گی۔" وفا شوخی سے بولی۔

"اچھا یہ بات! اور وہ ہار کہاں ہے جس میں آنسوؤں کے موتی پروئے گئے ہیں۔"

وفا ایک دم سے چونکی "آپ سے یہ کس نے کہہ دیا۔
"کسی نے بھی ۔"
"کاشف بھائی بڑے چالاک ہیں۔ اتنی اتنی سی بات بھی لکھ دیتے ہیں خط میں۔"
وہ بڑبڑانسی سی بولی۔
"تمہارے لئے اتنی سی بات ہوگی۔" بنیل شوخی سے بولا "لیکن ما بدولت کے لئے اتنی سی بات ہی بہت بڑی مسرت بن گئی۔"
"اچھا اب باتیں بنانا چھوڑیئے۔ تھوڑی دیر تو آرام کر لیجیے۔"
"اچھا چلو تمہاری مرضی۔ کہیں ضد میں آکے سوئیاں ہی چبھونے لگو" وہ صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا۔
"پہلے تو کبھی نہ چبھوئی تھی، لیکن اب ضرور چبھوؤں گی۔" وہ مسکرا کے بولی۔
"زہے نصیب" وہ اس کی طرف جھکا لیکن وفا جلدی سے پردہ اٹھا کے ہال سے باہر نکل گئی۔

سہ پہر بڑی رنگین تھی۔ کاشف اور شیبی تیاریوں کے بڑے مصروف تھے۔ بنیل کیا فی نڈھال تھا اس لئے وہ دوستوں کے درمیان ہی بیٹھا گپیں ہانکتا رہا۔ شام گئے تک ان کے جاندار قہقہے گونجتے رہے۔ نوشابہ بیٹے کی خوشی پر اتنی زیادہ مسرور تھیں کہ لبسہ کو ان پر رشک آئے جا رہا تھا۔ دوست لوٹ گئے۔ تو کاشف تحائف سے لدا پھندا نوشابہ کے کمرے میں آیا پیچھے پیچھے شیبی کا ہاتھ تھامے بنیل تھا۔ نوشابہ نے بڑی شفقت سے بنیل کو اپنے پاس بٹھا لیا۔ کاشف کی طرح بنیل بھی انہیں بہت زیادہ عزیز تھا۔ وہ تحفے کھول کھول کے دیکھنے لگی۔ خود اس نے بھی اپنے ہاتھ سے بنایا ہوا سوئیٹر

تحفتاً دیا تھا۔ ویسا ہی وہ بنیل کے لئے بھی بنا رہی تھی۔

"اب کاشف بھائی آپ کے کیا ارادے ہیں؟" وہ تحفوں سے ہٹ کر بولی۔

"کیا مطلب؟" وہ اس کی بات نہ سمجھ سکا۔

"ملازمت کریں گے یا آوارگی؟" وفا تبسم سی بولی۔

"دونوں میں سے ایک تو ضرور کروں گا۔ لیکن وقت اور حالات کے مطابق۔ فی الحال پرسکون سے دن گزارنے کا متمنی ہوں؟"

پہلے کونسا مشقت میں بسر ہوئی ہے۔ جو اب سکون کے تمنائی ہو؟" بنیل کاشف کو ستانے کو بولا۔

"تم چپ رہو یار!" کاشف آگے کو جھکتے ہوئے بولا۔

"اپنی ہی الجھنیں سنبھالو تو بڑی بات ہے۔"

"میری تو کوئی الجھن نہیں۔ دوست!" بنیل وفا پر ایک چور نگاہ ڈالتے ہوئے بولا۔

وفا ایک دم گھبرا کے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"چلیئے امی! بہت دیر ہوگئی۔"

"اچھا نوشابہ بہن اب اجازت دیجئے! واقعی باتوں ہی باتوں میں وقت گزرنے کا پتہ ہی نہیں چلا۔" بسمہ اٹھتے ہوئے بولیں۔

تھوڑی دیر اور رک جایئے کاشف چھوڑ آئے گا۔" نوشابہ کا جی نہیں چاہ رہا تھا کہ رونق چلی جائے۔

"پھر آجائیں گے خالہ جان!" شیبی پیار سے بولا۔

"کیوں نہیں ضرور آنا ۔" وہ اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے بولیں۔

کاشف انہیں چھوڑنے کو چلا تو بنیل بھی مچل گیا۔

"میں بھی چلوں گا۔"

نہیں بیٹے ۔ پہلے ہی اتنا تھک گئے ہو۔ کہیں بخار تیز نہ ہو جائے۔"

بسمہ پیار سے منع کرتے ہوئے بولیں۔ اس نے سر جھکا لیا ۔ وفا کو اس پر ترس آ گیا لیکن سفارش نہ کر سکی ۔ کاشف سے کچھ کہنا اعلان کرانے کے مترادف تھا۔

نوشابہ کے ساتھ ساتھ بنیل دروازے تک چھوڑنے کے لئے آیا ۔ نوشابہ بسمہ کے ساتھ ساتھ چلی جا رہی تھیں ۔ کاشف میاں بوجھ کے عفی شبلی کے ساتھ ہو گیا۔ بنیل نے لپک کے وفا کا ہاتھ تھام لیا۔

" چھوڑیئے ۔ بھئی کیا مصیبت ہے ۔" وہ ایک دم گھبرا کے بولی ۔

" بڑی ظالم ہو۔" اس نے بے دلی سے ہاتھ چھوڑ دیا ۔

" ذرا دیر کو جو میرے ہاتھ میں یہ ننھا سا نازک سا ہاتھ رہ جاتا تو تمہارا کیا بگڑ جاتا ۔"

اس کے لہجے میں بے پناہ دکھ تھا ۔

" اور کوئی دیکھ لے ۔ تو ؟" وفا اس کے لہجے سے متاثر ہو کے نرمی سے بولی۔

" تو قیامت آ جائے گی۔ کیوں ! " بنیل کا لہجہ بے حد تیکھا تھا۔

" سمجھتے کیوں نہیں آپ ۔" وفا نے زچ ہو کر کہا ۔

" خوب سمجھتا ہوں ۔ ایسا بے وقوف بھی نہیں ہوں۔"

وفا سُن ہو کر رہ گئی اور ایکدم سے ہی اس کے چہرے پر شکست اور بیزاری کی ایک رو چھا گئی ۔ نہ جانے بنیل نے کیا سمجھ لیا تھا۔

"ہوں، مجھے کیا۔ کچھ سمجھتا رہے۔ سوئی ہوئی اَنا جیسے خود بخود بیدار ہو گئی ۔ اس نے منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ بنیل نے ایک بار پھر غور سے اس کی طرف دیکھا۔ سپاٹ اور جذبات سے عاری یہ چہرہ ۔ اتنی کرختگی تھی اس میں کہ وہ کانپ اٹھا۔

بنیل چپ چاپ تھکے تھکے قدم لیتا کاشف سے جا ملا۔ کاشف نے تعجب سے اسے دیکھا اور پھر گردن موڑ کر وفا پر نگاہ ڈالی ۔ وفا کا سر جھکا ہوا تھا اور آنسو پلکوں کی اوٹ میں جگمگانے لگے تھے ۔

"باجی ۔۔!"
عفی وفا کے چہرے پر اپنے ننھے ننھے ہاتھ پھیرتے ہوئے پکاری۔ وفا نے
جلدی سے آنکھیں کھول دیں اور صبح دم ایسی بنی سنوری عفی کو دیکھ کے بستر پر بیٹھا لیا۔
"یہ صبح صبح کہاں کی تیاری ہے عفی" وہ عفی کو پیار کرتے ہوئے بولی۔
"آپ کو نہیں پتہ۔ آج ہم لوگ پکنک پر جا رہے ہیں" عفی نے حیران ہو کر کہا۔
"دیکھئے تو باہر خالہ جان، کاشف بھائی، نبیل بھائی سبھی آئے بیٹھے ہیں"
وفا کے چہرے پر ہلکی سی کرختگی چھا گئی لیکن وہ چپ چاپ لیٹی رہی۔
"اٹھیے نا باجی! آپ کے بغیر کیا مزا آئے گا" عفی ملتجی سی بولی۔
"نہیں عفی! تمہیں معلوم ہے کہ آج میں آسیہ کی سالگرہ پر جا رہی ہوں۔ پھر تمہارے
ساتھ کیسے جا سکتی ہوں" وفا سنجیدگی سے بولی۔
"ہم جلدی آ جائیں گے باجی!"
"نہیں ۔۔ عفی ۔۔ تم جاؤ ۔۔"

عفی چپ چاپ اٹھ کے چلی گئی۔ کچھ دیر بعد کاشف دندناتا ہوا اندر آیا۔
پیار سے۔ خفگی سے ۔۔ اتنا کہا اتنا کہا لیکن وفا ذرا جو ٹس سے مس ہوئی ہو۔

یہ آخر ہوا کیا تمہیں؟ وہ نرمی سے بولا۔

"کچھ بھی نہیں!" وہ مسکرا دی

"کچھ بھی نہیں۔ جلدی بتاؤ نا یہ ضد پہ کیوں آ گئیں تم"۔

وفا نے کچھ کہنے کو لب کھولے ہی تھے کہ باہر سے بیل کی آواز آئی۔

"کاشف! بہت دیر ہو چلی۔ اب چلے آؤ" کاشف تھکے قدموں سے باہر نکل گیا اور وفا پھر سے سو جانے کی کوشش کرنے لگی۔ لیکن جو نیند رات کو نہ آئے۔ دن کو کب مہربان ہو گی۔ جھنجھلا کے اس نے لحاف ہٹا دیا۔ اٹھ کے منہ ہاتھ دھویا۔ پھر ناشتے کے لئے چلدی۔ اماں باہر پھیلتی دھوپ میں بیٹھی بالوں میں کنگھی کر رہی تھیں۔

"ناشتہ کروں گی اماں" وفا نے اماں کے پاس جاتے ہوئے کہا۔

"میں نے تیار کر رکھا ہے بیٹی! ابھی گرم کئے دیتی ہوں۔" اماں اٹھتے ہوئے بولیں۔

"اوں ہوں۔ میں خود گرم کر لوں گی تم دھوپ میں بیٹھی رہو اماں"۔

باورچی خانے میں جا کر پہلے ناشتہ گرم کیا۔ لیکن جب کھانے کو بیٹھی تو کچھ بھی نہ کھا سکی۔ طبیعت بڑی عجیب سی ہو رہی تھی۔ چائے پی کے کمرے میں اٹھ آئی۔ دسمبر جا رہا تھا۔ سردی زوروں پر تھی۔ سورج لاکھ چمکے تو پھر بھی سرد سرد سی لہریں جسم میں سرسراتی پھر تیں۔ تھوڑی دیر کے لئے وفا کتابیں الٹ پلٹ کرتی رہی لیکن

بھی ختم ہو چکے تھے۔ اس لئے پڑھنے کو بھی دل نہ چاہا۔ آخر تھک کے چپ چاپ بستر پر کروٹ بدل کے لیٹ گئی۔ نیند جو کئی راتوں سے کھو گئی تھی اب بھی مائل بہ کرم نہ ہوئی عفی شبی ہوتے تو انہیں سے کھیل لیتی۔

"اگر میں پکنک پہ چلی ہی جاتی تو۔" اس نے جھنجھلاتے ہوئے خود سے سوال کیا۔

"نہیں۔ کبھی نہیں۔" من کے اندر کوئی زور سے چیخا۔

پکنک پارٹی بنیل کی طرف سے تھی اور وہ بنیل کے کسی کام میں شامل نہ ہونا چاہتی تھی وہ جو ایک دم سے اس میں بس کے رہ گیا تھا — خودہی — آپ ہی آپ — اس سے کوسوں دور ہو چلا تھا۔

کاشف کی پارٹی پر بنیل بری حالت میں آیا تھا۔ کچھ بخار اور کچھ تھکن کئی دن تک بستر سے نہ اٹھ سکا۔ پارٹی کے بعد وفا کے ٹسٹ شروع ہو گئے تھے۔ بنیل کے نہ آنے کر اس نے سمجھا تھا کہ چلا گیا ہوگا — لیکن ایک دن صبح ہی صبح وہ کالج جانے کے لئے گھر سے نکلی تو گھبرائے گھبرائے کاشف سے ٹکر ہو گئی۔

آپ صبح ہی صبح کیسے راستہ بھول پڑے۔" وفا نے کاشف سے پوچھا۔

"تمہیں لینے آیا تھا بہن! بنیل کا بخار اتر ہی نہیں رہا۔ اس دن سے بے شدھ سا پڑا ہے۔"

"اوہ!" وفا گھبرا گئی۔

"لیکن آج سے تو میرے ٹسٹ شروع ہو رہے ہیں میں کیسے جا سکتی ہوں؟"

"پھر — ؟"

"آپ امی کو لے جائیے۔ میں کالج کے بعد آؤں گی۔"

کاشف بھی اس کی مجبوری سمجھتا تھا۔ یسمہ بی کو لے کے چلا گیا۔ بنیل بڑا جز بز ہوا اور
سارا دن اس کا انتظار کرتا رہا۔ وفا کالج سے لوٹی تھکی ہوئی تھی۔ کھانا کے سو رہی۔
اٹھی تو اگلا پرچہ بھوت بن کے سوار تھا۔ اس سال وہ اچھی طرح پڑھ نہ سکی تھی اور کامیابی
کا پچھلا ریکارڈ قائم رکھنا مشکل سا نظر آ رہا تھا۔ وہ جھنجھلا کے گھبرا کے رودی اور اس
سب کا ذمہ دار بنیل کو ٹھہراتے ہوئے اس کے پاس نہ جانے کا عہد کر کے پڑھائی
میں جٹ گئی دنوں پہ دن گزرتے گئے اور بنیل کی آس دم توڑ گئی۔ کاشف اور یسمہ وفا کی
پوزیشن سمجھتے تھے لیکن بنیل ـــ وہ دل کے ہاتھوں مجبور تھا۔ ادھر امی نے ڈانٹ بٹھا
رکھی تھی۔ کاشف الگ چھیڑتا "کبھی زخمی ہو لئے کبھی بخار چڑھا بیٹھے ایسے نازک۔۔
تو پہلے تم کبھی نہ تھے" بنیل اور بھی چڑ جاتا ـــ اور ـــ اس دن بخار سے بمشکل
اجازت لے کے وہ وفا سے لڑنے چلا آیا۔ یسمہ، عفی اور شیبی کے ساتھ بازار ان کے
جوتے خریدنے گئی ہوئی تھیں اماں باورچی خانے میں مگن تھی۔ وفا اپنے کمرے میں بیٹھی پڑھ
رہی تھی۔ اگلے روز اس کا آخری پرچہ تھا۔ بنیل نے ادھر ادھر نظر دوڑائی۔ ڈرائینگ
روم دیکھا۔ کمرے جھانکے۔ کوئی بھی نہ تھا۔ تھوڑی دیر کو رکا۔ جھجکا اور پھر وفا کے کمرے
کی طرف قدم بڑھا دیئے۔ وفا نے اپنی کرسی کے پیچھے قدم رکتے محسوس کئے، جلدی
سے گھوم کر دیکھا اور وہ بھی یوں چوروں کی طرح اپنے کمرے میں۔ کرسی کی پشت
پر ٹھوڑی ٹکا کے وہ مسکرا دی۔ حسن پہلے ہی خداداد تھا پہنے ہوئے سرخ سوئیٹر کی
جھلک نے چہرے پر عجیب سا تاثر پیدا کر دیا تھا۔ بنیل بے خود سا آگے بڑھا اور
بڑھا اور جگمگاتا، مسکراتا اتنا اپنا چہرہ ہاتھوں میں لے لیا۔ وفا نے جھجک کے
سر پیچھے کی طرف جھٹکا۔ لیکن بنیل نے اسے چھوڑا نہیں بلکہ دیوانگی کے عالم میں

اپنی پیشانی سے رگڑ ڈالی۔

"اوہ!" وفا گھبراسی گئی۔

"کیا ہوگیا آپ کو؟"

بنیل کے لبوں پر ایک جامد چپ تھی۔ وفا اس کے ہاتھوں کو جھٹکتے ہوئے کرسی چھوڑ چھوڑ کے دور جا کھڑی ہوئی۔

بنیل وہیں کرسی پر جھکا کھڑا رہا۔ چند لمحے چپ چاپ گزر گئے۔ بنیل نے ذرا جو حرکت کی ہو۔ وفا پریشان سی ہو گئی۔ جانے کیا ہو گیا ہے۔ اتنے سنجیدہ اتنے بے خود۔ وہ دبے قدموں آگے بڑھی اور بنیل کے قریب جا کے اس کا شانہ ہلایا۔ بنیل نے نظریں فرش سے ہٹا کے وفا کے چہرے پر گاڑ دیں۔

"کیا ہوا آپ کو؟" وہ ملائمت سے بولی۔

"وفا ــــ!" بنیل سرگوشی کے سے انداز میں پکارا۔

"وفا ــ!" اس نے پھر سے وفا کا چہرہ ہاتھوں میں لے لیا۔

"آپ کو کیا ہوا؟" وفا کو اس کی بے خودی پر پیار سا آچلا تھا۔

"وفا!" اس نے ایک جھٹکے سے وفا کو اپنے سینے سے لگا لیا۔

تمہیں کیا حق ہے میرے جذبات سے کھیلنے کا" وہ بے طرح چیخا۔ اس کی آنکھیں خون اگل رہی تھیں۔

مجھے چھوڑ دیجئے! وفا اس کی باہوں کے حصار سے تبر و آزما بے بس سی بولی۔

بنیل پر اس کی التجا کا کوئی اثر نہ ہوا۔

"مجھے چھوڑ دیجئے!" وفا پھر چلائی۔

"نہیں۔ ہرگز نہیں۔" بنیل غصّے سے بے قابو ہوگیا۔

"میں۔ ایسی بری حالت میں تمہیں صرف تمہیں، دیکھنے کو ہر ایک کی نصیحت ٹھکرا کے یہاں چلا آیا اور تم ــــ" وہ رکا "اور تم نے پلٹ کر میرا حال تک نہ پوچھا۔

وفا سسکنے لگی۔

بتاؤ مجھے کس جرم کی سزا دی ان دنوں؟ اب مجھ پر تمہارے ان آنسوؤں کا بھی کوئی اثر نہ ہوگا۔ بہت دیر ان میں ڈوبا رہا۔" بنیل بے دردی سے بولا، گرفت کچھ اور سخت ہوگئی وفا نے بولنا چاہا لیکن الفاظ ساتھ نہ دے سکے۔ آنکھیں پتھرا سی گئیں اور پھر ایک دم سے بنیل چونکا۔ وفا بے ہوش ہو چکی تھی۔ گھبرا کے بانہیں کھولیں تو جھول سی گئی۔

"وفا۔!" اسے تھامتے ہوئے وہ گھبرا کے چلّایا اور پھر اسے بانہوں میں لے کے آہستگی سے پلنگ پر لٹا دیا۔ پانی لینے گیا تو اماں باورچی خانے میں نہ تھیں۔ پہلے گلاس ڈھونڈا۔ پھر پانی لیا۔ واپس آیا تو وفا اسی طرح بے سُدھ پڑی تھی۔

"وفا۔!" اس نے پانی سے اس کے ہونٹ تر کیے۔ کچھ پانی آنکھوں پر ڈالا۔ ذرا دیر بعد وفا نے کسمسا کے آنکھیں کھول دیں۔

"لو پانی پی لو ــ" بنیل دل ہی دل میں خدا کا شکر بجا لاتے ہوئے بولا۔

وفا چپ چاپ لیٹی رہی۔ بنیل نے ایک ہاتھ کے سہارے اس کا سر اوپر اٹھایا اور دوسرے ہاتھ سے گلاس ہونٹوں سے لگا دیا۔ پانی ہونٹوں سے لگتے ہی جانے وفا کو کیا ہوا۔ ایک دم سے ہی اس کا ہاتھ اور گلاس جھٹک کے تکیے پر گر گئی آنسو ایک تسلسل سے بہہ نکلے۔

"وفا!" بنیل اس پر جھکا ہوا پریشان سا بولا۔

"سنو تو۔ سنو تو۔"

لیکن وفا کچھ سننے کی بجائے چیخی۔

"چلے جائیے میرے کمرے سے۔ فوراً۔ ابھی۔ اسی وقت۔"

نبیل کے چہرے پر اداسی کی لہر چھا گئی۔ اس نے بے بسی سے وفا کو دیکھا اور پھر لٹا لٹا سا کمرے سے باہر نکل گیا۔

عفی، شیبی گھر آئے تو خوشی خوشی جوتے دکھانے کو وفا کے کمرے میں چیختے چلاتے گھس آئے۔ وفا پہلو کے بل منہ سر لپیٹے لحاف اوڑھے پڑی تھی۔

"ارے باجی سو گئی" عفی نے کہا۔

"چلو صبح دکھا دیں گے" شیبی پلٹتے ہوئے بولا۔

لبنہ نے بھی اسے سوتے پا کر جگانے کی کوشش نہیں کی۔ پچھلی کئی راتیں امتحان کی تیاری میں جاگ جاگ کر گزار دی تھیں اور اب شاید آنکھ لگ گئی ہو۔ لبنہ دبے پاؤں باہر نکل گئیں۔ اس رات وفا بڑی مشکل سے اگلے پرچے کی تیاری کر پائی۔ نہ ذہن ٹھکانے تھا نہ ہی آنکھیں ساتھ دینے پر آمادہ۔

امتحان ختم ہوا تو پکنک کا شور اٹھا۔ کاشف کا کہنا تھا کہ نبیل کے لئے تفریح اچھی رہے گی۔

نبیل نے بھی سوچا شاید وفا کو منانے کا کوئی طریقہ ہاتھ آجائے لیکن وفا نے رات ہی ایک سہیلی کی پارٹی میں شرکت کا بہانہ تراش لیا تھا۔ صبح بھی ضد سی بنی پڑی رہی۔ اسے نبیل پر سخت غصہ آرہا تھا۔ کتنا قریب تھا اس کے دل کے اور اب ـــ وفا رو دی ـــ ایسی بری حرکت کی تو مجھے ان سے کبھی توقع نہ تھی۔ کیسے میرے

مندر بیں بھی موتی پاش پاش کر دی۔ سارا دن بور گیا۔ دوپہر بھی کچھ نہ کھا سکی۔ حلق میں کچھ اٹکتا سا محسوس ہوتا۔ لیٹے لیٹے ایسی سستی چھائی کہ کہیں جانے کو دل نہ چاہا۔ لیکن نسیمہ کی تسلی کو جانا ہی پڑا اور جب رات سمے لوٹی تو عفی نیٹسی ڈرائنگ روم میں اچھل کود کر رہے تھے۔ سیدھی وہیں چلی گئی۔ بنیل بھی ایک صوفہ میں دھنسا بیٹھا تھا۔ وہ تو نہ آ رہا تھا۔ لیکن کاشف نے زبردستی جاتے کیا سوچ کر نسیمہ اور بچوں کو چھوڑنے کے لئے بھیجدیا اور خود نوشابہ کے ساتھ گھر پر اتر گیا۔

وفا کمرے میں داخل ہوئی تو عفی، نیٹسی لپک کر اس سے لپٹ گئے۔

" باجی ــــ!"

" باجی ـــ!"

بنیل نے تھکی سی نگاہ وفا پر ڈالی۔ گہرے تاریخی کپڑوں پر سیاہ کوٹ پہنے ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ لئے کتنی خوب صورت لگ رہی تھی۔ وہ اس کے ناروا رویے کو بھول کر ایک ٹک دیکھے چلا گیا۔ وفا نے ان گرم نگاہوں سے خود کو بچانے کے لئے رخ موڑ لیا اور بنیل اپنے چہرے پہ پھیلے تاریک سایوں کو جھٹکتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

" اچھا امی! اب اجازت!"

" بیٹھو بیٹا۔ کھانا کھا کے جانا۔"

نسیمہ نے اسے روکنا چاہا۔

" نہیں ــ امی بھوک تو بالکل نہیں ــ"

وہ افسردہ لہجے میں بولا۔ پھر عفی نیٹسی اس سے جلد آنے کا وعدہ لینے لگے جاتے

جاتے وہ وفا کے قریب سے یوں روٹھا روٹھا سا گزرا کہ وفا کے ہونٹوں پر خواہ مخواہ ہی ہنسی مچل گئی۔ وہ بھی اس کے پیچھے پیچھے نکل آئی۔ بنیل نے سوچا اب منانے لگی تو کبھی نہ مانوں گا۔ پکارے تو ذرا۔ لیکن برآمدے کے موڑ پر جب بنیل سیڑھیاں اترنے لگا تو وفا — وفا اپنے کمرے کی طرف مڑ گئی۔ بنیل سن سا ہو کے رہ گیا۔

"وفا — او بے وفا — میں نے بھول کر بھی نہ سوچا تھا"

رمضان کا مہینہ پر لگا کے اڑے چلا جا رہا تھا۔ عید بہت نزدیک آ چکی تھی۔
بسمہ اور وفا عید کی تیاریوں میں مصروف تھیں۔ نوید بھی آنے والا تھا اور اعجاز الحسن بھی۔ عفی، شیبی کے ساتھ وفا کے کپڑے بھی سِل کے آ چکے تھے۔ وفا نے تو امی کو روک دیا تھا لیکن ان کے نزدیک وفا ابھی تک ننھی منی گڑیا تھی۔ پیار سے ڈانٹ دیا۔

"خبردار! جو کبھی مجھے کپڑے سلوانے سے منع کیا؟"

"امی! اب تو میں اتنی بڑی ہو گئی ہوں۔ عید چھوٹے بچوں کی ہوتی ہے۔" وفا جھینپ کے بولی۔

"تو بھی تو میری ننھی منی گڑیا ہے نا۔" بسمہ نے پیار سے بیٹی کی پیشانی چوم لی۔
اعجاز الحسن اگلے دن آنے والے تھے۔ گھر بھر ان کی آمد کا مشتاق تھا۔

ہر چیز بدلی بدلی اور نئی نئی سی لگ رہی تھی۔ عفی، شیبی تو دیوانے سے ہوئے پھر رہے تھے۔ وفا بھی کم خوش نہ تھی۔ بس خوشی پر قابو پانا جانتی تھی۔

خدا خدا کر کے دوسرا دن آیا۔ وفا بھی کپڑے استری کر رہی تھی۔ بسمہ اماں کے ساتھ باورچی خانے میں تھیں۔ ایک دم سے عفی، شیبی چیختے ہوئے آئے۔

" لالہ آ گئے ۔ لالہ آ گئے۔" وفا استری وہیں چھوڑ چھاڑ پاگلوں کی طرح باہر کی طرف بھاگی۔ نوید، عفی اور شیبی کے درمیان گھرا کھڑا تھا۔ وفا کو دیکھا تو دونوں کو ہٹاتے ہوئے اس سے لپٹ گیا۔

" میرے بھیا!" وفا نے اس کی پیشانی چوم لی۔

بسمہ بھی شور سن کر پہنچ گئی تھیں۔ بیٹے کو سینے سے لگاتے ہوئے ان کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو جھلملانے لگے۔

" بغیر اطلاع کے ہی چلے آئے بیٹا!" وہ پیار سے بولیں۔

" ہاں امّی! نوید ذرا سا مسکرایا۔

" میں نے سوچا ذرا مزہ ہی رہے گا۔"

پھر شیبی کی طرف متوجہ ہوا۔

" کیوں دوست! عفی سے اب جھگڑا تو نہیں ہوتا؟"

" آپ کے پیچھے تو نہیں لیکن۔" شیبی اپنی تارا سی آنکھیں چمکاتے ہوئے بولا۔

" لیکن ۔ اب شاید ہو جائے۔"

" وہ کیوں ۔۔۔ ؟" نوید حیران سا بولا۔

آپ جو آ گئے ہیں صلح کرنے والے!" شیبی کی بجائے عفی نے جواب دیا۔

"دیکھئے امی! میری غیر موجودگی میں یہ دونوں کتنے شریر ہو گئے ہیں۔" نوید ہنس دیا۔

"چلو آؤ بھیا! اندر چلیں۔ سفر سے تھکے آئے ہو۔"

وفا نوید کا ہاتھ تھامتے ہوئے بولی۔

"ہاں! آپ چلئے لالہ! ہم بھی آپ کا اٹیچی کیس لئے پیچھے پیچھے آتے ہیں۔" شیبی ایک طرف پڑے اٹیچی کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔

"لیکن مزدوری نہیں ملے گی۔" نوید نے ہنستے ہوئے کہا۔

اور وفا پیار سے بولی۔

"سچ نوید! تمہاری غیر موجودگی میں ہم کبھی اتنا لطف اندوز نہیں ہوئے تھے۔"

اوہ! نوید مسکرا دیا۔

"کیا کاشف بھائی نہیں آئے تھے میرے پیچھے۔؟"

"آئے تھے — لیکن تمہارا ساتھ ہو تو وہ بھی ہنساتے ہیں — ورنہ —"

"ورنہ کیا —؟"

"تمہیں یاد کرتے ہیں۔"

"بتیں بھائی کبھی آئے —؟"

"ہاں۔" وفا کا رنگ بدل سا گیا۔ "ایک دو دفعہ آئے تھے تمہارے بعد۔"

"اور پھر وہ دونوں پاس بھی تو ہو گئے ہیں نوید!"

"سچ —!"

"ہاں — ہاں —"

"پھر تو زبردست قسم کی پارٹیاں لوں گا۔"

سارا دن باتوں میں کٹا۔ نوید سب کے درمیان بیٹھا مزے دار لطیفے سناتا رہا۔ ہنستا اور ہنساتا رہا۔ دن کا پتہ ہی نہ چلا کہ کب بیت گیا۔

روزہ افطار کر کے وہ اعجاز الحسن کو لینے ایرپورٹ چلے گئے۔ اعجاز الحسن ان سب کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ نوید، عفی، شیبی کا حال پوچھا۔ پھر پیار سے وفا کے شانے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے بولے۔

"ہماری وفا بیٹی کیسی ہیں؟"

"میں تو ٹھیک ہوں ابوجی! آپ اپنی طبیعت کے بارے میں کہیئے!" وہ انکے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولی۔

"دیکھ ہی رہی ہو۔ بس اللہ کا فضل ہے۔"

لیکن وفا اللہ کے اس فضل کو بخوبی جانتی تھی۔ ابھی گرمیوں میں ہی تو اس نے ابوجی کو دیکھا تھا ایسے تندرست وتوانا ــ اور اب تو اتنے کمزور ہو گئے تھے ــ کہ ــ وفا نے جلدی سے ابوجی کا ہاتھ تھام لیا۔

"آپ نے جہاز میں روزہ افطار کیا تھا ابوجی!" اس نے بات بدل کے جلدی سے کہا۔

"ہاں بیٹے!" وہ شفقت سے بولے۔

گھر لوٹ کے وفا باورچی خانے میں گھس گئی۔ اماں کے ساتھ کھانا گرم کیا اور پھر ایک مدت بعد پورے کنبے نے مل کر ایک ساتھ کھایا۔ عفی، شیبی اعجاز الحسن کے دائیں بائیں بیٹھے میٹھی میٹھی باتیں کر رہے تھے۔ بسمہ ان کے سامنے بیٹھیں مسکرا رہی تھیں۔ نوید اور وفا ساتھ ساتھ بیٹھے بڑے مسرور تھے۔ وفا کبھی کچھ، کبھی کچھ نوید کی پلیٹ میں ڈالتی۔

"جان بناؤ بھیّا جان!؟"

"میں تو جان بنالوں گا باجی۔ !" نوید کباب لیتے ہوئے بولا۔

"لیکن یہ ۔ آپ کی جان کو کیا ہوا؟"

"کیا ہوا؟" وفا ایک دم سے گھبرا کے بولی۔

اتنی پھیکی پھیکی سی رنگت۔ تھکا تھکا سا چہرہ اور ہر وقت کسی کے انتظار میں کھوئی ہوئی آنکھیں۔" نوید اس کے قریب جھکتا ہوا آہستہ سے بولا۔

"توبہ نوید! تم ایسے بے باک پہلے تو کبھی نہ تھے۔" وفا اپنی پلیٹ پر جھکتے ہوئے بولی۔

"بیباک تو نہیں باجی! لیکن۔" اس نے گلاس میں سے پانی انڈیلتے ہوئے شوخ نظروں سے اسے دیکھا۔ "دو آنکھیں تو ضرور رکھتا ہوں۔"

"چلو! ۔ چلو! کھانا کھاؤ۔" وفا نے اسے ٹوک دیا۔

نوید تو کھانے میں پھر سے مصروف ہو گیا۔ لیکن وفا سے ایک بھی نوالہ نہ اُٹھ سکا۔ کرسی گھسیٹ کے اٹھنے لگی تو لبنیٰ نے سر اٹھایا۔

"کہاں چلیں وفا؟"

"امی ذرا چائے کا پانی دیکھ آؤں۔"

"کھانا تو کھالو۔"

"کھالیا ۔"

"اتنی جلدی ۔"

لبنیٰ نے حیران ہو کے پوچھا۔ نوید ہونٹ دبا کے مسکراتا رہا۔ وفا خاموش کھڑی رہی۔

"ادھر آؤ بیٹی میرے قریب!" اعجاز الحسن پہلی بار بولے۔

وفا کچھ کہے بغیر اس کے پاس چلی آئی۔ اعجاز الحسن نے علی کو اگلی کرسی پر کھسکایا اور وفا ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"اچھا بیٹی! یہ بتاؤ تم نے ڈرائٹنگ کب سے شروع کر دی؟" اعجاز الحسن مسکراتے ہوئے بولے۔

"میں بھلا کیوں ڈائٹنگ کرنے لگی ابو جی!" وفا آہستگی سے بولی۔

"پھر یہ دو نوالے لینا کیا ہے؟" اعجاز الحسن اب سنجیدہ ہو چکے تھے۔

"ڈائٹنگ کے ہی تو مترادف ہے۔"

وفا نے کچھ نہیں کہا۔ بس سر جھکائے بیٹھی رہی۔ دل ہی دل میں نوید کو کوس رہی تھی۔ نہ ایسی باتیں کرتا اور نہ ہی کھانے سے ہاتھ روکتی۔

نوید نے اسے یوں ہتھیار ڈالے دیکھا تو بڑی شوخی سے بولا۔

"آج کل ہی باجی کچھ کم کم کھانے لگی ہیں ورنہ پہلے تو کافی خوش خوراک تھیں۔"

وفا ایک دم گھبرا گئی۔ کیسا نالائق ہو گیا ہے نوید۔ اس نے سر اٹھا کے نوید کو گھورا لیکن وہ کمال بے نیازی سے اپنی پلیٹ پر جھکا تھا۔

"کیوں بیٹی۔ کیا ہوا ہے تمہیں، کہیں کچھ بیمار تو نہیں ہو؟"

کتنے فکر مند ہو گئے تھے اعجاز الحسن۔

"نہیں ابو جی! نوید مذاق کر رہا ہے۔" وفا نے جلدی سے جواب دیا۔

"مذاق، خواہ مخواہ ہی۔" نوید کو جانے آج کیا ہو گیا تھا۔

"آپ خود ہی آئینے میں اپنا حلیہ ملاحظہ کیجئے۔"

وفا کو نوید پر غصہ آگیا۔ کرسی پیچھے کھسکاتے ہوئے کھڑی ہو گئی۔

"باجی ناراض ہوگئیں اللہ!"

شیبی جلدی سے بولا۔

"میں ناراض ہونے دیتی ہوں اپنی بیٹی کو" بسمہ نے پیار سے وفا کو تھام لیا۔ وفا کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔

"نوید! تم خواہ مخواہ میری بیٹی کے پیچھے نہ پڑا کرو۔"

بسمہ کی ڈانٹ میں پیار بھری فہمائش تھی۔ نوید نے سر جھکا لیا اور اعجاز الحسن مسکرا دیئے۔

رات چائے کے بعد وفا سونے کے لئے کمرے میں چلی آئی تو نوید بھی پیچھے پیچھے چلا آیا۔ وفا نے ذرا دھیان نہیں دیا۔ بستر ٹھیک کرنے لگی۔ نوید چپ چاپ کھڑا رہا۔ اسے بہن کے روٹھنے پر پیار آرہا تھا۔ جب وفا بتی بجھانے کو بڑھی تو اس نے جھپٹ کے وفا کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"باجی!"

"جاؤ نوید! مجھے نیند آرہی ہے۔"

وفا نے ہاتھ چھڑاتے ہوئے کہا۔

"جب تک آپ میرا قصور معاف نہ کریں گی میں نہیں جاؤں گا۔"

نوید ضد کرتے ہوئے بولا۔

"تمہارا قصور ہی کیا تھا جو معافی مانگ رہے ہو۔" وفا پلٹ کر پلنگ پر بیٹھتے ہوئے بولی

"ہے نا۔ جو آپ ایسی بے مروتی سے پیش آرہی ہیں۔" نوید سنجیدگی سے بولا۔

"پیج ۔ معاف کر دیں۔ ورنہ میں رو دوں گا۔"
نوید کا لہجہ ایسا خنک تھا کہ وفا جلدی سے اٹھی اور بھائی کا چہرہ ہاتھوں میں لیتے ہوئے انتہائی پیار سے بولی۔
نوید! تم اپنی باجی سے ایسی باتیں کرو گے مجھے امید نہ تھی۔ پگلے! میں اور تم سے خفا۔ نا لائق" اس نے پیار سے نوید کی پیشانی چوم لی۔
"کبھی نہ سوچنا کہ تم سے خفا بھی ہو سکتی ہوں"
"میری باجی ۔۔" نوید پیار سے بولا۔ آپ تو اتنی اچھی ہیں۔ وہ تو ۔۔ وہ تو بنیل بھائی ہی ایسے برے ہیں کہ ہماری باجی کو نظر لگا کے چلے گئے"
"نوید!" وفا چلائی۔
"پھر وہی باتیں کرنے لگے"
"باجی!" نوید وفا کے شانے دباتے ہوئے بڑی ذمہ داری سے بولا۔
"یاد رکھئے۔ میں صرف آپ کا بھائی ہی نہیں۔ دوست بھی ہوں"
"یوں جھکا جھکا شفیق سا نوید اسے اتنا اچھا لگا کہ وہ اسے اک ٹک تکے گئی۔
"اپنے بھائی کو نظر نہ لگا دیجئے گا" وہ خوشدلی سے مسکرایا۔
"اچھا خدا حافظ اور شب بخیر" نوید پردہ اٹھا کے چلا گیا اور وفا بے دم سی تکیے پر گر گئی۔
بنیل سے اس کی لڑائی تھی۔ اسے اس کی وہ اضطراری حرکت بری لگی تھی مگر اس کے خیال یاد اور پیار نے ایسا بے حال کر دیا تھا کہ اسے اپنے جذبات پر بھی قابو نہ رہا۔

کتنی تھک گئی ہوں اس کے تصور سے پیچھا چھڑاتے چھڑاتے۔ لیکن وہ تو میری رگ رگ میں سما کے رہ گیا ہے۔ کیسی بے بس اور بے دم ہو رہی ہوں۔ کاش یہ ذہن یہ دل اپنے بس میں ہوتے۔" وہ سوچتی رہی۔ سوچتی رہی۔

اور پھر نہ جانے کس وقت کروٹیں بدلتے بدلتے بن سمجھائے بغیر خود سے الجھتی الجھتی نیند کی وادی اترتی چلی گئی۔

اعجاز الحسن، نوید اور شیبی عید کی نماز پڑھنے جا چکے تھے۔ مُنی ریشمی پاجامہ فراک پر نیا سوئٹر پہنے اپنی گڑیا کے بناؤ سنگار میں مصروف تھی۔ نسیمہ بھی کپڑے بدل چکی تھیں اور وفا اپنے کمرے میں تیار ہو رہی تھی۔ کپڑے بدل کے وہ آئینے کے سامنے جا بیٹھی۔ گہرے سبز ریشم میں لپٹی منہ بند کلی سی لگ رہی تھی۔ لمبے سیاہ بالوں میں گھرا خوب صورت چہرہ اور چہرے پر پھیلی معصومیت ــــ وہ آپ ہی اپنا عکس دیکھ کے مبہوت سی رہ گئی۔ بال سنوار کے ایک دم سے اس کا خیال رات کاشف کے دیئے ہوئے پیکیٹ کی طرف چلا گیا۔

رات نوشابہ اور کاشف بچوں کو عیدی دینے آئے تھے۔ کسی کام سے وفا کمرے میں آئی تو کاشف بھی پیچھے پیچھے چلا آیا۔

"کیوں کاشف بھائی خیریت ــــ" وہ اسے اپنے پیچھے آتا دیکھ کے بولی۔

" ہاں ـــ ہاں ـــ اِدھر تو بالکل خیریت ہے۔ البتہ تمہاری خیریت دریافت کرنا چاہتا ہوں " وہ شوخی سے بولا۔

" یہ شوخی کس سلسلے میں دکھائی جارہی ہے ؟" وہ الماری میں سے کچھ نکالتے ہوئے بولی۔

" شوخی تو کوئی نہیں ۔ یہ ایک تحفہ ہے جو میں اپنی بہن کو عید کے موقع پر پہنچانا چاہتا ہوں ؟ کاشف کوٹ کی جیب سے ایک سبز رنگ کے کاغذ میں لپٹا چھوٹا سا ڈبہ نکالتے ہوئے بولا۔

" یہ آپ اُردو کیسی بولنے لگے ہیں بھیا ؟ وفا ذرا تعجب سے بولی ۔

تحفہ دیا جاتا ہے یا پہنچایا جاتا ہے ۔

" ارے ۔ تحفہ دیا جائے یا پہنچایا جائے ۔ ایک ہی بات ہے پھر تم جانتی ہو کہ لڑکیاں زبان دانی میں ماہر ہوتی ہیں۔ لڑکے بیچارے سیدھے سادے ۔" کاشف پیکیٹ وفا کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا ۔ وفا نے شکریہ کے ساتھ قبول کرلیا اور پھر اس کے ساتھ ہی چلی آئی ۔ رات ایسی تھکی تھکی سوئی کہ ڈبے کا خیال ہی نہ رہا ۔ اور اب جو تیار ہوتے سمے یاد آیا تو جلدی سے ادھر ادھر ڈبہ تلاش کیا ۔ میز کے کونے میں چیزوں تلے دبا پڑا تھا ۔ جلدی سے نکالا ۔ کاغذ اتار کے کھولا تو سبز چمچاتی کانچ کی چوڑیاں ایک ساتھ بج اٹھیں ۔ چوڑیاں نکالتے ہوئے ایک چھوٹا سا خاکی لفافہ بھی کھسکتا چلا آیا چوڑیوں کو بستر پر ڈال کے لفافے میں جھانکا تو کوئی تصویر معلوم ہوئی اور وہ تصویر ـــ تصویر گود میں ڈالے وہ سُن سی ہو کے رہ گئی ہونٹوں پر ایسی مدھر مسکان سجائے بنیل اسے گھورے چلے جارہا تھا ـــ اُوہ ! اس نے شرما کے تصویر پلٹ دی ۔

دوسری طرف کچھ لکھا تھا:

" وفا! اس تصویر کے ساتھ عید مناتے سے تمہیں اس گدھے کی ذرا بھی یاد آئے تو میرا ذمہ "

"تمہارا بھیا ۔ کاشف"

توبہ! حرفوں کے بنے ہوئے ہیں کاشف بھائی! ــــ وفا نے کسی کے آجانے کے ڈر سے تصویر دراز میں ڈال دی اور چوڑیاں پہننے لگی۔ چوڑیاں پہنتے پہنتے اس نے لمحہ بھر کے لئے سوچا۔

"کاش! یہ چوڑیاں بنیل کی طرف سے ہوتیں"

" نہیں ــ " ذہن جھلا اٹھا۔ تم کاہے کو اس کی چوڑیاں پہننے لگیں اور وفا نے دل کو تسلی دی۔ ہاں! وہ بھلا میرا لگتا ہی کیا ہے جو میں اس کی چوڑیاں پہننے لگوں پر وفا کا دل اس طفل تسلی سے نہیں بہلا۔ وہ تو بنیل سے کئی ایک رشتے گنوانے کو تلی بیٹھی تھی۔

"باجی!" عفی کی آواز نے اس کی مشکل حل کر دی اور وہ سوچوں کا دامن جھٹک کے باہر نکل آئی۔ تھوڑی دیر بعد اعجاز الحسن، نوید اور شیبی عید کی نماز پڑھ کے لوٹ آئے۔ اماں عید پر دو دن کے لئے اپنے گاؤں چلی گئی تھیں اس لئے نسیمہ اور وفا کھانے کے اہتمام میں لگ گئیں۔ رات جب نوشابہ اور کاشف آئے تھے تو اعجاز الحسن نے انہیں آج کے دن کے لئے مدعو کر لیا تھا۔ پھر نسیمہ کاشف کو اپنا بیٹا کہہ چکی تھیں تو اعجاز الحسن کو بھی وہ نوید اور شیبی سے کم نہ لگا۔ کاشف اور نوشابہ نے زیادہ انتظار نہیں کرایا جلدی ہی پہنچ گئے۔ نسیمہ انہیں مبارکباد دینے

اور عید ملنے کو باہر نکل آئیں۔ دھوپ میں کرسیاں بچھی تھیں۔ سب وہیں بیٹھ گئے۔ اعجاز الحسن کو کاشف کا انتظار تھا۔ وہ آیا تو بچوں میں عیدی تقسیم کی۔ کاشف سب کے لئے تحفے لایا تھا۔ وفا ابھی تک باورچی خانے میں تھی۔ وہ سب کو تحفے بانٹتا ہوا باورچی خانے میں جا پہنچا۔

" میں نے کہا عید مبارک"

" عید مبارک بھیا" وفا مسکراتے ہوئے بولی۔

" لائیے عیدی۔ صبح سے منتظر ہوں۔"

" عیدی تو ابا جی سے لے لو۔ ہاں یہ تحفہ میری طرف سے قبول کرو۔" وہ بڑا سا پیکٹ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔

" اور رات جو آپ نے دیا تھا تحفہ؟" وہ حیران حیران سی بولی

" رات۔ میں نے تو تمہیں کوئی تحفہ نہیں دیا۔" کاشف سنجیدگی سے بولا۔

" خواب میں کہیں بنیل نے کچھ دیا ہوگا؟"

" واہ!" وہ شرم سے سرخ ہوتے ہوئے بولی۔

" میں خواب اور حقیقت میں فرق نہیں کر سکتی بھلا۔ اور پھر دیکھئے —— یہ چوڑیاں۔" وفا نے چوڑیوں والی کلائی اس کے سامنے کر دی۔

" اور کیا تھا؟" کاشف متبسم سا بولا۔

" اور ——" وفا کی نظروں تلے بنیل کی تصویر گھوم گئی۔ منہ موڑتے ہوئے ذرا سختی سے بولی۔

" بتائیے نا یہ کیا حرکت ہے؟ میں کچھ بھی سمجھ نہیں پا رہی۔"

کاشف کھلکھلا کے ہنس دیا۔

" یہ تحفہ تو میری طرف سے ہے اور رات والا تمہارے اس گدھے کی طرف سے۔"

" کیا؟" وفا گھبرا کے پلٹی۔

" ہاں ۔ یہ جو چوڑیاں تم پہنے ہو۔ یہ تمہیں بنیل نے بھجوائی تھیں۔ دیکھو تمہاری کلائی میں بالکل فٹ آئی ہیں۔" کاشف مسکراتے ہوئے بولا

" آپ بہت بُرے ہیں کاشف بھائی! مجھے رات ہی کیوں نہ بتا دیا۔" پھر چوڑیاں توڑنے کو ہاتھ دبایا تو کاشف ایکدم سے گھبرا گیا۔

" وفا ایسا نہ کرنا۔ بنیل کے کتنی چاہت سے بھیجی ہیں۔ اس بے لوث چاہت کی ہی لاج رکھ لو۔"

" اوہ! نہیں کاشف بھائی! مجھے شرم آئے گی۔" وفا ہاتھوں میں منہ چھپاتے ہوئے بولی۔

شرم کس سے آئے گی۔ کسی کو کیا خبر کہ ان چوڑیوں کے ساتھ کسی بے چارے کا دل دھڑکتا ہے۔"

آپ بہت خراب ہیں کاشف بھائی! ذرا باورچی خانے سے باہر تشریف لے جائیں تو چائے لاؤں۔" وفا چائے کے برتن ٹرے میں رکھتے ہوئے بولی۔

" جاتا ہوں ۔ اب تم ان چوڑیوں سے سوال و جواب کرنا چاہتی ہو شاید!"

پھر رکا، مسکرایا اور سرگوشی کے انداز میں بولا ۔

" ویسے تمہاری عید خوب گزرے گی۔ یہ چوڑیاں گیت سنائیں گی اور تصویر دل بہلائے گی۔"

"کاشف بھائی!" وفا غصّے سے چلائی۔

لیکن کاشف باہر جا چکا تھا۔

وفا انگلیوں سے چوڑیاں اِدھر اُدھر پھیرنے لگی۔ جبھی سوچ رہی تھی کہ کاش یہ چوڑیاں بنیل کی طرف سے ہوتیں ـــ اور ـــ اب ـــ کیسی خوش کن کیفیت تھی۔ یہ چوڑیاں بنیل نے ہی تو بھیجی تھیں۔

بنیل نے یہ چوڑیاں اس کے لئے کتنی چاہت سے خرید کر بھیجی ہوں گی۔ وہ انھیں خریدتے سمے کیا کیا سوچ رہا ہوگا؟

وفا نے چوڑیوں والی کلائی رُخسار سے لگالی۔

وفا ایسی بے خود تھی تو اس سے سیکڑوں میل دور بنیل بھی بے حس سا ہوا جارہا تھا۔ عید کی نماز پڑھ کے آیا تو ماں کو سلام کرنے چلا گیا۔ دونوں بہنیں خوبصورت کپڑے پہنے ماں کے اردگرد بیٹھی تھیں۔ ابا جان بھی وہیں آگئے۔ پہلے گھر کے ملازموں کے لئے عیدی کی رقم نکال کے الگ رکھی۔ پھر بچوں کو عیدی دی۔ تینوں عیدی لے کے وہاں سے اُٹھ آئے۔

"اچھا دیدی بیبی! ذرا اجازت۔" بنیل انہیں لان میں بیٹھا چھوڑ کر بولا۔

"کیوں کہاں چل دیئے؟" دیدی نے پوچھا۔

"اپنے کمرے میں۔"

"کس لئے۔" بیبی حیرت سے بولی۔

"طبیعت کسلمندسی ہے۔ سوؤں گا۔" وہ سر کو کھجاتے ہوئے بولا۔

"بھیّا!" بیبی بھائی کے قریب آتے ہوئے بولی

"جب سے آپ کاشف بھائی سے مل کر آئے ہیں۔ بہت اداس اداس سے رہتے ہیں۔"

نہیں دیدی! غلط اندازہ لگایا ہے تم نے"۔ بنیل مسکرادیا۔

"نہیں بھیا! دیدی صحیح کہتی ہیں"۔ بینی نے بہن کی تائید کی۔

"تو تم دونوں نے مجھے ستانے کا مشترکہ معاہدہ کر رکھا ہے"۔ بنیل بینی کے رخسار تھپتھپاتے ہوئے بولا۔

"اس میں ستانے والی کونسی بات ہے۔ سچ سچ بتایئے آپ کے من میں کون چوری چھپے آن بسا"؟

بنیل کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"دیدی! تم ایسی غلط سلط باتیں مت سوچا کرو۔ یہ بدولت کے دل کا سنگھاسن خالی ہے"۔

خالی تو نہیں لگتا۔ خیر نہ بتایئے۔ کاشف بھائی کبھی آئیں تو ان سے اس بارے میں تفصیل سے گفتگو ہوگی"۔ دیدی واپس مڑتے ہوئے بولی۔

بنیل اپنے کمرے میں جا کے لیٹ گیا۔ خیال ہر بار روفا کی طرف ہی گیا۔ اس نے میری بھیجی ہوئی چوڑیاں بھلا کیوں پہنی ہوں گی۔ اس کی عید تو بڑی رنگین ہو گی۔ نوید بھی آیا ہو گا اور الوجی بھی۔ اور میں — میری عید پہلے تو کبھی ایسی پھیکی نہ گزری تھی۔

کاشف اور نوشابہ سارا دن ان کے درمیان گزار کے رات گئے واپس ہوئے سارا دن گھر میں بند رہے تھے اس لئے اعجاز الحق کے کہنے پر سب نوشابہ اور کاشف کو گھر تک پہنچانے گئے۔ ٹھنڈ خاصی تھی۔ لیکن چلنا بہت اچھا لگا۔ پھر جب واپس

لوٹے تو رات کافی گہری ہو چلی تھی۔ سب اپنے اپنے کمرے میں سونے کو چل دیئے۔

وفا کمرے میں آئی تو بہت تھک چکی تھی۔ کتنی دیر یونہی کپڑے بدلے بغیر لیٹی رہی۔ باہر کہیں بارہ کا گجر بجا۔ تو چونک اٹھی۔ سوئی سوئی آنکھوں کو رگڑا۔ چوڑیاں ایک ساتھ جھنجھنا اٹھیں۔ دھیان بنیل کی طرف چلا گیا۔ جانے ان کی عید کیسی گزری ہوگی۔ دل نے کہا ایک بار بنیل کی تصویر دیکھ لو۔ وہ چپ چاپ اٹھی۔ دروازہ کھولا۔ سامنے ہی بنیل ہونٹوں پر مسکرا ہٹ سجائے گھور رہا تھا۔ اس نے جلدی سے دروازہ بند کر دیا اور کپڑے بدل کے بستر میں دراز ہو گئی۔ لیکن فکر پریشان تو بنیل کی طرف ہی لگی تھی۔

" بنیل! تمہیں آنے تو نہ آؤ۔ لیکن اس دل کو تو سمجھاتے جاؤ۔" وہ بے بس سی رو دی۔ اور نیند کی مہربان دیوی نے کچھ دیر بعد اسے اپنی بانہوں میں لے کر بنیل کے پاس پہنچا دیا۔

کاشف کی منگنی کی بات چل رہی تھی۔ نوشابہ اور نسیمہ بیسیوں لڑکیاں اس سلسلے میں دیکھ چکی تھی۔ وہ چاند سی بہو کا تصور تھا۔ ایسا اونچا۔ ایسا اونچا کہ ہر روز کسی نئی لڑکی کی تلاش۔ وفا کاشف کو چھیڑتی۔

"دیکھئے" کاشف بھائی! آپ کا جوڑ مل ہی نہیں رہا ہے۔ تمہیں تو تمہارا چاند تلاش کئے بغیر ہی مل گیا۔" کاشف کونسا کم تھا۔ پٹ سے ایسا جواب دیتا کہ وفا کو ایک لمحہ بھی ٹھہرنا مشکل ہو جاتا۔

دن رات کے چکر رنگ لائے۔ نظر انتخاب سدرا پر پڑی۔ بس نوشابہ کو پہلی ہی نظر میں کچھ ایسی بھا گئی کہ منگنی کی تاریخ مقرر کئے بغیر وہاں سے ملی ہی نہیں۔

"اب مٹھائی کھلائیے کاشف بھائی!" وفا مسکرا کے بولی۔

"آپ کا چاند زمین تک بخیریت پہنچ گیا ہے۔"

"ضرور۔ جی بھر کے کھانا۔ منگنی والے دن سب مٹھائی تمہارے قبضے میں ہوگی"
کاشف خوش دلی سے مسکرایا "اور ہاں! تمہارے اس گدھے کو بھی منگنی پر بلوایا جائے یا —" کاشف نے بات ادھوری چھوڑ دی۔
"آپ کی مرضی — میرا کیا تعلق —" وفا آہستگی سے بولی۔
"تو تمہارا اس سے کوئی تعلق نہیں —" کاشف حیرت زدہ سا بولا۔ وفا چپ چاپ سی کھڑی رہی۔
"بتاؤ نا وفا! یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟" کاشف اسے جھنجھوڑتے ہوئے بولا۔
"چھوڑیئے کاشف بھائی۔ میں نے کچھ غلط تو نہیں کہا؟" وفا ایک دم سے ہی اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اور کاشف حیران سا کھڑا اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ اس کے خیال میں بنیل تو وفا کے بارے میں کافی سنجیدہ ہو چکا تھا۔ اور وفا — جانے وفا کو کیا ہو گیا ہے۔ پھر اسے یاد آیا — کہ بنیل صحت ہو کے سب کو پکنک پارٹی پر لے گیا تھا۔ تو وفا نے بڑی سختی سے جانے سے انکار کر دیا تھا اور دوسرے دن بنیل چپ چاپ واپس لوٹ گیا تھا۔ لیکن — وفا نے بنیل کی چوڑیاں کیوں پہن لی تھیں — شاید بھائی کا تحفہ سمجھ کر ——— ہاں — وہ تو انہیں توڑنے پر آمادہ تھی — اور اگر میں اسے منع کرتا تو وہ انہیں توڑنے سے کبھی جو دریغ کرتی۔ گھر جا کے بھی کاشف اسی ادھیڑ بن میں گرفتار رہا کہ ملازم نے بنیل کی آمد کی خبر دی۔ کاشف کی ساری فکر دور ہو گئی۔ ایک دم ہی وہ اس کے ساتھ مل کے وفا کو راہ راست پر لانے کا عہد کر چکا تھا۔
اگلے دن کالج سے جلدی چھٹی ہو گئی۔ وفا نے وقت غنیمت جانا اور نہا دھو کے عفی تیلی کی پڑھائی کا جائزہ لینے لگی۔ سردی زوروں پر تھی۔ دھوپ میں بیٹھنے کے باوجود جسم

سروی چھوڑنے پر آمادہ نہ تھا۔ دھوپ ڈھلنے لگی تو شیبی، عفی کو رہائی ملی۔

"سنو شیبی!" وفا نے جاتے ہوئے شیبی کو پکارا۔

"جی باجی!" وہ دور کھڑے کھڑے بولا۔

"ذرا آج کا اخبار ـــ" ابھی وہ بات بھی پوری نہ کرنے پائی تھی کہ عفی چیختے ہوئے لپکی۔

"کاشف بھائی ـــ کاشف بھائی ـــ"

پھر کہاں شیبی میاں اور کہاں کتابیں۔ وفا بھی جلدی سے کاشف کی طرف بڑھی۔

"آج کل بہت مصروف ہوں گے میرے بھیا۔" وہ کاشف کے ساتھ اندر جاتے ہوئے بولی۔

"ظاہر ہے مایدولت کی منگنی ہے۔ مصروفیت تو آپ ہی آپ ہوگی۔" کاشف مسکراتے ہوئے بولا۔ سامنے سے لبیہ آرہی تھیں۔

"نوشابہ بہن کیوں نہ آئیں کاشف۔" وہ کاشف کے سلام کا جواب دیتے ہوئے بولیں۔

"گھر پر مصروف تھیں اور خالہ جان۔" وہ لبیہ کے پیچھے پیچھے ڈرائینگ روم میں داخل ہوتے ہوئے بولا۔

"امی نے وفا کو بلوایا ہے۔"

"کیوں؟" وفا بال سمیٹتے ہوئے بولی۔

"یہی کوئی کام ہوگا۔ اب میں کیا جانوں؟" وہ دھم سے کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"اچھا چلو چائے پی لو۔ وفا تم جاؤ کپڑے بدل آؤ۔" لبیہ وفا سے مخاطب

ہوئیں۔ کاشف بہت جلدی میں تھا بولا۔

"چائے پی کے آیا ہوں خالہ جان! — اور وفا — کوٹ پہن لو۔ کپڑے اچھے بھلے ہیں۔"

"نہیں بھیا —" وفا جاتے جاتے بولی۔ آپ چائے پیجئے میں پانچ منٹ میں آئی۔"

وفا جب تک کپڑے بدل کے آئی کاشف چائے سے فارغ ہو چکا تھا۔

"چلو!" وہ اسے آتے دیکھ کر بولا۔

"چائے نہ پی لوں بھیا!" وفا نے اجازت طلب نظروں سے کاشف کو دیکھا۔

"ارے وہاں جا کے پی لینا۔"

"پھر — یہ کوٹ تو پہن لوں —" وفا کوٹ پہنتے ہوئے بولی۔

"پہنتی چلی آؤ —" کاشف چلتے چلتے بولا۔

وفا نے جلدی کوٹ پہنا اور اس کے پیچھے پیچھے باہر نکل آئی۔ آس پاس کوئی سواری نہ ملی۔ دونوں پیدل ہی چلنے لگے۔ ابھی کچھ دور نہ گئے تھے کہ ایک کار قریب آکر رک گئی وفا نے چونک کر دیکھا۔ بنیل ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"ارے یار! تم کہاں — ؟" کاشف مسکرا کے بنیل کی طرف بڑھ گیا پھر وفا سے مخاطب ہوا۔

"آؤ وفا! مفت کی سواری مل گئی —"

وفا پہلے تو جھجکی — پھر پچھلا دروازہ کھول کے بیٹھ گئی۔ کاشف بنیل کے ساتھ بیٹھ گیا تھا۔ وفا خود میں ہی ڈوب گئی اور کاشف بنیل سے باتیں کرتا رہا۔ ایک جگہ بولا۔

"ذرا گاڑی ٹھہرانا یار ۔ مجھے بازار کچھ کام ہے ۔ تم وفا کو گھر لے جاؤ امی منتظر ہونگی۔"
وفا نے کار سے نیچے اترتے کاشف کو دیکھا اور ایک دم سے گھبرا کے بولی ۔
"کاشف بھائی ۔۔۔ میں ۔۔"
کاشف نے وفا کی بات پوری نہیں ہونے دی ۔ جلدی سے بولا ۔
تم فکر نہ کرو وفا ۔۔۔ یہ تمہیں گھر تک پہنچائے گا ۔ اغوا کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔"
پھر کار چلا دی ۔ کاشف کا گھر تو کوئی ایسا دور نہ تھا لیکن اتنا وقت گزر جانے کے باوجود کار بھاگے چلے جارہی تھی ۔ وفا چوکنی ہو گئی ۔ آس پاس دیہی آبادیاں پھیلی ہوئی تھیں ۔
اللہ ۔۔۔! یہ کہیں نبیل کا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا ۔
"نبیل ۔۔۔!" وہ ہمت کر کے بولی ۔ لیکن وہ ایسی سنجیدگی سے کار چلا رہا تھا کہ مڑ کے دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا ۔
"آپ بہرے ہیں کیا ۔۔ ؟" وفا چلائی ۔
نبیل نے اب گردن موڑ کے دیکھا اور کمال بے نیازی سے بولا ۔
"کیا ہوا ؟" وفا کو اس کی بے نیازی پر غصہ تو بہت آیا ۔ لیکن ضبط کرتے ہوئے بولی ۔
"کہاں جا رہے ہیں آپ ۔۔ ؟"
"اپنے گھر ۔۔"
وفا لرز اٹھی
"کیوں ۔۔ ؟"
"میری بہنیں تمہیں دیکھنا چاہتی ہیں ۔"

" وفا سارے آداب بھول گئی" آپ پاگل تو نہیں ہو گئے۔ واپس چلیئے۔ ورنہ — "

" ورنہ کیا — ؟" وہ آئینے میں غصّے سے بل کھاتی وفا کو دیکھتے ہوئے ہونٹ دبا کے بولا۔

" میں اپنا سر پھوڑ لوں گی — " وہ بے بسی سے بولی۔

تھوڑی دیر خاموشی رہی۔ پھر بنیل گھوم کے بولا۔

" میں منتظر ہوں — سر پھوڑ دیئے۔"

لیکن وفا — رو رہی تھی — آنسو لگاتار رخساروں پر بہے چلے جارہے تھے۔

" ارے!" بنیل نے کار روک لی "تم رونے لگیں وفا —!" وہ دروازہ کھول کے پچھلی سیٹ کی طرف آگیا۔

" پگلی! مذاق کو سچ سمجھ لیا" وہ اس کے رخساروں پر پھیلتے آنسوؤں کو انگلیوں سے گراتے ہوئے بولا۔

" مذاق —" وفا رندھی سی آواز میں بولی۔

" ایسے مذاق میرے ساتھ کرنے کا مطلب؟"

" کیوں!؟" بنیل اس کا چہرہ اونچا کرتے ہوئے بولا۔

" کیا مجھے مذاق کا بھی حق نہیں؟"

وفا نے آنکھیں اوپر اٹھائیں اور بنیل کی آنکھوں میں لمحہ بھر کر جھانکا۔ ایسی اپنائیت اور پیار — کہ اس نے شرما کر اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا لیا۔

"اب کیا ہوا؟" بنیل متبسم سا بولا۔

"واپس چلیئے: خالہ جان انتظار کر رہی ہوں گی"۔ وہ پھنسی پھنسی سی آواز میں بولی۔

"واپس چلیئے"۔ بنیل نے اس کی نقل اتاری۔ "ابھی تو دریا کنارے جانا ہے"۔ کار پھر سے چلدی۔ وفا سر جھکائے خاموش بیٹھی رہی اور بنیل آئینے میں اسے دیکھتا چلا گیا۔ پھر دریا کے کنارے کار روکتے ہوئے اتر کر پچھلا دروازہ کھولنے لگا۔

"آؤ وفا! باہر نکلو۔!"

وفا جانتی تھی۔ انکار بے معنی ہوگا۔ کار سے اتر آئی۔ وہ دونوں پہلو بہ پہلو چلتے ہے بے خیالی میں دور تک نکل گئے۔ وفا تھک گئی تو ایک پتھر پر بیٹھ گئی۔

"بس — تھک گئیں —" بنیل بھی قریب بیٹھتے ہوئے بولا۔

"بہت دیر ہوگئی — واپس چلیئے —" وفا اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے بولی۔

"ابھی نہیں۔ غروب آفتاب کا نظارہ یہاں پر بہت دلفریب ہوتا ہے۔" بنیل اس کے شفق رنگ چہرے پر نگاہیں جماتے ہوئے بولا۔

"پتہ نہیں آپ یہاں کیوں آئے ہیں"۔ وفا بے چین سی بولی۔

"باتیں کرنے کو —!"

"باتیں تو گھر بھی ہو سکتی تھیں"۔

"تو یہ گھر تو تم دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتیں ان دنوں — حالانکہ —" بنیل بولتے بولتے رک گیا۔ وفا نے کنکھیوں سے اسے دیکھا۔ اس کے چہرے پر دکھ کی پرچھائیاں ڈول رہی تھیں۔ وفا نے سر جھکا لیا۔

"حالانکہ ۔۔۔ میرا جرم کوئی ایسا سنگین نہیں تھا؟" اس نے بات پوری کر کے وفا کو دیکھا۔ سفید لٹھے کی شلوار، پھولدار کاٹن کی قمیض پر نیا تنا دوپٹہ پہنے سادگی کی تصویر لگ رہی تھی کوٹ کے الٹے ہوئے کالروں کے درمیان سفید خوب صورت معصوم سا چہرہ چودھویں کے چاند سے بھی بڑھ کر روشن تھا۔ بنیل بے خود سا ہو کے گھٹنوں کے بل اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ اور اس کا چہرہ ہاتھوں میں تھام لیا۔

"وفا! کیا میرا جرم بہت سنگین تھا۔"

وفا نے نظریں جھکا لیں، کچھ نہیں بولی۔

"بتاؤ نا وفا؟" بنیل نے دھیمی آواز میں پھر پوچھا۔

"مجھے نہیں پتہ۔" وفا کانپتی ہوئی آواز میں بولی۔

"پھر ایسی سزا کیوں دی ۔۔۔ اتنے دن میں نے ایسی اذیت میں گزارے ہیں کہ موت بھی مجھ سے ڈر کے رہ گئی۔" وہ مدہوش سا بول رہا تھا۔

"اوہ!" وفا کانپ کے رہ گئی۔ "ایسی باتیں نہ کیجئے۔" وفا جلدی سے بولی۔

"مر بھی جاتا ۔۔۔ تو تمہیں کیا فرق پڑتا ۔" بنیل اب شوخ سا ہو چلا تھا۔

وفا نے جلدی سے اپنا ہاتھ اس کے منہ پر رکھ دیا۔ ایک دم سے چوڑیاں کھنک اٹھیں۔ بنیل نے ہاتھ تھام کے اپنا سر وفا کی گود میں ڈال دیا اور پھر چوڑیوں والی کلائی اپنی آنکھوں پر رکھ دی۔ وفا کسمائی۔

مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔

"تمہیں پسند آئیں یہ چوڑیاں ۔۔۔"

"نہیں ۔۔۔"

"پھر پہن کیوں رکھی ہیں۔"

"کسی کا دل رکھنے کو۔"

"میں توڑنے لگا ہوں۔"

وفا نے جلدی سے ہاتھ کھینچ لیا۔

"خبردار۔! جو میری ایک بھی چوڑی توڑی۔"

"کیوں بڑی عزیز ہیں تمہیں۔" بنیل شرارت سے بولا۔

"ہاں۔"

"مجھ سے بھی زیادہ۔"

"اپنی جان سے بھی زیادہ۔" وفا اس کی آنکھوں پہ ہاتھ رکھتے ہوئے بولی۔

بنیل خوشی سے جھوم اٹھا۔

"سچ وفا۔!"

"آپ کے کان بہرے ہیں شاید۔" وہ جھینپ کے بولی۔

"اب سر ہٹائیے واپس گھر چلیں بہت دیر ہو گئی۔"

"نہیں وفا۔ پہلے یہ تو بتاؤ مجھے معاف بھی کیا یا نہیں۔" بنیل سنجیدگی سے بولا۔

"آپ اپنی حرکت پر نادم ہیں!" وفا نے بھی سنجیدگی سے پوچھا۔

"بالکل نہیں وفا۔" بنیل جلدی سے بولا۔

"پھر کیسی معافی؟"

"معافی تو میں تمہاری خاطر مانگ رہا ہوں ورنہ وہ حرکت۔"

بنیل رکا پھر بولا۔

وہ حرکت میرے نزدیک کوئی جرم نہ تھا۔ دراصل میں تمہیں خود سے جدا تصور ہی نہیں کر پاتا ۔۔۔ وہ تو میری اضطراری حرکت تھی۔ میں شعوری طور پر بھی تمہیں اپنے میں مدغم پاتا ہوں۔"

پھر وفا کے آنچل سے کھیلتے ہوئے بڑے پیار سے بولا۔

"وفا! تم کبھی بھی میری محبت کو ہوس نہ سمجھنا ۔۔۔ تم قریب ہوتی ہو ۔۔۔ تو مجھے کچھ بھی ۔۔۔ سجھائی نہیں دیتا ۔۔۔ اور جب دور ہوتی ہو ۔۔۔ تو بھی تمہارا تصور میرا ساتھی ہوتا ہے ۔۔۔ اگر کبھی تم نے مجھ پر یا میری محبت پر شک کیا تو یہ خوب صورت سا سر توڑ دوں گا۔" وہ اس کا سر ہلاتے ہوئے بولا۔

"اچھا ۔۔۔ وقت آنے پر یہ حسرت بھی پوری کر لیجئے گا۔ فی الحال اپنا سر ہٹائیے۔" وہ اس کا سر اٹھاتے ہوئے بولی "اب چلیے!"

چلیئے ۔۔۔ چلیئے بیگم صاحبہ! کہیں آپ کا بھائی مابدولت کے خلاف تھانے میں رپٹ نہ لکھوا آئے۔"

بنیل کپڑے جھاڑتے ہوئے بولا

"آپ ہیں اس قابل ۔۔۔"

وفا آگے بڑھتے ہوئے شوخی سے بولی

"بڑا چہک چہک کے بول رہی ہیں۔ اگر پھر وہی حرکت کر بیٹھا۔ تو ۔۔۔ ؟"

وہ شرارت آمیز سنجیدگی سے بولا۔

"تو ۔۔۔"

وفا نے بنیل کے چہرے پر ایک نظر ڈالی اور قریب ہی بہتے

ہوئے دریا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

"دیکھئے ـــ یہ جو دریا ہولے ہولے بہہ رہا ہے۔ مجھے خود میں سمانے کے لئے کافی ہے۔"

"وفا!" بنیل نے گھبرا کے وفا کا بازو تھام لیا۔ خبردار جو ایسا کبھی سوچا بھی۔"

"بس ڈر گئے۔" وہ مسکرا کے بولی۔ لیکن بنیل سنجیدہ رہا۔ پھر اس کا سر اپنے سینے سے لگاتے ہوئے کھویا کھویا سا بولا۔

"اگر تم نے اپنے محافظ کو رہزن سمجھا تو یہ لہریں تم سے پہلے مجھے اپنے دامن میں پناہ دیں گی۔" کتنی دیر وہ یونہی بے خیالی میں اس کا سر سہلاتا رہا۔ پھر ہنستے ہوئے اس کا سر اپنے سینے سے ہٹاتے ہوئے کھویا کھویا سا بولا۔

"تمہیں کوئی بری حرکت تو نہیں کی میری۔"

وفا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ شرم آلود چہرہ جھکائے جھکائے کار کی طرف بڑھی۔

"یہ کار کس کی اڑا لائے؟" وفا اگلی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"اپنی ہے ـــ پاس ہونے پر ابا جان نے لے دی ہے۔"

پھر وفا کی طرف دیکھا۔

"تم نے تو کچھ بھی نہیں دیا مجھے ـ"

"کیا لیں گے آپ۔؟"

"تمہارا سچا اور بے لوث پیار ـــ"

بنیل دھیمی آواز میں بولا۔

وفا نے آنکھیں بنیل کی آنکھوں میں ڈال دیں۔ وہ سرشار ہو کر ڈرائیو کرنے

لگا۔ اسے ان آنکھوں میں سب کچھ نظر آگیا تھا۔ کیسا خوش تھا۔ اس کا پیارا نیچےدل
میں سمائے ہوئے، آنکھوں میں سجائے ہوئے اس کے کس قدر قریب بیٹھی تھی ——
آس پاس کا ماحول چکرانے لگا اور کار سرمئی سڑک پر تیزی سے دوڑتی چلی گئی۔

بنیل وفا کی ایک جھلک دیکھنے کو ترس گیا تھا۔ طرح طرح کی عورتوں کے درمیان سدرا کے پاس بیٹھی وفا کو دیکھنا جوئے شیر لانے سے کم نہ تھا۔ آتی دفعہ اس نے کتنی کوشش کی تھی کہ وہ اس کی کار میں بیٹھے ۔۔۔ لیکن کاشف نے یہ کہتے ہوئے اس کی کوشش ناکام بنا دی۔

"آج بھی میری بہن کو اغوا کرنے کا ارادہ ہے کیا؟"

اور کاشف کی بات سن کر وہ کھو سا گیا تھا۔ اس روز وفا کتنا ڈر رہی تھی واپسی پر باتوں میں وقت کا پتہ ہی نہ چلا تھا۔

"ہائے کاشف بھائی جانے کیا کہیں۔؟"

"وہ بھی اس شرارت میں پوری طرح شامل ہے۔" بنیل گھبرائی گھبرائی وفا کو دلچسپی سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"ہائے اللہ! آپ دونوں بہت خراب ہیں۔" وفا نے چہرہ ہاتھوں میں چھپالیا۔
گھر پہنچے تو کاشف اور نوشابہ منگنی میں بلائے جانے والے لوگوں کی فہرست دیکھ رہے تھے۔
"اب پہنچے تم لوگ خیریت تو گزری؟" کاشف بنیل کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔
"ہاں گزری تو خیریت ہی لیکن راستے میں ایکسیڈنٹ ہوگیا" بنیل متبسم سا بولا۔
"ایکسیڈنٹ —" نوشابہ گھبرا کے اٹھ بیٹھیں۔
وفا نے بنیل کو گھور کے دیکھا۔
"نہیں خالہ جان! کوئی ایکسیڈنٹ نہیں ہوا۔ ویسے ان کی کار ہی پھٹیچر ہے۔"
وفا نوشابہ کو تسلی دیتے ہوئے بولی۔
"جیسا یہ خود اٹھارھویں صدی کا ماڈل ہے ویسی ہی اس کی کار ہے۔" کاشف کرسی کھینچ کر بیٹھے ہوئے بولا۔
"اور جو کسر رہ گئی ہو پوری کر لیجئے۔ غلام حاضر ہے۔" بنیل سر جھکاتے ہوئے بولا۔
"اب تو معاف کیا یار۔" کاشف فراخدلانہ لہجے میں بولا۔
لیکن یاد رکھنا! جب تیری منگنی ہوگی تو میں بھی اپنی بیوی کو ایسے ہی لئے لئے پھروں گا۔"
بنیل نے مسکرا کے وفا کی طرف دیکھا اور وفا ایک دم سے نوشابہ کی طرف کھسک گئی۔ وفا اور اس کی جیون ساتھی کیسا مدھر، کیف بھرا اور نشاط انگیز احساس تھا۔
"بنیل — بنیل! وفا اس کے کان میں چلائی تو وہ چونک اٹھا۔

توبہ ہے اتنی دیر سے کھڑی چلا رہی ہوں ذرا جو اثر ہو آپ پر؟ وفا اس کا شانہ چھوڑتے ہوئے بولی۔

"وفا!" بنیل اسے دیکھ کر حیران سا رہ گیا۔ چاکلیٹ پوت کی ساڑھی اس کے ملکوتی حسن میں اضافے کا باعث بن رہی تھی۔ بڑا سا نفاست سے بندھا جوڑا وقار میں اضافہ کر رہا تھا۔ گردن سے چمٹا ہوا چوڑا سا طلائی نکلس۔ آج وہ سب دنوں سے زیادہ خوبصورت لگ رہی تھی۔

"پھر کہاں چل دیئے ہوش میں آیئے۔" وفا آنکھیں جھپکتے ہوئے بولی۔

"تم سامنے ہو اور میں مدہوش نہ ہوں۔ ناممکن۔" وہ اس پر جھکتے ہوئے سرگوشی کے سے انداز میں بولا۔

"اللہ!" وہ پیچھے ہٹ گئی۔

"کاشف بھائی کو بلایئے۔ منگنی کی رسم ادا ہو گئی۔"

"اچھا۔ ابھی آتے ہے کاشف بھائی۔" بنیل ہونٹ سیکڑتے ہوئے مڑ گیا۔

خوب سجے ہوئے کمرے میں سدرا سہیلیوں کے درمیان دلہن بنی بیٹھی تھی۔ رشتہ دار عورتیں اور سسرال والیاں بھی وہیں تھیں۔ کاشف کے آنے کی خبر ملی تو سہیلیوں نے صوفہ چھوڑ کر اس کے لئے جگہ بنا دی۔ بنیل کے ساتھ ساتھ شرمایا شرمایا کاشف بہت بھلا لگ رہا تھا۔ اتنا بہت شوخ تھا لیکن آج ساری شوخی ساری دھری رہ گئی تھی۔

بنیل قریب آتے ہوئے وفا سے بولا۔

"لو سنبھالو اپنے بھائی کو۔"

وفا نے جلدی سے اٹھ کے کاشف کا ہاتھ تھام لیا اور راستہ بناتے ہوئے صوفے

تک لے آئی۔

"بیٹھئے بھیا!"

اور کاشف سر جھکا کے خاموش سا بیٹھ رہا۔

"ہم کہاں بیٹھیں امی؟" بنیل متبسم سا نوشابہ سے مخاطب ہوا۔

"باہر اور بہت سے مرد ہوں گے ان کا ساتھ دیجئے۔"

وفا نے شوخی سے مشورہ دیا اور وہ بس ایک ٹک اسے دیکھے چلا گیا۔ کتنی خوبصورت ہے اس کی وفا۔ اس بات کا اندازہ اسے آج ہو رہا تھا۔ پہلے تو بس وہ اس کا پیار تھی اور کسی نظر سے دیکھا ہی نہ تھا اور آج وہ اس پر دوسروں کی توصیفی نظریں پڑتے دیکھ کر جل رہا تھا۔

"اوہ!" وہ پلٹا۔

"تو پھر میں باہر ہی چلوں امی؟"

"نہیں بیٹے ـــ" سدرا کی امی جلدی سے بولیں۔ "تم کاشف کے بھائی ہو۔ تمہیں یہاں ضرور بیٹھنا چاہیئے۔"

"میں بھی کاشف بھائی کا بھائی ہوں خالہ جان۔" شیبی کہیں سے سر نکالتے ہوئے بولا۔

اس کی بات پر سب کھلکھلا کے ہنس دیئے۔ بنیل کے ساتھ اسے بھی بیٹھنے کی اجازت مل گئی۔ تھوڑی دیر بعد منگنی کی رسم ادا ہوئی۔ کاشف اب کافی حد تک سنبھل چکا تھا اور پھر سے شوخ ہو چلا تھا۔

"وفا! میں کب تک یہاں بندھا بیٹھا رہوں گا۔" وہ وفا کی ساڑھی کا پلو کھینچتے ہوئے

بولا۔

" ایسے بے صبرے بھی مت بنئے بھیّا! جلد بازی اچھی نہیں ہوتی " وفا نے آنچل چھڑاتے ہوئے کہا۔

سدرا کے باپ بھائی بھی اندر آچکے تھے محفل کافی سنجیدہ ہو چلی تھی۔ نوشابہ نے انگوٹھی کی سنہری ڈبیہ نسیمہ کی طرف بڑھادی۔

" لیجئے نسیمہ آپ اپنے بیٹے کو انگوٹھی نکال کے دیجئے "

نسیمہ نے بسم اللہ پڑھ کر ڈبیہ کھولی اور انگوٹھی کاشف کی طرف بڑھادی۔

" بھیّا! اب انگوٹھی پہنائیے دلہن کو "

" تم ہاتھ تو سامنے کرو " کاشف مسکرا کے بولا۔

" میں انگوٹھی کیسے پہناؤں لپکتے جھلکتے آنچل کو "

وفا نے سدرا کا خوب صورت سا ہاتھ آنچل میں نکال کے اس کی گود میں رکھ دیا۔

کاشف جھجکتا ہوا اٹھا۔ تھوڑا جھکا اور پھر ہاتھ بڑے پیار سے تھام کے بسم اللہ پڑھتے ہوئے انگوٹھی سدرا کی انگلی میں ڈال دی۔ واپس بیٹھنے کو پلٹا تو پیشانی پر پسینے کے قطرے جگمگا رہے تھے۔

" میرا یار میدان جیت آیا " بنیل پیار سے پسینے کے قطرے اپنے رومال میں جذب کرتے ہوئے بولا۔

" ہاں دوست! اب تم بھی اس میدان میں داخل ہو جاؤ۔ اکیلے یہاں بھی جی نہ لگے گا " کاشف سنجیدگی سے بولا اور بنیل قریب آتی وفا پر جھک گیا جس نے کاشف کا جملہ سن لیا تھا۔

"کیوں کیا صلاح ہے؟ کاشف کا مشورہ سنا تم نے؟"

"منہ دھو رکھیئے!" وفا ینچ موڑ کے آگے نکل گئی اور وہ اس کے نازک سے سراپا کو پیاری بھری نظروں میں سمیٹا رہ گیا۔

واپسی پر اتفاق سے یا بنیل کی دعا سے وفا کو اسی کی کار میں جگہ ملی اور کسی کے بیٹھنے کا انتظار کئے بغیر وہ کار کو دوڑا لے گیا۔

"دیکھئے اور کتنے سارے لوگ تھے۔ ذرا رکئے۔" وفا نے پیچھے دیکھتے ہوئے کہا۔

"پھر تمہارے بیٹھنے کا کیا فائدہ؟"

بنیل مسکراتے ہوئے بولا۔ وفا جھینپ گئی۔ منہ سے کچھ نہیں بولی۔

کار چلاتے چلاتے بنیل قریب بیٹھی وفا پر چور سی نظر ڈالتا اور پھر کار کی طرف متوجہ ہو جاتا

"سنیئے!" جانے کیا یاد آیا۔ ایکدم وفا اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے آہستگی سے بولی۔

"سنائیے!" بنیل اس کے ہاتھ کو اپنے رخسار تلے دباتے ہوئے دھیرے سے بولا۔

"سیدھے سیدھے گھر ہی چلیئے گا۔ ادھر ادھر کہیں بھٹکتے پھریں۔"

وفا سنجیدہ تھی۔

بنیل نے ایک ٹک اسے دیکھا اور پھر کار موڑ لی۔

"ہائے یہ کار کیوں موڑ لی؟" وفا گھبرا کے بولی۔

"واپس جانے کو شاید وہاں کچھ لوگ باقی ہوں ان کے ساتھ گھر چلی جانا۔" وہ خفگی سے بولا۔

"آپ ناراض ہو گئے۔" وفا اس کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھتے ہوئے جھک کے

پیار سے بولی۔ بنیل نے اس کے جھکے جھکے خوبصورت سراپا کو دیکھا اور آنکھیں موند لیں۔

وفا کو بے اختیار ایسے روٹھے روٹھے بنیل پر پیار سا آگیا۔ اس کا چہرہ ہاتھوں میں لے کے جھکاتے ہوئے کان میں بولی۔

"جہاں جانا ہے جلدی سے چلئے۔ کہیں گھر جاتے جاتے دیر نہ ہو جائے۔"

بنیل نے ایک دم سے آنکھیں کھول دیں اور اپنے کان پر جھکے اس کے خوبصورت سر کو جھٹک کے اپنے سینے سے لگایا۔

"وفا تمہارا استا کے منانا دل لوٹ لے جاتا ہے۔"

"اچھا اب چلیئے!" وہ دھیمے لہجے میں بولی اور بنیل شوخی پر اتر آیا۔ اس کا سر سہلاتے ہوئے بولا۔

"یہ سر تو ہٹاؤ — ذرا — اسے سہلاؤں — یا کار چلاؤں۔"

وفا جھینپ کے پیچھے ہٹ گئی۔

"آپ بڑے خراب ہیں۔"

"بس —؟ وہ ہونٹ دانتوں تلے دباتے ہوئے بولا۔

"فی الحال یہی کافی ہے۔"

کار چل پڑی۔ راستہ خوشگوار خاموشی میں کٹا۔ پھر بنیل کار دریا کنارے روکتے ہوئے وفا کا ہاتھ تھام کے باہر نکل آیا۔ چاندنی رات تھی۔ دریا کا شفاف پانی چاند کی سیمیں کرنوں مچلتے چلے جا رہا تھا۔ ٹھنڈی ہوا سنسناتی ہوئی جسم میں گھسے چلی جاتی تھی۔ پچھلے چند دنوں سے موسم کافی خوشگوار ہو چلا تھا۔ اس لئے وفا صرف سوئیٹر پہنے تھی۔

خنکی کے شعور میں کوئی پتہ نہ چلا اور اب سردی سے سکڑنے لگی۔
"کیوں سردی لگنے لگی وفا؟" بنیل سکڑی سمٹی وفا کو دیکھتے ہوئے بولا۔
"ہاں — ! کھلی فضا ہے نا — ٹھنڈ کچھ زیادہ ہوگئی ہے —"
وفا نے بات گول کر دی کہ بنیل اپنا کوٹ ہی نہ اتار بیٹھے — لیکن بنیل —
"میرا کوٹ پہن لو —" اپنا کوٹ اتارتے ہوئے بولا۔
"نہیں — آپ ایکدم سے سردی کا مقابلہ نہ کر سکیں۔ میں تو اب گرم ہو چلی ہوں۔"
وفا اسے دوبارہ کوٹ پہناتے ہوئے بولی۔
"تمہاری پیار بھری باتیں بہت یاد آئیں گی۔" بنیل افسردگی سے بولا۔
"میں مر تو نہیں رہی جو آپ کو میرے بجائے میری باتیں یاد آئیں گی۔" وفا سر جھکاتے ہوئے دھیرے سے بولی۔
"وفا!" بنیل نے تڑپ کے اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔
"تم — ایسی باتیں مت کیا کرو —"
"پھر آپ جانے کیا کہہ رہے تھے۔" وفا خواب کی سی کیفیت میں بولی۔
"میں تمہیں یہ بتانا چاہتا تھا کہ مزید تعلیم کے لئے مجھے ملک سے باہر جانا پڑیگا۔"
بنیل کی بات سن کر وفا سن ہو کے رہ گئی۔
"کاشف بھائی تو نہیں جا رہے۔"
وفا پتھر پر بیٹھتے ہوئے افسردہ لہجے میں بولی۔
"پھر آپ کو جانے کی کیا پڑی ہے۔"

"کاشف تو شادی کرا رہا ہے۔ بھلا وہ کیسے جا سکتا ہے؟" بنیل تبسم سا بولا۔
"آپ بھی کروا لیجیے" وفا بے خیالی میں کہہ اٹھی۔
"کیا ___؟" بنیل بے خودی میں چیخ اٹھا اور اسے دونوں بازوؤں سے پکڑ کر جھکڑ دیتے ہوئے بولا۔
"شادی کے بعد پڑھ سکو گی کیا ___!"
وفا جھینپ کے الگ ہو گئی۔ سر جھکا ہوا تھا اور جوتی سے زمین کھرچ رہی تھی۔
بنیل بے قراری سے آگے بڑھا۔
"بولو وفا؟ مجھ سے شادی کرو گی؟"
"میں خواہ مخواہ ہی۔ اور بہت سی لڑکیاں ہوں گی شہر میں۔"
وفا جھینپ مٹاتے ہوئے شرارت سے بولی اور بنیل افسردہ سا ہو گیا۔
"ہاں ___ شہر میں اور بہت سی لڑکیاں ہوں گی۔ لیکن مجھے جس لڑکی کی ضرورت ہے وہ تمہارے سوا کوئی اور نہیں۔"
وفا مسکراتے ہوئے آگے بڑھی۔
آپ شادی وادی کے چکر میں مت پڑیئے۔ جیپ سے باہر کو اڑ جائیے۔ شاید وہاں کوئی آپ کو پسند آ جائے۔"
"نہیں وفا ___ میری پسند ہر آن بدلنے والی نہیں ہے۔ تم ___ یا پھر کوئی نہیں ___" بنیل کے لہجے میں عزم تھا۔
"بنیل ___!" وفا آنکھیں بند کر کے بنیل کے کندھے پر ٹھوڑی ٹکاتے ہوئے بولی۔

"آپ بخیریت جائیں۔ میں آپ کی کامیابی کی دعا کروں گی۔"

"اور اگر اس باہر جانے کے چکر کو ملتوی کر دیا جائے تو میری بن جاؤ گی؟" بنیل اس کی بند بند آنکھوں کے حسن میں کھویا کھویا بولا۔

"کیا مطلب؟" وفا نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔

"اگر میں باہر نہ جاؤں اور تم سے شادی کر لوں تو تمہیں منظور ہو گا۔"

"ابھی تو میں پڑھ رہی ہوں۔" وفا سر جھکاتے ہوئے بولی۔

"میں تمہیں پڑھنے سے بالکل نہیں روکوں گا۔" وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔

"بلکہ جب تک تم امتحان دے لو۔ میں بھی یہیں تمہارے پاس رہوں گا۔ کیوں کیا کہتی ہو ۔۔۔؟"

"نہیں ۔۔۔" وفا شرم آلود آواز میں بولی۔

"آپ بھی جائیے۔ میں بھی فارغ ہو لوں۔"

"آپ کی شادی ۔۔۔" بنیل مسرور سا بولا۔ واپسی پر ہو گی ۔۔۔!"

وفا کی شوخی عود کر آئی۔

"کسی خوش فہمی میں نہ رہیئے گا۔ کبھی جو آپ سے شادی کروں ۔۔۔"

"ہوں ۔۔۔ یہ بات ۔۔۔ بندھو تو سہی کسی اور کے پلے۔ اس کی کھوپڑی نہ توڑ دی ۔۔۔ تو کہنا ۔۔۔"

بڑے خطرناک ارادے ہیں آپ کے ۔۔۔؟"

"پہلے تو نہ تھے ۔۔۔ جب سے تم ملی ہو ۔۔۔ بڑا بہادر بن گیا ہوں۔"

"اچھا بہادر صاحب! اب واپس چلیئے ــ سب پریشان ہو رہے ہوں گے"
وفا وقت کا خیال کر کے پریشان سی ہو گئی۔

"ارے ہاں! کہیں کاشف آج کے دن بھی نہ ڈھونڈتا پھرے" بنیل کار کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔

"آپ کو کاہے کا ڈر ــ" وفا جلدی جلدی اس کے پیچھے قدم بڑھاتے ہوئے بولی۔

"امی مجھ سے خفا ہوں گی۔ آپ کو باتوں میں دیر سویر کا پتہ ہی نہیں چلتا۔"

"میرا کیا قصور۔" بنیل ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"تم ہو ہی بڑی ظالم چیز۔ پاس ہوتی ہو تو وقت کا پتہ ہی نہیں چلتا۔"

"اب نہ آؤں گی کبھی آپ کے ساتھ ــ" وفا روٹھی روٹھی دروازہ بند کرتے ہوئے بولی۔

"تمہاری گردن نہ توڑ دوں گا۔ کبھی انکار تو کرو ذرا ــ!" بنیل اس کی گردن دباتے ہوئے بولا۔

"توڑ دیجیئے۔ جان چھوٹے گی آپ سے۔" وفا جھکی جھکی بولی

بنیل نے ایک دم سے گردن چھوڑ دی۔

"جان چھڑانا چاہتی ہو مجھ سے وفا؟"

وفا ہنس دی بولی کچھ نہیں۔

"بتاؤ۔" وہ اس پر جھکتے ہوئے بولا

"نہیں۔" وفا مسکراتے ہوئے بولی۔

"منفت کا محافظ مل گیا۔ میں کاہے کو ناشکری کرنے لگی۔"

"ہو بڑی ہوشیار۔" بنیل کار اسٹارٹ کرتے ہوئے بولا۔

"صحبت کا اثر ہے آپ کی۔"

"یہ اثر کبھی زائل نہ ہو وفا۔" بنیل آہستگی سے بولا۔ وہ سنجیدہ تھا۔ وفا بھی سنجیدہ ہو گئی۔

"یہ اثر کبھی زائل نہ ہوگا بنیل! اطمینان رکھو۔ وفا، وفا ہے اور کچھ بھی نہیں۔" وہ گود میں رکھے ہاتھوں سے کھیلتے ہوئے بولی۔

"یہ میرا وعدہ ہے۔" اور پھر سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے خیالوں کی وادی میں کھو گئی۔

اعجاز الحسن کے خط نے وفا کا فکر دو چند کر دیا تھا۔ جب سے بنیل ولایت گیا تھا۔
وہ ایک پل بھی چین سے نہ گزار سکی تھی۔ امتحان آئے تو مصروفیت میں سب کچھ بھول گئی۔
لیکن ان سے فراغت پاتے ہی وہی بے چینی اور بے قراری کا عالم تھا۔ اور اب اعجاز الحسن
کی مستقل تکلیف ـــــ

شیبی، عفی کو سکول سے چھٹیاں ہو چکی تھیں۔ نوید بھی چھٹی پر آ رہا تھا۔ سلہٹ جانے کی
تمام تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں۔ وفا چیزیں ٹھیک ٹھاک کر کے تھک ہار کے دوپہر میں
سونے کو لیٹی تو لیٹتے ہی خیال بنیل کی طرف چلا گیا اور پھر آئی آئی نیند پلٹ گئی۔ پہلے بھی
وہ اس کے پاس نہ تھا۔ لیکن کبھی کبھار اچانک جھلک دکھلا کر تسلی دے جاتا اور اب تو بات
تو برسوں تک جا پہنچی تھی۔ کاشف کے پاس اس کے خط آتے تھے۔ لیکن کاشف بھی اپنی
ملازمت کے سلسلے میں تربیلا ڈیم نوشابہ سمیت جا چکا تھا۔ جاتے جاتے بنیل نے خط لکھنے

کے بارے میں کہا تھا مگر اس نے اسے ایسا کرنے سے روک دیا تھا۔ وہ انتظارِ خط کی صعوبت میں مبتلا نہ ہونا چاہتی تھی۔ پھر یہ بھی جانتی تھی کہ اگر کبھی خطوط کا یہ لگا بندھا سلسلہ ٹوٹ گیا تو وہ برداشت نہ کر پائے گی۔

خط — دو دو خط — " باہر صحن میں شیبی چلا رہا تھا۔

" کیوں شیبی میاں یہ شور کیسا ہے؟" وفا نے دروازے کا پردہ ہٹاتے ہوئے پوچھا۔ شیبی اس کی طرف آگیا۔

" باجی! خط آئے ہیں۔"

" لاؤ — " وفا نے ہاتھ بڑھا کر پکڑ لیے۔ ایک خط اعجاز الحسن کا تھا اور ایک نوید کا۔ پہلے وفا نے نوید کا خط پڑھا اور شیبی کی طرف بڑھا دیا پھر اعجاز الحسن کا خط چاک کیا۔ خط پڑھتے پڑھتے وفا کانپ اٹھی۔ کرسی کا سہارا نہ ہوتا تو گری پڑی ہوتی۔ شیبی نے وفا کی بدلتی کیفیت کو دیکھا اور جلدی سے بولا۔

" کیا ہوا باجی؟ ابو جی نے کیا لکھا ہے خط میں؟"

" کچھ نہیں شیبی۔" وفا پلنگ پر بیٹھتے ہوئے بولی۔" تم امی کو بلا لاؤ۔"

شیبی نسیمہ کو بلانے چل دیا اور وفا نے پھر سے نظریں مختصر سے خط پر گاڑ دیں۔ خط امی کے نام لکھا۔

" پیاری بیٹی وفا! سلامت رہو!"

چند دن ہوئے تمہاری امی کو خط لکھا تھا۔ جواب ابھی تک نہیں ملا۔ سخت فکرمند ہوں۔ تم نے لکھا تھا کہ چھٹیوں میں تم لوگ میرے پاس آؤ گے۔ جلد اپنی آمد کی اطلاع دو۔

خط جلدی میں لکھ رہا ہوں پچھلے دو دنوں سے پھر پرانی تکلیف عود کر آئی ہے بائیں پھیپھڑے کے قریب ایسی درد کی ٹیسیں اٹھتی ہیں کہ سہہ نہیں سکتا۔ ویسے بیٹی! تم فکر نہ کرنا۔ میرے معالج بہت لائق ہیں۔ بڑی توجہ سے میرا علاج کر رہے ہیں عفی۔ شیبی کو منہ چوم کے پیار۔ نوید کو بھی ساتھ لانا۔ نسیمہ کیسی ہیں؟ تمہیں دعائیں خدا حافظ۔

"تمہارے ابوجی۔"

"کیوں بیٹی کیا ہوا؟" شیبی کے ساتھ ساتھ نسیمہ کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولیں۔

"امی! ابوجی کا خط۔" وفا نے خاموشی سے لفافہ نسیمہ کی طرف بڑھا دیا۔

کچھ دیر کمرے میں اذیت ناک خاموشی کا دور رہا۔ خط پڑھ کے تہہ کرتے ہوئے نسیمہ وفا کے قریب آگئیں۔

"وفا! یہ تمہارے ابوجی کے درد کیسا اٹھتا ہے؟" ان کے سوال میں پریشانی غم اور حیا نے کیا کیا تھا۔

"یونہی امی! کوئی تکلیف ہوگئی۔ ہم ان کے پاس چلے جائیں گے تو سب ٹھیک ہوجائے گا!"

وفا کا اپنا دل مسلا جا رہا تھا۔ لیکن ماں جس کے سہارے وہ ابوجی سے اتنی دور وقت گزار رہے تھے۔ اس کی تسلی ضروری تھی۔

"اللہ میاں ان کا محافظ ہو۔" نسیمہ افسردہ سی بولیں۔

"آپ فکر نہ کیجیے امی جان! ابوجی نے لکھا ہے نا کہ ان کا معالج بہت لائق ہے"

وفا نے انہیں مطمئن کرنا چاہا۔

"ہاں بیٹی! انسان کی تدبیر ہی تو خدا کی رحمت کو کارگر بناتی ہے" پھر بولیں۔
نوید آئے تو جلدی سے چلے جائیں۔"

"امی! یہ نوید کا خط بھی آیا رکھا ہے" وفا نے نوید کا خط نسیمہ کی طرف بڑھا دیا۔

"تو ــــ وہ تو کل آنے کو ہے۔ انشاء اللہ پرسوں، ترسوں یہاں سے روانہ ہو جائیں گے" نسیمہ خط پڑھتے ہوئے بولیں۔

اسی فکرمندی میں دوپہر گزر گئی۔ وفا نے ماں کی دلجوئی کی خاطر عفی، شیبی کے ساتھ مل کے خوب شور مچایا۔ آنکھ مچولی کھیلتے ہوئے نسیمہ آنکھیں بند کرنے کو مقرر ہوئیں اور بول بچوں کے کھیل تماشے میں دل بہل گیا۔ رات آئی تو نئے غم کے پہاڑ ٹوٹے۔ نسیمہ تو دن کی تھکی ہاری عفی، شیبی کے جھگڑے چکاتے چکاتے خود بھی پلک جھپک گئیں۔ لیکن وفا نے ساری رات جاگ کے گزار دی سپیدۂ سحر دیکھنے کو بار بار کھڑکی سے باہر جھانکتی لیکن کالی رات کی سیاہیاں دیکھ کے دہل جاتی۔

"ابوجی کے اچانک اٹھنے والا درد کوئی ایسی معمولی چیز نہ تھی۔ اعجاز الحسن تو ایسے جری انسان تھے کہ معمولی بیماری کو کبھی اہمیت نہ دی اور اب خط میں جانے کس طرح درد سے بے حال لکھ دیا تھا۔ دائیں پھیپھڑے کے قریب درد کی ایسی ٹیسیں اٹھتی ہیں کہ سہہ نہیں سکتا۔

"وہ کونسا درد ہے ابوجی! جو آپ سہہ نہیں سکتے" وفا ہاتھوں میں منہ چھپا کے رو دی۔ جذبات پر قابو نہ رہا تھا۔ اذان ہوئی تو ذرا دیر کو آنکھ لگی۔ اور صبح جب ناشتے پر گئی تو ایسی تھکی تھکی، پژمردہ سی تھی کہ نسیمہ اس کی کیفیت کا سبب بھی نہ پوچھ سکیں۔
دوپہر تک نوید بھی آپہنچا۔ نسیمہ نے اسے اعجاز الحسن کی بیماری کے متعلق بتلا

مناسب نہ سمجھا۔ اپنی عادت کے مطابق وہ شور کرتا رہا۔ منفی، شیبی میں جھگڑا کر دیتا۔ ان سے ہٹا تو وفا کے پیچھے پڑ گیا۔

"نبیل بھائی، ہم سے ملے بغیر ہی چلے گئے باجی! بتائیے کیا سزا دوں"

"جو سزا دل چاہے دے لو۔ مجھے کیوں پوچھتے ہو؟"

"نہیں — آپ کے کہنے سے سزا میں تخفیف بھی تو ہو سکتی ہے۔" وہ شرارت آمیز لہجے میں بولا اور وفا — اس کی بات سنی ان سنی کر کے اپنے کمرے میں چلی آئی۔ سہ پہر میں وفا آرام کرنے کو لیٹی تو نوید گنگناتا ہوا پھر آ پہنچا۔

"باجی! آپ کا خط" وفا جلدی سے اٹھ بیٹھی۔

"لاؤ — دیکھوں تو کس کا ہے۔"

نوید نے مسکرا کے خط پیٹھ پیچھے چھپا لیا۔

وفا جلدی سے اٹھ بیٹھی۔

"نبیل بھائی کا ہے"

وفا کا چہرہ لمحہ بھر کو سرخ ہو گیا۔ پھر اٹھتے ہوئے بولی۔

"جھوٹ مت بولو نوید! ان کی کیا مجال جو کبھی مجھے خط لکھیں"

"بڑا رعب ہے" نوید شرارت سے بولا۔

"جاؤ نہیں دیتے تو نہ سہی" وہ پلٹ کے لیٹ گئی۔

"لیجیے — میں نے کیا کرنا ہے آپ کا خط —" نوید لفافہ اس کے قریب گراتے ہوئے باہر نکل گیا۔ وفا نے جلدی سے اٹھ کر لفافہ کھولا۔ خط کاشف کا تھا۔

"وفا! — دعائیں!

بہت دنوں بعد تمہارے خط کا جواب دے رہا ہوں۔ ذرا مصروف ہو گیا ہوں نا اس لئے — اب بھی ڈاک نکلنے کا وقت قریب ہے مجھ سے زیادہ کی توقع نہ کرنا — کل تمہارے اس گدھے کا بھی خط آیا تھا۔ بیوقوف پریوں کے دیس میں بھی تمہیں یاد رکھے ہوئے ہے — اور وہ بھی بے قراری سے۔

امی ٹھیک ہیں اور سب کو دعا سلام اور پیار کہتی ہیں۔ میری طرف سے نیسی کے کان کھینچنا۔ عفی کی ناک — اور نہیں — چلو معاف کیا — تو یہ کب آرہا ہے اس کی آمد سے مطلع کرنا۔ خالہ جان کی خدمت میں آداب۔ خدا حافظ —

تمہارا بھیا کاشف —"

وفا نے خط پڑھ کر ایک طرف ڈال دیا۔ کل دوپہر ابو جی کے خط نے ہلچل مچائی تھی۔ اور آج کاشف کے خط نے "اب بھلا بنیل آپ کو خط لکھتے ہیں تو لکھا کریں، مجھے بتلانے کی کیا ضرورت۔" وفا پہلو بدلتے ہوئے اپنے آپ بولی۔

"بیوقوف پریوں کے دیس میں بھی تمہیں یاد رکھے ہوئے ہے اور وہ بھی بڑی بیقراری سے —" وفا نے ایک روح پرور کسک کے تحت آنکھیں موندلیں۔

میری پسند ہر آن بدلنے والی نہیں — تم — یا پھر کوئی نہیں —"

بنیل کا فقرہ کانوں میں گونجا — وفا نے لیٹے لیٹے ہاتھ بڑھا کے دراز میں سے اس کی تصویر نکال لی۔

اپنے کہے کی لاج رکھنا بنیل! میں تمہارے انتظار میں پاگل امیدوں کے دیئے مقدور بھر روشن رکھنے کی کوشش کروں گی۔"

بنیل کی تصویر مسکرادی۔

"بڑے خراب ہو۔"

وفا نے تصویر واپس دراز میں رکھ دی اور بال سمیٹتے ہوئے اٹھ بیٹھی۔

اگلے دن وہ ابوجی کے پاس بیٹھے تھے۔ اعجاز الحسن بیوی بچوں سے مل کے اپنی ساری تکلیف بھول گئے تھے۔ نوید ایک دم سے ہی بدل چکا تھا۔ رنگ سانولا ہو چکا تھا اور جسم مضبوط ——— انہیں بیٹے کو دیکھ کے تحفظ کا سا احساس ہوا۔ شیبی، غنی بھی بڑے ہو چکے تھے۔ لیکن چھوٹے ہونے کے ناطے ابھی چھوٹے تھے۔

وفا کے چہرے پر تھکن کے آثار تھے اور اعجاز الحسن جانتے تھے کہ وہ صرف ان کی بیماری کی وجہ سے پریشان ہے۔ اور درحقیقت بھی یہ تھا۔

وفا وہ دیکھ تو اعجاز الحسن کے بارے میں قیاس لگا سکتی تھی۔ اور اب ——— لمحہ بھر کو ہی دیکھ کے اس نے نظریں جھکالی تھیں۔ کیا مضبوط جسم تھا جو پلے درد، درد کی آنچ میں گھل گھل کے گھٹا جاتا تھا۔

پہلا دن تو آرام میں کٹا۔ ویسے بھی شام ہو چکی تھی۔ کہیں آجا نہیں سکتے تھے۔ دوسرے دن اعجاز الحسن کو چھٹی تھی۔ ان کے معالج ڈاکٹر نورالہدیٰ صبح ناشتے کے بعد آگئے۔

اعجاز الحسن نے سب بچوں اور بیوی کا تعارف ڈاکٹر سے کروایا۔

"تو یہ ڈاکٹری پڑھ رہی ہے؟" ڈاکٹر نورالہدیٰ نے وفا کو شفقت سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"جی ہاں ڈاکٹر صاحب! یہی میری بیٹی ہے ———— جو تھے سال کا امتحان دے کے آئی ہے۔"

اعجاز الحسن فخر سے بولے اور وفا نے شرما کے گردن جھکا لی۔

ڈاکٹر صاحب جانے لگے تو وفا انہیں چھوڑنے کے لئے باہر دروازے تک گئی۔

"کوئی فکر والی بات تو نہیں ڈاکٹر صاحب؟" وفا نے ڈرتے ڈرتے ڈاکٹر سے پوچھا۔

"ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا وفا بیٹی!" ڈاکٹر نورالہدیٰ سنجیدگی سے بولے۔

"ویسے میں مرض کی مکمل تشخیص کے بعد ہی کسی حتمی فیصلے پر پہنچ سکوں گا۔"

وفا خاموش ہو رہی۔ ڈاکٹر نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر اس کے گال تھپتھپاتے ہوئے بولا۔

"تم فکر نہ کرو بیٹی! علاج میں کر رہا ہوں۔ شفا خالق کائنات کے پاس ہے بس دعا مانگو دعا۔"

ڈاکٹر صاحب کو خدا حافظ کہہ کے وفا کھوئی کھوئی سی واپس پلٹی۔ تو نوید سے ٹکرا گئی۔

"کیا کہہ رہے تھے ڈاکٹر صاحب باجی!"

"کچھ بھی نہیں بھیا ——" وفا بےدم سی بولی۔

"بس دعا مانگو دعا ——" وفا نے ڈاکٹر کے یہی الفاظ دہرائے۔

"آپ کیا کہہ رہی ہیں باجی؟" نوید نے وفا کو جھنجھوڑتے ہوئے پوچھا۔

وفا مسکرا دی۔

"گھبرانے کیوں لگے بھائی جان —— ڈاکٹر صاحب کے علاج کے ساتھ ساتھ ہمیں اللہ میاں سے بھی تو ابو جی کی صحت مانگنی چاہیئے۔"

"نوید!" نوید کے چہرے پر زردی سی آگئی۔
"آپ کی سنجیدگی نے تو مجھے ڈرا دیا تھا۔"
"آدھے سے زیادہ فوجی بن گئے پھر بھی ڈرتے ہو؟" وفا نے اسے چھیڑا۔
اور کسی سے ڈروں نہ ڈروں آپ سے تو واقعی ڈر لگتا ہے۔" نوید ہنستے ہوئے بولا
"کیوں میں کوئی بلا ہوں۔ جو مجھ سے ڈر لگتا ہے۔"
"ہائے توبہ باجی!" نوید رک گیا "آپ کاہے کو بلا ہونے لگیں۔ ڈاکٹر ہیں نا! آپ۔ کہیں سوئی نہ چبھو دیں اور میں ننھا بھائی تو ہوں نہیں کہ چپ چاپ ہر درد سہے جاؤں۔"
"بھائی جان!" وفا چیخی۔ لیکن نوید اعجاز الحسن کے کمرے میں داخل ہو چکا تھا۔
"کیوں بیٹے بڑے خوش خوش آرہے ہو؟" اعجاز الحسن نوید کو کمرے میں داخل ہوتے ہوئے دیکھ کر بولے۔
"ذرا باجی سے ٹھن گئی تھی۔ باہر کھڑی جلا رہی ہیں۔" وہ اعجاز الحسن کے قریب بیٹھتے ہوئے بولا۔
"نوید! اتنے بڑے ہو گئے۔ بچپنا پھر بھی نہ گیا۔ وفا سے بھلا کیوں جھگڑتے ہو؟" نسرین نے پیار سے ڈانٹا۔
"باجی کو چڑانے میں مزا بڑا آتا ہے امی!" نوید وفا کو کمرے میں آتے ہوئے دیکھ کر شرارت آمیز لہجے میں بولا۔
"ابو جی! منع کر لیجئے ـــ نوید کو، خواہ مخواہ چڑاتا پھرتا ہے مجھے۔" وفا غفی کا دین ٹھیک کرتے ہوئے غصے سے بولی۔

اعجاز الحسن مسکرا دیئے۔

"کیا چڑاتا ہے تمہیں یہ نوید؟"

"جی —" وفا پلکیں جھکا کے رہ گئی۔

"بتایئے نا اب باجی کہ میں آپ کو کیا چڑاتا ہوں —" نوید شوخی سے بولا۔ اور وفا روہانسی ہو گئی۔

"مجھے نہیں پتہ — کیا چڑاتے ہو —" وہ اٹھ کر کمرے کے باہر نکل گئی۔ نوید سے کیا بعید — کبھی وہیں پھٹ پڑے — نوید بھی پیچھے بھاگا۔

"باجی! میں معافی مانگنے آیا ہوں۔"

لیکن وفا رکی نہیں۔ نوید نے تیز تیز قدم لیتے ہوئے پیچھے سے جا لیا۔

"اب معاف کر دیجئے نا باجی!" وہ وفا کا ہاتھ تھامتے ہوئے عاجزی سے بولا۔

"چلو ہٹو — میں نہیں بولتی تم سے —" وفا نے غصے سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔ نوید گھوم کے سامنے آ گیا۔

"باجی! اب کبھی بنیل بھائی کا ذکر کروں — تو جو چور کی سزا سو میری۔ بس اب کے معاف کر دیجئے۔"

"تم اکثر وعدے سے پھر جاتے ہو۔" وفا سنجیدگی سے بولی۔

"میں کبھی کوئی بنیل بھائی ہوں جو وعدے سے پھر جاؤں۔"

"نوید! —" وفا نے غصے سے ہونٹ کاٹ ڈالے۔

"کتنی بھی کوشش کروں باجی! —" نوید مسکرایا۔ "بنیل نام ہی ایسا ہے کہ بار بار ہونٹوں سے پھسل پڑتا ہے۔"

"بنیل ۔ بنیل ۔۔ یہ کیا مصیبت ہے ۔ آخر ۔" وفا کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ جانے نوید کیا سمجھ بیٹھا تھا اس کے متعلق۔

" نہ دیں معافی! اب تو میں پچاس پیسے کی قربانی دیکر بنیل بھائی کو لکھوں گا آپ کے نام پر باجی کی آنکھوں میں آنسو جاتے ہیں۔ پر گا کے نہ لوٹ آئے تو نوید میرا نام نہیں۔"

وفا نے ہاتھوں میں منہ چھپا کے دیوار سے ٹیک لگالی اور جب تھوڑی دیر بعد کمرے میں جانے کے لئے ہاتھ چہرے سے ہٹائے تو اپنے سے تھوڑی دور مرغا بنے نوید کو دیکھ کر روتے میں کھلکھلا کے ہنس دی۔ معاف کر دیا باجی آپ نے" نوید نے اٹھتے ہوئے وفا کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔

"کتنی اچھی ہے میری باجی! ۔"

اور وفا اندازہ نہ کر سکی کہ اس لمحے اس پر غصے کے جذبات غالب ہیں کہ خوشی کے!

ایسی سیاہ رات ۔ نہ کسی سے جان نہ پہچان ڈاکٹر کو کہاں سے ڈھونڈنے جاتے۔
اعجاز الحسن بالکل ٹھیک ٹھاک تھے۔ دفتر سے واپس آکے بچوں کو سیر کے لئے لے گئے
کافی دیر گھوم پھر کے واپس لوٹے تو رات ہو چلی تھی۔ کھانا کھایا۔ تھوڑی دیر باتیں کرتے رہے
پھر تھکن کے باعث معمول سے پہلے ہی سونے چلے گئے۔ وفا آج کئی دنوں بعد گہری میٹھی
نیند سوئی تھی۔ دن بھر گھومنے پھرنے کی تھکاوٹ نے کچھ سوچنے کا موقع ہی نہ دیا تھا چپ
چاپ نیند کی آغوش میں دھکیل دیا۔ یونہی خوابوں میں کھوئی ہوئی تھی کہ گھبرا کے اٹھ بیٹھی۔
کوئی اسے جھنجھوڑے چلا جا رہا تھا۔

"کون ۔۔ ؟" وہ ایک دم سے گھبرا کے بولی۔

"میں ہوں وفا ۔" وفا نسیمہ کی آواز پہچان گئی۔ آنکھیں رگڑتے ہوئے سامنے
دیکھا تو ہلکی نیلی روشنی میں نسیمہ متفکر سا چہرہ لئے ہوئے اس پر جھکی تھیں۔

"کیا ہوا امی، خیریت تو ہے؟" وہ پلنگ سے اترتے ہوئے بولی۔

"وفا ــــ تمہارے ابوجی کے درد اٹھنے لگا ہے ذرا دیکھو تو ــ"

"اوہ!" وفا جلدی سے چپل پہنتی ہوئی بسمہ کے ساتھ ساتھ کمرے سے باہر نکل گئی۔ نوید بھی جاگ چکا تھا۔ بسمہ نے کمرے کا پردہ ہٹایا۔ دونوں بہن بھائی ماں کے پیچھے پیچھے کمرے میں داخل ہوئے۔ سامنے ہی اعجاز الحسن درد سے نڈھال پلنگ پر بیا کل پڑے تھے۔

"ابوجی کیا ہوا؟" وفا ان پر جھک سی گئی۔

اعجاز الحسن نے بیٹی کا ہاتھ پکڑ کے درد والی جگہ پر رکھ دیا۔

"یہیں کچھ تکلیف ہے بیٹی" وہ کراہ کی صورت میں بولے۔

"میں ابھی ڈاکٹر کو بلاتی ہوں" یہ کہتے ہوئے وفا کمرے سے باہر نکل گئی۔

نوید بھی پیچھے پیچھے ہی چلا گیا۔

"نوید! وفا رکتے ہوئے بولی۔

"اس وقت ڈاکٹر کو کس طرح بلایا جائے؟"

"میں تو ڈاکٹر کا گھر نہیں جانتا باجی" نوید پریشان سا بولا۔

"پھر ــــ پھر کیا کیا جائے؟" وفا بے چین سی بولی۔

"آس پاس کوئی ہمسایہ بھی نہیں کس سے مدد لی جائے؟"

"باجی ــ" نوید کو کچھ یاد آگیا "وہ ــ آج ابوجی نے باہر جاتے ہوئے ایک مکان دکھایا تھا جس میں ان کے کوئی شکاری دوست رہتے ہیں ــ"

"ہاں ــ"

تو بس اس شکاری سے مدد لی جا سکتی ہے ۔ ہاں ۔۔۔ میں ٹارچ لے آؤں دونوں چلتے ہیں۔"

نوید کمرے سے ٹارچ لے آیا دونوں بہن بھائی اللہ کا نام لیتے ہوئے گھر سے باہر نکلے۔

" اگر کہیں وہ گھر پر نہ ملے تو ؟" وفا نے اپنے خدشے کا اظہار کیا ۔

" نہیں ۔۔۔ انشاء اللہ وہ گھر پر ہی ہوں گے ۔" نوید بڑی سنجیدگی سے بولا۔

" ذرا سا نیچے اتر کے ایک چھوٹا سا سفید بنگلہ تھا۔ یہیں اعجاز الحسن کا شکاری دوست رہتا تھا۔ اس کے علاوہ کوئی ہمسایہ نہ تھا۔ نوید نے آگے بڑھ کے کال بیل دبائی۔ بیل کے اندر تک گونجنے کی آواز آئی ۔ بتی جلی ۔۔۔ کچھ شور ہوا ۔۔۔ اور پھر دروازہ کھل گیا۔ دونوں کے سامنے گھر کا ملازم کھڑا تھا۔

" تمہارے صاحب گھر پر ہیں ؟" نوید نے جلدی سے پوچھا ۔

ملازم نے ایک نظر دونوں پر ڈالی اندر کو مڑ گیا۔ پھر جب واپس لوٹا تو اس کے پیچھے ایک درمیانی عمر کا آدمی سلیپنگ سوٹ پر گاؤن پہنے ہوئے آتا دکھائی دیا ۔

" کیوں بھئی کس سے ملنا ہے تمہیں ؟" وہ بڑی شائستگی سے نوید سے مخاطب تھا۔

" ہم یہیں قریب سے آئے ہیں ہمیں اس وقت آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔" نوید بے تکا سا بولا۔

" میری مدد ۔۔۔ ؟" اس نے حیرت سے مسکرا کے دونوں پر ایک نگاہ ڈالی۔

" جی ۔۔ ہمارے ابو اعجاز الحسن سخت بیمار ہیں ۔" وفا جلدی سے بولی۔

" ہم یہاں بڑا جنبی ہیں۔ آپ براہ کرم کسی ڈاکٹر کو بلوا دیجئے ۔۔۔" نوید کی گھبرائی

ہوئی آواز پھر نکلی ۔

" اوہ! اچھا ۔ تو تم اعجاز صاحب کے بچے ہو ۔ کیا ہوا انہیں ۔
چلو میں چلتا ہوں تمہارے ساتھ ۔"

وہ شخص مسکرا دیا۔ ملازم کو کچھ سمجھا کے ڈاکٹر کی طرف بھیجا اور خود ان دونوں کے ساتھ چلا آیا ۔

اعجاز الحسن ابھی تک درد سے بے حال پڑے تھے ۔ وفا اور نوید کے ساتھ ایک اجنبی کو دیکھ کر بسمہ سمجھیں شاید ڈاکٹر آگیا ۔

" کہاں سے لائے تم لوگ ڈاکٹر!" وہ نوید سے بولیں۔

" محترم خاتون! میرا ملازم ڈاکٹر لینے گیا ہے ۔ مجھے اشتیاق احمد کہتے ہیں ۔ میں یہیں آپ کے قریب ہی رہتا ہوں۔

اعجاز الحسن نے ایک نظر اشتیاق احمد کو دیکھا۔ پہچان گئے۔ لیکن بولنے کی ہمت نہ تھی۔ آنکھیں بند کر کے بس چپ چاپ لیٹے رہے ۔ تھوڑی دیر بعد اشتیاق احمد کا ملازم ڈاکٹر لے آیا۔ ڈاکٹر نے بڑی احتیاط سے اعجاز الحسن کا معائنہ کیا ۔ کچھ دوائیں فوراً دیں اور باقی کے لئے ملازم کو ساتھ لے گیا ۔ نوید اور اشتیاق احمد ڈاکٹر کو دروازے تک چھوڑ آئے ۔ جب تک ملازم دوا لے کر واپس نہ آگیا ۔ اشتیاق احمد وہیں بیٹھے رہے ۔ انہیں ان لوگوں کے درمیان بیٹھے بیٹھے بہت اپنائیت محسوس ہو رہی تھی ۔ بسمہ شوہر کے قریب کرسی پر بیٹھی تھیں ۔ وفا ہولے ہولے بڑے پیار سے باپ کا سر دبا رہی تھی ۔
نوید اشتیاق احمد کے قریب بیٹھا باپ کی طرف دیکھے جا رہا تھا ملازم دوا لے کر آگیا۔ تو وفا نے اٹھ کے اعجاز الحسن کو دوا پلائی ۔ پھر آرام سے لٹا دیا ۔

"اب کیا محسوس کرتے ہیں آپ ابّو جی ۔۔ ؟" وفا اعجاز الحسن کے چہرہ پہ پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔

انھوں نے بیٹی کے فکر مند چہرے کو دیکھا اور پھر دھیمے لہجے میں بولا۔

" اب ٹھیک ہوں بیٹی ۔ تم سو جاؤ ۔"

ایسے بیمار تھے پھر بھی بچوں کی تکلیف کا احساس تھا۔

" آپ مطمئن ہو کے سو جائیے ۔ ہماری فکر نہ کیجئے ۔" بسمہ ان کے قریب آتے ہوئے بولیں۔

انھوں نے ایک بسمہ کو دیکھا۔ ان کی جیون ساتھی ۔۔ جو بمشکل دل کو تھامے ہوئے تھی اور پھر آنکھیں موند لیں۔

اعجاز الحسن سو گئے ۔ تو اشتیاق احمد نے جانے کی اجازت چاہی ۔

رات پریشانی میں ہی گزر گئی ۔ نوید اعجاز الحسن کے بارے میں مطمئن ہو کے سونے چلا گیا۔ بسمہ بھی کرسی پر بیٹھے بیٹھے ذرا دیر کو غافل ہو گئیں ۔ لیکن وفا کی نیند اڑ گئی تھی۔ صبح تک ابّو جی کے چہرے پر نظریں جمائے بیٹھی رہی ۔ ناشتے کے بعد بسمہ نے اسے زبردستی سونے کو بھیج دیا، اور عفی، شیبی کو شور مچانے سے منع کرتے ہوئے گھر کے کاموں میں مصروف ہو گئیں۔

صبح ہی صبح ڈاکٹر ہدی آ گئے ۔ انھوں نے اعجاز الحسن کا اچھی طرح سے معائنہ کیا ۔ پھر کتنی ہی دیر تک بیٹھے اپنی مزے دار باتوں سے ہنستے ہنساتے رہے ۔ وہ گئے تو اشتیاق احمد آ گئے ۔

" میں آپ کا مشکور ہوں اشتیاق صاحب ! رات آپ نے بچوں کی بڑی مدد کی ۔"

اعجاز الحسن اشتیاق احمد کو ممنونیت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولے۔
"نہیں — اس میں مشکور ہونے کی کیا بات ہے" اشتیاق احمد جلدی سے بولے۔
"جو میں نے کیا — وہ میرا فرض تھا"
وہ باتوں میں مشغول تھے کہ عفی پردے میں منہ نکالے پکاری۔
"لالہ —"
اشتیاق احمد نے چونک کے دیکھا۔ ایک خوب صورت سی بچی پردہ پکڑے کھڑی تھی۔
"اندر آجاؤ عفی —" نوید نے کہا۔
"اچھا لالہ —" وہ مڑی۔ "میں شبی کو بھی بلا لاؤں —"
تھوڑی دیر بعد دونوں آگے پیچھے کمرے میں داخل ہوئے۔ اشتیاق احمد کو ادب سے سلام کیا اور نوید کے دائیں بائیں کھڑے ہو گئے۔
"یہ میرے چھوٹے بچے ہیں! اشتیاق صاحب!" اعجاز الحسن بولے۔
"ادھر آؤ۔ عفی — چچا کو اپنا نام بتاؤ۔"
عفی اشتیاق احمد کے قریب جا کھڑی ہوئی۔
"میرا نام عفت ہے —"
"آپ کونسی جماعت میں پڑھتی ہیں؟" اشتیاق احمد شفقت سے بولے۔
"آٹھویں میں —"
"اور بیٹے آپ کا نام —!" وہ شبی سے مخاطب ہوئے۔ جو عفی کی تقلید

میں ان کے قریب آگیا تھا۔

میرا نام شعیب ہے اور دسویں جماعت میں پڑھتا ہوں۔"

"حیرت ہے بھئی۔" اشتیاق احمد عفی کو گود میں لیتے ہوئے بولے۔

"ایسے چھوٹے چھوٹے سے تم آٹھویں، دسویں میں پڑھتے ہو۔ کمال ہے بھئی!"

"اور آپ نوید بیٹے۔؟"

نوید شرما سا گیا۔

"میں نے پچھلے سال ایف ایس سی کر کے فوج میں کمیشن لیا تھا۔"

"گڈ!" اشتیاق احمد بے اختیار بولے۔

"آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی چچا جان۔" نوید بولا۔ "کہ باجی۔ میڈیکل کے آخری سال میں جانے والی ہیں۔"

"ماشاءاللہ۔"

اعجاز الحسن اپنے ہونہار بچوں کی باتیں سن کر بہت خوش ہو رہے تھے۔ وفا کا ذکر ہوا۔ تو وہ سرے ہی لمحے وہ کمرے میں داخل ہوئی۔ ابھی سو کے اٹھی تھی۔ نہا دھو کے سیدھی اعجاز الحسن کو دیکھنے چلی آئی۔ ہلکے آسمانی رنگ کے کپڑے پہنے تھی۔ دھلے ہوئے سیاہ لمبے بال پشت پر پھیلے ابھی تک پانی ٹپکا رہے تھے۔ چہرے پر رات والی تھکن کی بجائے شگفتگی چھائی ہوئی تھی۔ بڑا نازک سا سراپا تھا۔ اشتیاق احمد کو راستے ہی یہ معصوم سی پیاری فکر مند لڑکی بہت بھا گئی تھی اور اس کے بارے میں سوچتے سوچتے ان کا خیال اپنے اکلوتے بیٹے کی طرف چلا گیا۔

وہ مسکرا دیئے۔

" سلام چچا جان !" وفا کے ایک دم سلام کرنے پر وہ چونک اٹھے۔

" اب آپ کی طبیعت اچھی ہے نا ابوجی " وہ اعجاز الحسن کے قریب بیٹھتے ہوئے بولا۔

" ہاں بیٹی — اب میں ٹھیک ہوں" اعجاز الحسن پیار سے بولے۔

بسمہ بھی وہیں آگئیں۔ موسم خوشگوار تھا۔ ٹھنڈی ہوا ادھر ادھر اڑتی پھر رہی تھی۔ اشتیاق احمد کتنی دیر تک بیٹھے رہے۔

" میری دو بیٹیاں ہیں" وہ وفا کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔

" ایک تو وفا تمہاری ہم عمر ہوگی اور ایک ابھی سکول میں پڑھتی ہے"

سکول کا نام سن کر عفی جلدی سے بولی۔

" آپ کی چھوٹی بیٹی چچا جان ! کہیں آٹھویں میں تو نہیں پڑھتی"

" نہیں" وہ ہنس دیئے۔

" وہ اس سال دسویں میں ہوئی ہے"

" اور آپ کی بڑی بیٹی۔ چچا جان !" شبی بولا۔

" وہ کالج میں پڑھتی ہے بیٹے !" شفقت بھرے لہجہ میں انھوں نے جواب دیا۔

" میرے بیٹے کا نام آصف ہے وہ اعلیٰ تعلیم کے لئے باہر گیا ہوا ہے"

یہ کہتے ہوئے انھوں نے ایک گہری نظر وفا پر ڈالی۔ وفا گھبرا کے اٹھ بیٹھی۔

" کہاں چلیں بیٹی ؟" بسمہ نے اسے جاتے دیکھ کر پوچھا۔

" چائے بنا لاؤں امی "

" اپنے ابوجی کے لئے دودھ لانا ہے بیٹی !" بسمہ نے یاد دہانی کرائی۔

" مجھے یاد ہے امی " باہر سے وفا کی آواز آئی۔
چائے بناتے بناتے وفا کا دھیان ہنیل کی طرف چلا گیا۔ جانے کتنی مدت کیلئے گئے ہیں۔ کب آئیں "
وہ افسردہ سی ہو گئی۔
ایک یہ چچا جان ــ اپنے بیٹے کا اس اہتمام سے تعارف کرانے لگے۔
وہ جھنجھلا سی گئی۔ ان کا بیٹا اعلیٰ تعلیم کے لئے باہر گیا ہے تو میں کیا کروں ؟ ہنیل بھی تو اعلیٰ تعلیم کیلئے باہر گئے ہیں۔
ایک مدھم سے احساس کے تحت اس نے آنکھیں موندلیں ــ بھلا اس کا ہنیل کسی آصف سے کم ہے ــ پانی کب کا کھول رہا ہے ــ وہ چونک کے اس کی طرف متوجہ ہوئی۔ گھبراہٹ میں ہاتھ گرم کیتلی سے چھو گیا۔
" اوہ ! " اس نے ہاتھ جلدی سے دبا لیا۔
پھر کسی کے ہونٹ ایکدم سے اس کے ہاتھ سے چھو گئے ــ اس نے تڑپ کے ہاتھ کھینچ لیا ــ لیکن ــ وہاں نہ ہونٹ تھے ــ نہ خود ہونٹوں والا۔

پی۔ آئی۔ اے کا بھاری بھرکم سبک رفتار طیارہ ہندوستان کی فضاؤں میں اڑے چلے جا رہا تھا۔ کچھ مسافر دوربینوں کے ذریعے باہر کا نظارہ کر رہے تھے۔ کچھ اخبارات اور رسائل سے دل بہلا رہے تھے۔ وفا بے کس اور اور خاموش سی گود میں ہاتھ رکھے خیالات میں غرق تھی۔ اس کی برابر سیٹ پر اشتیاق احمد جم کاربٹ کی شکاریات پر ایک مشہور کتاب کا مطالعہ کر رہے تھے۔

خوبصورت اور خوش اخلاق فضائی میزبان نے وفا کو مغموم اور اداس پایا تو ایک دلفریب مسکراہٹ کے ساتھ اس پر جھک گئی۔

"کسی چیز کی ضرورت؟"

وفا نے چونک کے اسے دیکھا۔ ساتھ بیٹھے ہوئے اشتیاق احمد بھی اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"بیٹی! طبیعت تو ٹھیک ہے۔؟"
"جی ہاں چچا جان! میں بالکل ٹھیک ہوں" وفا نے اشتیاق احمد کی تسلی کرنے کو
بشاش ہوتے ہوئے جواب دیا اور پھر مسکرا کے فضائی میزبان کی طرف دیکھا۔
"شکریہ! مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔"

فضائی میزبان دوسرے مسافروں کی اور مڑ گئی۔ اشتیاق احمد پھر سے کتاب میں کھو گئے۔ وفا نے لمحہ بھر کو ان کے سنجیدہ اور مشفق چہرے کو دیکھا اور خیالات کے جزیرے میں اتر گئی۔

اعجاز الحسن کے پھیپھڑے کے قریب ہونے والا درد اب جلدی جلدی اٹھنے لگا تھا جب درد سے بے حال ہوتے تو سب کے چہرے مایوسی سے لٹک جاتے اور جب افاقہ ہوتا تو پھر سے وہی معمولات۔ صبح دفتر جاتے۔ واپس آ کے تھوڑا آرام کرتے پھر بچوں کو ادھر ادھر پھرانے جاتے۔ بڑی عجیب سی فضا تھی۔ کبھی مسکرا دیے کبھی رو دیئے۔

اشتیاق احمد موسم خراب ہونے کی وجہ سے اپنے شکاری پروگرام میں رد و بدل کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ فارغ وقت میں یا تو شکاریات کے موضوع پر اپنی دل پسند کتابیں پڑھتے یا پھر دن کا بہت سا حصہ اعجاز الحسن کے ہاں گزارتے۔ اعجاز الحسن کے گھر میں ان کا استقبال بڑے جوش و مسرت سے کیا جاتا۔

جب سے نوید چھٹی ختم کر کے واپس لوٹا تھا۔ ان کی اہمیت اس گھر میں زیادہ ہی بڑھ گئی تھی۔ وقت بے وقت ان سے مدد لینے کی توقع تھی۔ پھر وہ اعجاز الحسن کے پاس بیٹھے وقت گزاری کو شکار کے متعلق ایسی دلچسپ باتیں کرتے کہ نفی، شیزی تک سننے کو کھنچے

چلے آتے جن دنوں اعجاز الحسن کے تکلیف زیادہ ہوتی۔ وہ بچوں کو باہر لے جاتے۔ انہیں سہمے سہمے عفی، شیبی ہشاش بشاش کرنے کا گر آتا تھا۔ اِدھر اُدھر لمبی سیر پہ لے جاتے۔ ایک تو بچے سیر سے لطف اندوز ہو لیتے ۔ اعجاز الحسن کی بگڑتی حالت سے پیدا کردہ پریشانی میں کمی ہو جاتی۔

نسیمہ اور وفا اعجاز الحسن کی گرتی ہوئی صحت سے کافی پریشان تھیں۔ وفا کو تو دو دو پریشانیاں تھیں۔ ایک طرف پیارے ابوجی کی دلجوئی اور تیمارداری اور دوسری طرف پریشان حال ماں کی تسلی ۔ گھر میں کام کرنے کو ایک ملازمہ موجود تھی لیکن وفا اعجاز الحسن کے لئے پرہیزی کھانا خود تیار کرتی ۔ نسیمہ لاکھ روکتیں۔ لیکن وہ ذرا جو منع ہو۔

" امی! آپ ابوجی کے پاس جائیے۔ شاید انہیں کسی چیز کی ضرورت ہو! "

اور نسیمہ چپ چاپ اعجاز الحسن کے کمرے کی طرف بڑھ جاتیں۔ وہ ٹھیک ہی تو کہتی تھی جانے انہیں کب کس چیز کی ضرورت پڑ جائے۔ سارے دن کی تھکی جب رات پڑھنے بیٹھتی تو لفظ مٹنے جاتے۔ اسے معلوم تھا کہ ڈاکٹر جس کسی آخری فیصلے پر پہنچنے سے ہچکچا رہے ہیں تو ضرور کوئی خطرناک بات ہے۔ پیٹ میں پھوڑا تو عام سی بات ہو چکی تھی۔ لیکن پھیپھڑے میں پھوڑا۔ اس تصور سے وہ کانپ جاتی اور اس عالم میں دعا کیلئے بھی الفاظ نہ مل پاتے۔

نوید کے خط ہر دوسرے تیسرے دن چلے آتے۔ وہ باپ کو جس حالت میں چھوڑ کر گیا تھا وہ خاصی فکر انگیز تھی۔ کبھی کبھار کاشف کا خط بھی آجاتا۔ وہ بھی اعجاز الحسن کے بارے میں کافی فکر مند تھا۔ انھوں نے اسے باپ کا پیار دیا تھا۔ پھر کیسے نہ وہ ان کے لئے غمگین ہوتا۔ بعض اوقات وہ اپنے خطوط میں بنیل کا ذکر بھی کر دیتا۔ لیکن اب

وفا کیلئے بنیل کا ذکر کوئی خاص بات نہ رہی تھی ۔ ہر لمحہ شمع کی مانند پگھلتے اعجاز الحسن نے اس کے لطیف جذبات کو ایک گہری سوچ میں بدل کر رکھ دیا تھا۔

گرما کی طویل چھٹیاں بڑی تیزی سے ختم ہو رہی تھیں ۔ واپسی لازم تھی۔ مگر اعجاز الحسن کو تنہا چھوڑنا بھی ممکن نہ تھا اور جہاں تک انہیں ساتھ لے جانے کا سوال تھا تو وہ چھٹی لینے پر رضامند نہ تھے ۔ ایک دن یونہی وفا نے کہہ دیا۔

" ابو جی! چند دن کے لئے چھٹی لے لیجئے ؟"

" کیوں ؟ " وہ چونک کے بولے۔

" ذرا آرام ہی کر لیجئے گا۔"

اور اعجاز الحسن نے ایکدم اٹھ کے بیٹی کو شانوں سے تھام لیا۔

" کیا میں بہت زیادہ بیمار ہوں وفا!"

وفا نے ایک نظر ان کے سنجیدہ چہرے پر ڈالی اور پیار سے بولی ۔

" ایسی تو کوئی بات نہیں ابو جی ۔ میں نے تو یونہی کہہ دیا تھا۔"

ڈاکٹر سے مشورہ کیا گیا ۔ اشتیاق احمد سے صلاح لی گئی اور یہی طے پایا کہ لبسمہ اعجاز الحسن کے پاس رک جائیں ۔ عقی، شیبی ماں کے بغیر ایک پل بھی گزارنے کو تیار نہ تھے۔ اس لئے انہیں سکول سے ایک ایک ماہ کی چھٹی دلوانے کا فیصلہ کیا گیا ۔ وفا نے ہاسٹل میں داخلے کے لئے پہلے ہی خط لکھ دیا تھا ۔ سب نے سوچا کہ ایک ماہ بعد کسی نہ کسی طرح وہ اعجاز الحسن کو چھٹی لینے پر راضی کر لیں گی اور یوں ذرا آب و ہوا کی تبدیلی سے دل بھی بہل جائے گا اور بہت ممکن ہے صحت بحال بھی ہو جائے ۔

اعجاز الحسن لبسمہ اور بچوں کے رک جانے سے بہت خوش تھے لیکن وفا کو اتنی

دور تہا بھیجنے کے خیال سے افسردہ تھے۔ بسمہ بھی بیٹی کے جانے کے خیال سے اداس تھیں۔ خود وفا کی حالت بھی ان دونوں سے مختلف نہ تھی لیکن خود کو سنبھالے ہوئے تھی۔ چھٹی لینا اس کے لئے ممکن نہ تھا۔ آخری سال تھا اور بڑی محنت کی ضرورت تھی۔ عقفی، شیبی ابو جی کے پاس آنے کے خیال سے بہت خوش تھے۔ لیکن لالہ کے بعد باجی سے جدائی کے تصور نے انھیں نڈھال سا کر دیا تھا۔ دونوں بڑی سنجیدگی سے اپنی کتابوں میں مصروف ہو گئے تھے۔

اشتیاق احمد پچھلے چار پانچ مہینوں سے سلہٹ میں مقیم تھے اور اب فتنہ کارکاو ختم بھی نہ رہا تھا اس لئے انھوں نے بھی واپسی کا پروگرام بنانا شروع کر دیا۔ پھر اچانک ہی انہیں اپنی بیوی کی بیماری کا خط ملا۔ جو دل کی مریض تھیں۔ بہترا علاج کرایا لیکن افاقہ نہ ہونا تھا نہ ہوا۔ پیچھے گھر میں دونوں بچیاں تھیں۔ آصف باہر تھا۔ رشتہ دار تو ان گنت تھے لیکن وہ اپنی ذمہ داری کو خوب پہچانتے تھے۔ اس لئے وفا کے ساتھ ہی واپس جانے کا فیصلہ کر لیا۔ ان کے ساتھ جانے سے اعجاز الحسن اور بسمہ مطمئن ہو گئے تھے ایک تو وفا راستے میں تنہائی محسوس نہ کر سکے گی دوسرے انھوں نے وعدہ کیا تھا کہ وہ وفا کو ہاسٹل بھجوا کر اپنے گھر جائیں گے۔

اور آج وفا آنسوؤں کے بند روکتی ہوئی بہن بھائیوں اور ماں باپ کو خدا حافظ کہہ کے اشتیاق احمد کے ساتھ واپس جا رہی تھی۔ بار بار عقفی، شیبی، بسمہ اور اعجاز الحسن کی شکلیں نگاہوں میں گھوم رہی تھیں۔ پہلا موقع تھا جو ان سب سے نامعلوم عرصہ کے لئے جدا ہو رہی تھی۔ ہاسٹل میں پہلی بار رہنا تھا۔ جانے وہ اس ماحول کی عادی بھی ہو پائے گی یا نہیں۔ سوچوں میں گم تھی کہ فضائی میزبان کی آواز ابھری۔

"تمام مسافر اپنی پیٹیاں باندھ لیں۔ جہاز زمین پر اترنے والا ہے۔"
وفا نے چونک کے باہر دیکھا۔ نیچے ایئرپورٹ کی خوبصورت و جدید عمارت گڑیا گھر معلوم ہو رہی تھی۔ جہاز رن وے پر دوڑتے ہوئے رکا تو ایک دم سے ہر طرف چل پہل مچ گئی۔ مسافر باری باری اترنے لگے۔ وہ بھی اشتیاق احمد کے پیچھے پیچھے اتر گئی۔ ایسی لٹی لٹی کہ اشتیاق احمد بھی پریشان ہو اٹھے۔
"وفا! تم کچھ نڈھال نڈھال سی نظر آ رہی ہو بیٹی!"
"نہیں چچا جان! بس عقی، شیبی ذرا یاد آ رہے ہیں۔" وہ خود پر قابو پاتے ہوئے بولی۔
"تم باہمت لڑکی ہو۔ تمہیں دکھی اور بیمار انسانوں کیلئے دوا بنتا ہے۔ اگر خود ہی ہمت ہار بیٹھیں تو پھر یہ فرض کیسے ادا کرو گی۔" وہ سمجھاتے رہے۔
"چچا جان! امی کی بیماری نے مجھے خلجان میں ڈال رکھا ہے۔ چاہوں بھی تو ان کی طرف سے مطمئن نہیں ہو سکتی۔"
وفا رندھی رندھی سی آواز میں بولی۔
"خدا بڑا کارساز ہے بیٹی! تم دعا کرو۔ وہ ضرور تمہاری دعا سنے گا۔" اشتیاق احمد شفقت سے بولے۔ وفا کے لبوں پر آپ ہی آپ دعا مچل گئی اور پھر وہ اتنی پرسکون ہو گئی کہ ساری پریشانی پر لگا کے اڑ گئی۔
اگلے دن اشتیاق احمد اسے ہاسٹل میں داخل کرا کے اور اس کی طرف سے پوری طرح مطمئن ہو کے اپنے ہوٹل چلے آئے۔ شام کی فلائیٹ سے وہ گھر جانے والے تھے۔ بیگم کے بارے میں خاصے پریشان تھے۔

وفا گھر کے ایسے خوب صورت ماحول سے ہاسٹل میں آئی تو اسے گھٹن کا سا احساس ہوا اور احساس کو زائل کرنے کے لئے وہ اپنے کمرے میں آ کے بسمہ کو خط لکھنے بیٹھ گئی نوید کو بھی اپنی آمد سے مطلع کیا۔ کاشف اور نوشابہ کو تمام حالات بتانے کے لئے تفصیل سے خط لکھا۔ وہ جانتی تھی کہ اگر اس نے اعجاز الحسن کے بارے میں تفصیل نہ لکھی تو کاشف اسے کبھی نہ چھوڑے گا۔ پھر غم کو دور کرنے کے لئے بھی تو اس اظہار کی ضرورت ہے۔

خط لکھ کے وفا سونے کو لیٹی تو بوجھ کافی حد تک ہلکا ہو چکا تھا۔

کاشف کو خط لکھتے لکھتے دھیان بنیل کی طرف چلا گیا پھر سب کچھ یاد آتا رہا۔ اس کی باتیں، شرارتیں، پیار، غصّہ اور دیوانگی۔

"مجھے پیار کی ڈور میں باندھ کے خود پرائے دیس اڑ گئے۔" اس نے کروٹ بدلتے ہوئے سوچا — اور پیچھے — ایسے لمبے لمبے فاصلے پھیل گئے۔ کہ انہیں سمیٹنے کی کوشش بیکار ہو کے رہ جائے۔ وفا نے بیٹھتے ہوئے ہاتھوں میں سر لیتے ہوئے یاد کے نشتروں سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہا۔

"جان چھڑانا چاہتی ہو مجھ سے وفا!" بنیل سنجیدگی سے بولا۔

وفا ہنس دی۔ بولی کچھ نہیں۔

"بتاؤ —" وہ اس پر جھکتے ہوئے بولا۔

"نہیں —" وفا مسکرائی۔

"مفت کا محافظ مل گیا۔ میں کاہے کو ناشکری کرنے لگی۔"

ٹھک — ٹھک — تصورات کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ وفا چونک کے اٹھی۔ دروازے پر ساتھ والے کمرے کی لڑکی کھڑی تھی۔

" آیئے ۔۔۔!" وفا نے راستہ چھوڑتے ہوئے کہا۔

" جی نہیں شکریہ" لڑکی مسکرا کے بولی۔

" میرا نام عاصمہ ہے۔ میں ساتھ والے کمرے میں رہتی ہوں۔ اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو ہم حاضر ہیں"

وفا عاصمہ کے خلوص سے متاثر ہوئی۔

" آپ کا بہت بہت شکریہ!" وفا پُرخلوص لہجے میں بولی۔

" فی الحال مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں"

" اچھا ۔۔۔ پھر خدا حافظ ۔۔!"

" اگر آپ تھوڑی دیر رک جائیں ۔ تو ؟" وفا نے اسے جانے پر آمادہ دیکھ کر کہا۔

" اگر آپ میرے رکنے سے خوش ہو جائیں تو بصد شوق رکوں گی۔" جاتی جاتی عاصمہ پلٹ آئی۔ وفا نے چائے بنائی دونوں نے پیتے ہوئے کافی باتیں کیں۔ عاصمہ خود بھی وہاں نئی تھی۔ وہ ڈھاکہ میڈیکل کالج سے مائیگریشن کروا کے یہاں آئی تھی۔ اس کی والدہ بچپن میں فوت ہو چکی تھیں۔ ایک بڑا بھائی تھا جو گورنمنٹ سکالرشپ پر کینیڈا ڈاکٹری کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے گیا ہوا تھا۔ والد اعلیٰ عہدے پر فائز تھے ۔ رہتے وہ اسی شہر میں تھے۔ لیکن آئے دن دوروں پر جاتے رہتے تھے اس لیے عاصمہ کو ہاسٹل میں داخل کرا دیا تھا۔ وفا نے بھی عاصمہ سے اپنے مختصر حالات اور ہاسٹل میں آنے کی وجہ بتائی۔ عاصمہ بہت متاثر نظر آ رہی تھی۔ دونوں پہلی ہی ملاقات میں اس حد تک گھل مل گئی تھیں کہ جب رات گئے وفا نے اسے اپنے

کمرے میں جانے کے لئے خدا حافظ کہا تو وفا مسکرا کے بولی

" ہمارے کمروں میں ہے تو صرف ایک دیوار۔ لیکن یوں معلوم ہوتا ہے جیسے دوسرے شہر میں جا رہی ہوں۔"

وفا مسکرا دی اور اس کی مسکراہٹ میں اطمینان، خوشی اور پیار کے جذبات ایک ساتھ چھلک آئے تھے۔

سورج ڈھل چکا تھا۔ شام کے ہلکے ہلکے سائے پھیلنے شروع ہو گئے ہیں۔ دن بھر جو گرمی کی شدت تھی۔ اب خوشگوار موسم میں بدل گئی ہے۔ اشتیاق مینشن کے خوبصورت لان کے وسط میں چند ایک کرسیاں بچھی ہیں۔ درمیان میں میز پڑی ہے۔ عذرا آرام کرسی پہ نیم دراز دور افق پہ پھیلی شفق کو بڑی دلچسپی سے دیکھ رہی ہے ذرا دور ہٹ کر بینا۔ نچی کو بیٹھی کشیدہ کاری کر رہی ہے۔ اس کا سر جھکا ہوا ہے اور بالوں کی چند لٹیں پیشانی پہ ہلکے ہلکے جھول رہی ہیں۔ ملازمہ دبے پاؤں آتی ہے۔ عذرا چونک کے گھومتی ہیں اور سوالیہ نظریں اس کے چہرے پر گاڑ دیتی ہیں۔

"چائے لے آؤں بیگم صاحبہ!"

"اوہ!" عذرا کرسی کی اپشت سے سر ہٹاتے ہوئے متکر مندسی ہو جاتی ہے۔

"تمہارے ابا ابھی تک نہیں آئے بینا؟"

بینا جو اپنی چیزیں سمیٹ رہی ہے۔ بال ہٹا کے مسکراتے ہوئے کہتی ہے۔
" بینا کی فرمائشوں کا سلسلہ ختم نہ ہوا ہوگا ابھی؟"
" جانے یہ لڑکی بھی کیا ہے؟ بھلا اس وقت بازار جانے کی کیا تک تھی؟"
عذرا آپ ہی آپ کہتے ہوئے ملازمہ کی طرف متوجہ ہوتی ہیں۔
" دیکھو ہمارے لئے چائے لے آؤ۔ بینا اپنے ابا کے ساتھ پی لے گی؟"
ملازمہ ابھی لوٹی بھی نہیں کہ اشتیاق احمد کی کار گیٹ میں نمودار ہوتی ہے۔
" لیجئے! صاحب بھی آگئے بیگم صاحبہ! میں ان کے لئے بھی چائے لے آتی ہوں۔"
ملازمہ یہ کہتے ہوئے روش پر گم ہو جاتی ہے۔
بینا باپ اور بہن کی پذیرائی کے لئے آگے بڑھتی ہے۔ عذرا آرام کرسی پر نیم دراز رخ ان کی طرف موڑ لیتی ہیں۔ دونوں باپ بیٹی چیزوں سے لدے پھندے چلے آرہے ہیں
" آج بہت خریداری کی ہے؟" عذرا مسکراتے ہوئے کہتی ہیں۔
" ہاں ـــ آج بس کچھ موڈ ہی بن گیا۔" اشتیاق احمد عذرا کے سامنے والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولے۔ بینا نے ان سے پیکٹ لے کر خالی کرسی پر رکھ دیئے
" ڈیڈی! کھول کے دکھاؤں ہم کیا کیا لائے ہیں؟" بینا کنکھیوں سے ماں کو دیکھتے ہوئے کہتی ہے۔
" پہلے چائے پی لو بہن۔ تمہارے انتظار میں آج بہت دیر ہو گئی ہے" اور بینا نے ایک تھکی سی سانس کھینچ کے کرسی سے ٹیک لگالی۔

ملازمہ چائے لے کر آئی تو بینا نے چائے بنائی ۔

" بینا! اپنی امی کو دودھ میں ذرا قہوہ ملا دو۔"

" بہت اچھا ابا جان!"

بینا نے جھک کے دودھ دان اٹھایا۔ اور کپ عذرا کی طرف بڑھایا ـــــ

" یہ سفید چائے کب تک پینی پڑے گی!" عذرا افسردگی سے اشتیاق احمد کی طرف دیکھتے ہوئے بولیں۔

" جی اوبھر گیا پیتے پیتے!"

" چلو! کل سے اوولٹین پیا کرو گی ۔ یہ چائے بند!"

عذرا نے آنسو پیتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں۔ بینا اور بنیا دونوں پریشان ہو اٹھیں۔

" امی! ـــ" بینا ان کے رخسار پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پیار سے بولی۔ عذرا نے آنسو پیتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں۔ بینا اور بنیا دونوں پریشان ہو اٹھیں

" امی! ـــ" بینا ان کے رخسار پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پیار سے بولی۔

عذرا نے آنکھیں کھول دیں۔ بینا کی صورت میں آصف کی صورت ابھر آئی۔

" آصف! ـــ" عذرا کی رندھی رندھی سی آواز میں بولیں۔

" عذرا ـــ!" اشتیاق احمد جلدی سے عذرا پر جھک گئے۔

" آصف کو بلا دیں اشتیاق ـــ میرا دل ڈوب رہا ہے ـــ" عذرا کمزور سی آواز میں بولیں۔

" ہمت نہ ہارو عذرا ۔ آصف بہت جلد واپس آجائے گا!"

لیکن عذرا بے یقینی کے عالم میں روئے جا رہی تھیں۔ ماحول خاصا سوگوار ہو رہا تھا اشتیاق احمد بے بس سے تھا کے ہاتھوں مجبور عذرا کے چہرے پر نظریں گاڑے کھڑے تھے۔ ایکدم سے انہیں کچھ یاد آیا اور جیب میں سے کچھ نکالتے ہوئے کہا۔
" دیکھو عذرا ــ آج تمہارے بیٹے کا خط آیا ہے۔ تمہیں دنیا یاد ہی نہ رہا "
آصف کے خط کا سن کر عذرا نے دھندلائی دھندلائی آنکھوں سے اشتیاق احمد کے ہاتھ میں پکڑے نیلے لفافہ کو دیکھا اور پھر پکڑنے کو بے قراری سے ہاتھ آگے بڑھایا۔
اشتیاق احمد نے لفافہ تھما دیا۔
خط پڑھ کر عذرا کچھ سنبھل گئیں۔ بینا اور بینا کے چہروں پر بھی رونق آگئی۔ چائے ختم ہوئی تو اندھیرا پھیل رہا تھا۔
" کیوں بینا بیٹی! آج یہیں بیٹھنا ہے " اشتیاق احمد بینا سے مخاطب ہوئے۔
" نہیں اب اندر چلتے ہیں ابا جان۔" بینا اٹھتے ہوئے بولی۔
ملازمہ برتن لے کر چلی گئی۔ بینا نے ماں کو سہارا دیا۔ بینا اور اشتیاق احمد نے خریداری کے پیکٹ لئے۔
" موسم آج اچھا تھا، خوشگوار ہے " اشتیاق احمد عذرا کی خاموشی توڑنے کو بولے۔
" ہاں " عذرا کھوئی گئیں " پچھلے برس ان دنوں آصف یہیں تھا "
بینا نے پردے کھینچ دیئے اور پنکھا ہلکا سا کھول دیا۔ بینا قالین پر بیٹھ گئیں۔ عذرا ان کے قریب صوفے پر نیم دراز ہو گئیں۔ اشتیاق احمد نے اپنے لئے کرسی کھینچ لی۔
" اچھا ـــــ اب اپنی چیزیں دکھا دینا؟ " بینا پیکٹ آگے کو کھسکاتے

ہوئے بولی

بینا نے مسکرا کے بال سنوارے اور ایک بڑا سا پیکٹ کھولا۔ تین سنہری چوڑے چوڑے ڈبے نکل پڑے۔ پہلے ڈبے میں سے ہلکی پیازی، دوسرے میں آسمانی اور تیسرے میں سے دھانی رنگ کی جھلملاتی ہوئیں نفیس ساڑھیاں پھسل پڑیں۔

"دیکھئے — امّی!" سینا مسکراتے ہوئے بولی۔ "بینا بھی اپنے لئے ساڑھی لے آئی ہے۔"

عذرا نے پیار بھری نگاہیں بینا کے چہرے پر ڈالیں اور اشتیاق احمد ہنستے ہوئے بولے۔

"یہ تیسری ساڑھی۔ بینا کیلئے نہیں۔ بلکہ ہماری بہو کے لئے ہے۔"

"بہو کے لئے؟" عذرا کے ساتھ ساتھ سینا اور بینا نے چونک کے اشتیاق احمد کو دیکھا۔

"ہاں۔ہاں بہو کے لئے۔" اشتیاق احمد سنجیدگی سے بولے۔

"میں نے اپنے آصف کے لئے لڑکی پسند کرلی ہے۔ ایسی معصوم، پیاری اور نیک کہ تم لوگ دیکھو تو بس دیکھتے ہی رہ جاؤ۔"

"کہاں رہتی ہے؟ کیسی ہے؟ کس کی بیٹی ہے؟" عذرا نے صوفے کا سہارا چھوڑ کر تے ہوئے جلدی سے کئی سوال کر ڈالے۔

"میں نے اسے سلہٹ میں دیکھا تھا۔ وہاں اس کے والد چائے کے باغات کے منیجر ہیں۔ بڑی خوب صورت ہے ماشاءاللہ۔" اشتیاق احمد کی نگاہوں تلے وفا کا خوب صورت سراپا پھر گیا۔

" وہ بنگالن ہوں گی ابا جان ۔" بینا آنکھیں چمکاتے ہوئے بولی۔
" لمبے لمبے بال، موٹی موٹی آنکھیں ۔ ہائے کتنی پیاری ہوں گی ہماری بھابی ۔"
بینا اچھل کے عذرا کے قریب جا بیٹھی ۔
" بنگالن نہیں ۔لیکن بال واقعی اس کے لمبے ہیں اور باقی تم خود اسے دیکھ لینا ۔"
" نام کیا ہے اس کا ؟ " عذرا نے سامنے دیوار پر لٹکی آصف کو تصویر کو دیکھتے ہوئے پوچھا ۔
" وفا ۔۔" اشتیاق احمد مسکرائے ۔
" بڑا پیارا نام ہے ۔" عذرا بھی مسکرا دیں ۔
بینا اور بینا کھانا دیکھنے چلی گئیں ۔ تو عذرا آصف کی شادی کا تصور لے بیٹھیں ۔
اشتیاق احمد نے اعجاز الحسن کے پورے گھرانے کا تعارف عذرا سے کرایا ۔
عذرا عقبی شیبا کے ذکر پر مسکرادیں ۔
" نوید تو بالکل اپنے آصف کی طرح ہے ۔" اشتیاق احمد مسرور سا بولے ۔
میں ان کے گھر ضرور جاؤں گی ۔ اتنے پیار بھرے گھر سے تعلق پیدا کرنا ہماری خوش قسمتی ہوگی ۔" عذرا متاثر ہوتے ہوئے بولیں ۔
" ہاں ۔۔ تم نے ٹھیک کہا عذرا ۔"
عذرا رات گئے تک اشتیاق احمد سے وفا کی باتیں سنتی رہیں ۔ وفا کا چہرہ مختلف زاویوں سے سامنے آتا ۔لیکن اصلی وفا کیسی ہوگی ۔ وہ یہ سوچتے سوچتے سوگئیں ۔
آصف ان کا اکلوتا بیٹا تھا ۔۔۔۔ پھر بینا اور بینا تھیں ۔ عذرا کو اپنے

بچوں سے والہانہ پیار تھا۔ لیکن آصف تو انہیں جان سے بھی زیادہ پیارا تھا۔ ایک پل کو آنکھ سے اوجھل نہ ہونے دیا۔ آصف کے سر دکھنے کو آتا تو ماں کی جان پہ بن جاتی۔ آصف کو بخار چڑھتا تو عذرا خود برسوں کی بیمار نظر آتیں۔ انجینئرنگ کا کورس کرنے کے لئے جب وہ ہاسٹل میں چلا گیا تو روز خط ـــ روز خط ـــ اشتیاق احمد بیوی کی دیوانگی پر ہنستے لیکن عذرا کو بھلا کس کی پرواہ تھی۔ گھر ان کے آنگن میں چھاتی اور میلوں دور بیٹھا آصف انہیں بھیگتا نظر آتا۔

دل کی پرانی مریضہ تھیں۔ آصف مہینے پندرہ دن بعد خود آجاتا یا کبھی دم بھر کو اشتیاق احمد، عذرا اور بیٹیوں کو لے کر آصف سے ملنے چلے جاتے اور یوں یہ سلسلہ برسوں جاری رہا لیکن جب آصف نے مزید تعلیم کے لئے باہر جانے کی خواہش ظاہر کی تو عذرا کی جان پہ بن گئی۔ اشتیاق احمد کے آگے پیچھے پھرتیں۔

" خدا کے لئے آصف کو روک لیجئے۔ میں اس کے بنا ایک پل نہ جی سکوں گی۔"

" تم تو دیوانی ہو ـــ !" اشتیاق احمد مسکرا دیئے۔ ساری دنیا باہر پڑھنے جاتی ہے وہ کوئی انوکھا تو نہیں جا رہا۔"

" مگر میں اپنے دل پر پتھر کیسے رکھ دوں۔"

لیکن انہیں سینے پر پتھر رکھنا ہی پڑا۔ جب آصف نے ماں کو یوں بے کل دیکھا تو اپنے آپ کو ماں کی مرضی پر چھوڑ دیا۔

" اگر آپ مجھے خوشی سے جانے کی اجازت دیں تو میں ضرور جاؤں گا۔ امی جان! ورنہ ـــ نہیں ـــ۔"

کہاں تو عذرا دن رات اسے روکنے کی کوشش کر رہی تھیں اور کہاں اس کی ذرا سی

سنجیدگی پر اپنی تمنا کو قربان کر ڈالا۔

"تم خوشی سے جاؤ میرے بیٹے! ــــ میں تمہاری کامیابی کی راہ میں حائل نہیں ہونا چاہتی ـــ"

عذرا کی رضامندی ملتے ہی جھٹ پٹ تیاریاں شروع ہو گئیں اور چند دنوں کے توقف سے آصف ایک لمبے عرصے کے لئے والدین اور بہنوں سے دور چلا گیا۔
عذرا کی طبیعت معمول کے مطابق تھی۔ اشتیاق احمد تنسکار کے لئے ساہٹ چلے گئے۔ دن خاموشی سے گزر رہے تھے۔ بینا سکول میں تھی۔ بینا بی۔ اے کر چکی تھی۔ اس نے ماں کو تنہائی کا احساس بھی نہ ہونے دیا لیکن ایک دن اچانک ہی عذرا کے دل کو کچھ ہوا اور پھر بات کئی دنوں پر پھیل گئی۔ عزیز رشتہ داروں نے کئی ڈاکٹروں سے مشورے طلب کئے چند دنوں کے لئے ہسپتال بھی داخل ہوئیں۔ لیکن نہ اشتیاق احمد کو اطلاع کرنے دی اور نہ ہی آصف کو۔ البتہ بے ہوشی میں آصف آصف پکارتیں۔ جب ہوش میں آتیں تو کھوئی کھوئی آواز میں بینا سے پوچھتیں۔

"آصف آیا تھا؟"

"ہم آصف بھائی کو بلوا لیں امی جان!" بینا پوچھتی۔

عذرا لرز جاتیں۔

"نہیں ـ نہیں ـ"

ان کی اس متضاد کیفیت سے گھبرا کے بینا نے باپ کو اطلاع کر دی۔ اشتیاق احمد نے آ کر عذرا کو بہت کچھ سنبھال لیا تھا۔ لیکن دیکھنے والے یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہتے تھے۔ کہ آصف سے دوری کا گھن انہیں اندر ہی اندر کھائے جا

رہا تھا۔ اشتیاق احمد بھی متوحش تھے۔

لیکن آج انھوں نے وفا کا ذکر کر کے عذرا کو بہت کچھ بہلایا تھا۔ وہ یہ سوچ کر بڑے مسرور تھے کہ شاید وفا کی ذات ان کے ذہن سے آصف کا احساس کھرچ دے ۔ ان کی یہ سوچ صحیح تھی یا غلط۔ مگر اس کا آغاز کافی خوش کن تھا وفا کے ذکر کے بعد وہ وفا ہی کی باتوں میں کھوئی رہی تھیں اور مدت بعد پر سکون نیند سوئی تھیں۔

وفا کو ہاسٹل آئے دوسرا مہینہ جا رہا تھا۔ عفی ہشیی کے سکول سے مزید چھٹیاں منگالی تھیں۔ بسمہ نے اعجاز الحسن کو ساتھ چلنے پر راضی کر لیا تھا۔ لیکن ایکدم ہی اوپر تلے دو تین بار پڑنے والے درد کے دوروں نے انہیں اس قدر نڈھال کر دیا تھا کہ آنا جانا ممکن نہ رہا تھا۔ وفا کا دل چاہتا اپنی دکھی ماں اور بیمار باپ کے پاس اڑ کے جا پہنچے۔ لیکن مجبور تھی آخری سال تھا۔ ہسپتال میں ڈیوٹی لگ چکی تھی۔ وارڈ میں گھومتے پھرتے مریضوں کے چہروں میں اسے اعجاز الحسن کا چہرہ ابھرتا نظر آتا۔ اس کے لئے درد سے بے حال اور بیماری سے نڈھال ہر مریض اعجاز الحسن بن گیا تھا۔ اس کے دوسرے ساتھی بڑی شفقت اور محبت سے ان دکھی مریضوں کے زخموں پر مرہم رکھتے۔ لیکن وفا جیسا درد ان کے پاس نہ تھا۔ وہ تو دیوی تھی جو اپنے دکھوں کا علاج دوسروں کے دکھ مٹا کے کرنا چاہتی تھی۔

اتوار کا دن ہولے ہولے سرمگیں شام میں ڈھل گیا۔

وفا نے لیٹے لیٹے پہلو بدلا اور چپ چاپ یادوں میں کھو گئی۔ عاصمہ آج گھر گئی ہوئی تھی۔ اس کے والد آج کل وہیں پہ تھے۔ دوسرے اگلے ہفتے اس کے بھائی واپس لوٹ رہے تھے شام تک لوٹ آنے کا وعدہ تھا لیکن ابھی تک آئی تھی اس کی وجہ سے وفا کا دل بہت کچھ لگا رہتا تھا۔ دور کہیں موذن کی اذان فضاؤں میں رس گھولتی ابھری۔ وفا جلدی سے دوپٹہ سر پر اوڑھتے ہوئے ہاتھوں میں چہرہ تھام کے پاؤں لٹکا کے بیٹھ گئی پھر اسے کچھ پتہ نہ چلا کہ وہ کب تک اس کیفیت میں بیٹھی رہی۔ اچانک عاصمہ کی آواز سے چونک اٹھی۔

"ہیلو! وفا ــــ بڑی چپ چاپ بیٹھی ہو" عاصمہ بلب روشن کرتے ہوئے اس کے قریب آگئی۔

وفا مسکرا دی۔ عاصمہ نے آکے اس کے خیالات کا رخ موڑ دیا تھا "شکر ہے تم آگئیں میں تو نا امید ہی ہو گئی تھی"

عاصمہ نے کھڑکی میں جھکتے ہوئے باہر کا جائزہ لیا اور پھر پلٹتے ہوئے بولی۔

"ڈیڈی تو روک رہے تھے لیکن تمہاری وجہ سے آگئی ـ"

"بڑا خیال ہے ہمارا ــ!" وفا اٹھتے ہوئے بولی۔

عاصمہ نے اسے شوخ نظــروں سے دیکھا اور پھر کرسی پر ڈھیر ہوتے ہوئے بولی۔

"تمہاری تنہائی کا خیال ہے۔ تمہارا تو بالکل نہیں۔" پھر پیر میز کے کنارے پر ٹکاتے ہوئے نگاہیں وفا کے چہرے پر گاڑ دیں۔

"تمہاری اتوار کیسے گزری — ؟"

"میری اتوار —" وفا مسکرادی۔

"بہت اچھی گزری —"

"چہرے پر تو نور برس رہا ہے ہیں؟" عاصمہ نے چھیڑا۔

"وہ تو بس عادت سی بن گئی ہے۔" وفا اسٹو کے قریب اٹھتے ہوئے بولی۔

"یہ چائے وائے بعد میں بنانا۔ پہلے آج کے دن کی تفصیل بتاؤ —" جھنجھلاتے ہوئے بولی۔

"تو یہ — ذرا جو صبر ہو تم سے —" وفا مسکرائی۔

"آج بس اشتیاق چچا آئے تھے۔ چچی جان اور بینا، بینا بھی ساتھ تھیں —" عاصمہ نے پیر میز سے ہٹا لئے اور کرسی پر سیدھی ہوتے ہوئے بولی۔

"بینا، بینا کا بھائی تو ساتھ نہ تھا — ؟"

"خواہ مخواہ ہی —" وفا ہنس دی۔

"کیوں تمہارے چچا کے بیٹے کا یہاں آنا منع ہے؟" عاصمہ نے اسے چھیڑتے ہوئے کہا۔

"وہ یہاں ہو تو آئے نا —" وفا نے جھلاتے ہوئے کہا۔

"اوہو — پھر تو بڑا افسوس ہے۔" عاصمہ نے اسے تنگ کیا۔

"عاصمہ کی بچی تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے۔" وفا غصے سے بولی۔

عاصمہ کھل کھلا کے ہنس دی۔

"بس ذرا مذاق برداشت نہیں کر سکتیں ــــ لو! میں تو سو کے دماغ درست کرتی ہوں۔ تم چائے بنا لو ــ" یہ کہتے ہوئے عاصمہ وفا کی چارپائی پر لیٹ گئی۔ وفا نے چائے کے برتن صاف کئے اور پھر کیتلی میں پانی ابلنے کو رکھ دیا۔ عاصمہ تھکی ہوئی تھی۔ جلد ہی سو گئی۔ اسٹو کو جانے کیا ہو گیا تھا۔ جل ہی نہیں رہا تھا۔ ابھی صبح ہی بالکل ٹھیک تھا۔ جب انتہائی کوشش کے باوجود نہیں جلا۔ تو وفا تھک ہار کے وہیں دیوار سے ٹیک لگا کے بیٹھ گئی۔

ذہن دن کے واقعات میں کھو گیا۔ حالانکہ آج چھٹی تھی۔ لیکن آنکھ معمول سے پہلے ہی کھل گئی۔ نماز پڑھنے کے بعد پہلے تو لبیبہ کے خط کا جواب دیا۔ نوید کا خط بھی آیا رکھا تھا اسے بھی جواب دینا تھا۔ اس کام سے فارغ ہو کر ناشتہ کرنے چلی گئی۔ واپس آکر کمرہ صاف کیا۔ کتابوں کو ترتیب سے رکھا اور پھر نہانے چلی گئی۔ نہا کر نکلی تو تنہائی کا احساس بڑی شدت سے ہوا۔ عاصمہ بھی نہ تھی۔ جو اس سے ہی باتیں کر لی جاتیں۔ اداس اداس سی گیلے گھنے بالوں میں پانی کے قطرے جھاڑ رہی تھی۔

" بی بی ــــ" باہر دروازے پر بوڑھے چپڑاسی کی آواز پر چونکی۔

" کیا بات ہے بابا ؟ " اس نے دروازے کا پردہ ہٹاتے ہوئے پوچھا۔

" بی بی ــــ آپ کے وزیٹر آئے ہیں ـ "

" میرے وزیٹر ؟ "

وہ حیرت سے بولی۔

" جی بی بی ــــ " بابا یہ کہتے ہوئے مڑ گیا۔

اور وہ انگلیوں سے بال سنوارتی ہوئی اس کے پیچھے پیچھے چل دی ۔ ابھی کل ہی تو نوید کا خط آیا تھا۔ اس نے آنے کے متعلق تو کچھ نہیں لکھا تھا۔ کاشف بھائی پچھلی اتوار ہی مل کے گئے تھے۔ پھر کون ہے ۔ وہ یونہی کھوئی کھوئی بابا کے پیچھے پیچھے گیٹ تک جا پہنچی ۔ گیٹ سے ذرا ہٹ کر اشتیاق احمد کار کا دروازہ تھامے کھڑے تھے۔ ان کے قریب ہی بینا کھڑی تھی ۔ بینا اور عذرا پچھلی سیٹ پر بیٹھیں اس کی منتظر تھیں ۔ وفا کی نظر ان پر پڑی تو ایکدم سے کھل اٹھی " اوہ آپ! ــــ چچا جان! ــــ" وہ مسکرا کے آگے بڑھی ۔ پھر قریب کھڑی بینا کو لپٹاتے ہوئے پیار سے بولی ۔

" آپ غالباً بینا ہیں ! "

بینا مسکرا دی ــــ بینا کو ساتھ لپٹائے لپٹائے وہ کار کی پچھلی طرف بڑھی ۔ اتنی دیر میں بینا اور عذرا کار سے نکل چکی تھیں ۔ عذرا نے پیار سے اسے گلے لگا لیا ۔ جوگیا ریشم کے لباس میں لپٹی ، لمبے سیاہ بالوں میں معصوم چہرہ لئے وفا انہیں پہلی ہی نظر میں بھا گئی تھی ۔ بینا نے بھی اسے پسندیدہ نظروں سے دیکھا ۔ اس کا کھلا کھلا چہرہ ان کی آمد کی خوشی میں جگمگا اٹھا تھا ۔ وہ سب کو لئے اپنے کمرے میں آ گئی ۔ پھر ابو احسن کا ذکر چھڑ گیا ۔ وفا باپ کی بیماری کے متعلق باتیں کرتے ہوئے افسردہ سی ہو گئی ۔

" اعجاز بھائی یہاں کب تک آ رہے ہیں بیٹی ؟ "

اشتیاق احمد کرسی پر نیم دراز بولے ۔

" ابھی تو کوئی خاص پتہ نہیں " وفا کھوئی کھوئی سی بولی ۔

ابو جی نے چھٹیاں تو یہاں آنے کو ہی لی تھیں ۔ لیکن بیماری کی شدت کے باعث فی الحال آنے کا پروگرام ملتوی کر دیا ہے "

"وفا بیٹی! تم تو کچھ جانتی ہوگی اس بیماری کے بارے میں" عذرا نے پوچھا۔
"جی ہاں چچی جان! جانتی ہوں۔ لیکن بے بس ہوں۔ ان کے پھیپھڑے کے قریب پھوڑا در اصل کینسر ہے۔"
"کینسر ۔۔۔!" بینا جلدی سے بول اٹھی۔
بینا کا رنگ بھی فق ہو گیا اور وفا کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔ آج وہ خود ہی اپنے پیارے ابو جی کی بیماری کا اعتراف کر بیٹھی تھی۔
"وفا! روؤ نہیں بیٹی" عذرا اسے سینے سے لگاتے ہوئے شفقت سے بولیں۔
"خدا سے دعا کرو"
"چچی جان" وہ ان کے سینے سے لگی سسکتے ہوئے بولی۔
آپ نہیں جانتیں کہ یہ موذی مرض نہ کسی کی دعاؤں کو خاطر میں لاتا ہے نہ دواؤں کو۔ اس سے بچاؤ کے تمام تر طریقے تمام تر علاج بے کار ہیں"
آپ تو خود ڈاکٹر بن رہی ہے۔ آپ کو مایوس نہیں ہونا چاہیئے" بینا اس کے رخساروں کو تھپتھپاتے ہوئے پیار سے بولی۔
"ہاں ۔۔۔ میں ناامید تو نہیں۔ لیکن بعض اوقات اپنی بے بسی پر دل بھر آتا ہے۔۔"
بینا اور عذرا نے اسے تسلی دلاسا دیا۔ اشتیاق احمد نے بھی حوصلہ بڑھایا اور بینا تو دل کی اتنی چھوٹی تھی۔ اس کے ساتھ خود بھی رو رہی تھی۔ وفا اس کے اس خلوص پر روتے میں مسکرا دی۔
وہ سب اس کے مہمان تھے۔ اس خیال کے ساتھ ہی وفا نے آنسو پونچھ لئے

اور چائے بنانے میں مصروف ہوگئی تھوڑی ہی دیر میں اس نے چائے بنالی۔ بابا سے کہہ کر بازار سے کچھ چیزیں منگوالیں۔ عذرا کے متعلق جانتی تھی کہ وہ دل کی مریضہ ہے۔ چائے بناتے بناتے اسے ایک دم سے یہ بات یاد آگئی۔ عذرا کی چائے میں دودھ ذرا زیادہ ڈالتے ہوئے پیالی آگے بڑھادی۔ عذرا مسکرادیں۔ انھوں نے آج سفید چائے پینے پر اعتراض نہیں بلکہ چپ چاپ پی لی۔

وفا دوپہر کے کھانے کے متعلق کچھ انتظام کرنے چلی تو بینا نے مسکرا کے ٹوک دیا۔

"آپ بیٹھی رہیئے۔ ہم دوپہر کے کھانے کا پورا بندوبست کر کے آئے ہیں"

"کیا مطلب؟" وفا حیرانگی سے بولی۔

عذرا نے مسکرا کے اس کا ہاتھ پکڑا اور اپنے قریب بٹھاتے ہوئے پیار سے بولیں۔

"ہم نے سوچا، وفا بیٹی کو تکلیف ہوگی۔ اس لئے کھانا ساتھ ہی لے آئے"

"ہائے چچی جان! آپ نے یہ کیا کیا" وفا خفگی سے بولی۔

"نہیں بیٹی! اس میں برائی کی کونسی بات ہے" اشتیاق احمد مسکرا کے بولے۔

"جتنی دیر تم کھانے کا انتظام کرتیں۔ اتنی دیر ہمارے پاس بیٹھو"

وفا مسکرا کے چپ ہوگئی۔

بینا اور بینا نے اسے بڑے پیارے پیارے تحفے دیئے۔ عذرا نے ساڑھی دی وفا کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا۔

"چچی جان! بینا اور بینا جو اتنا کچھ لے آئی تھیں۔ پھر آپ نے کیوں تکلیف کی"

وفا نفیس ریشم کی پیازی ساڑھی پر نظریں جماتے ہوئے دھیمے لہجے میں

بولی۔ ھما مسکرا دیں۔ بڑی معنی خیز مسکراہٹ۔

"میں اپنی بیٹی کے لئے کچھ نہ لاتی؟" عذرا مسکرا کے بولیں۔

وفا نے سر جھکا لیا اور بینا نے مسکراہٹ کو ہونٹوں میں دبا لیا۔

جب اشتیاق احمد نے جانے کو اجازت چاہی تو وفا ایک بار پھر بوائل ہو گئی۔

"رک جائیے چچا جان!"

"نہیں بیٹی۔ بہت دور جانا ہے!" عذرا اٹھتے ہوئے بولیں۔

"جاتے جاتے رات ہو جائے گی؟"

"تو آپ آج ہی واپس چلے جائیں گے!" وفا نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں باجی ـــــ سکول سے کوئی چھٹی لی نہیں ـــ اور ابھی جاتے جاتے آصف بھائی کے ایک دوست ہیں ــ ان سے بھی ملنا ہے ۔ کیوں امی جان ــ" بینا عذرا سے مخاطب ہوئی۔

"تم بھولیں نہیں ابھی تک ـــ" عذرا مسکرا کے بولیں۔

"نہیں ـــــ اب آپ مکر جائیے گا نہیں امی ـــ!"

وفا بینا کی معصومیت پر ہنس دی۔ وفا انہیں باہر تک چھوڑنے آئی۔ عذرا نے اسے سینے سے لگا کر پیار کیا۔ بینا ہنستے ہوئے گلے ملی۔ پھر بینا کو پیار کرنے جھکی تو لمحہ بھر کے لئے ٹھٹھک سی گئی۔ بینا کی کشادہ پیشانی اور روشن آنکھیں جانے کس سے مشابہ تھیں عجیب سی شباہت تھی۔ کتنی ظالم ہے قدرت بھی۔ کس کس بہانے یاد دلاتی ہے دور جانے والوں کی!

ان کے جانے کے بعد بھی وہ کتنی دیر کھوئی کھوئی کھڑی رہی۔ واپس کمرے میں آئی

تو تنہائی کا جان لیوا احساس اسے تڑپا سا گیا۔ بسمہ، اعجاز الحسن اور منی شیبی یاد سے آکے رہ گئے۔ گھر میں تھی تو چھٹی کا دن پلک جھپکتے گزر جاتا ——— اور اب ———

"چائے بن گئی ——— ؟" عاصمہ نے کروٹ لیتے ہوئے پوچھا۔

وفا کے خیالات کا جال اُدھڑ گیا۔

"نہیں ———" وہ بال سمیٹتے ہوئے بولی۔

"کیوں ——— ؟" عاصمہ اٹھتے ہوئے بولی۔

"پتہ نہیں اسٹو کو کیا ہو گیا ہے۔" وفا اسٹو کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"بابا کو کہتی ہوں ذرا دیکھیں۔"

"چلو چھوڑو!" عاصمہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھاتے ہوئے بولی۔

"آؤ میرے کمرے میں۔ آج میں تمہیں چائے پلاتی ہوں۔"

"چلو!" وفا نے کندھے جھٹکے اور اس کے پیچھے پیچھے کمرے سے نکل گئی۔

عاصمہ نے چائے کا پانی چولہے پر رکھا اور خود کپڑے بدلنے چلی گئی۔ وفا بھی گھوم پھر کر کمرے کا جائزہ لینے لگی۔ سامنے کارنس پر تین تصویریں رکھی تھیں۔ ایک عاصمہ کے ممی ڈیڈی کی ——— دوسری عاصمہ کی اور تیسری کسی نوجوان کی۔ عاصمہ غسلخانے سے باہر نکلی تو وفا کو تصویروں میں گم پا کر مسکرا دی۔

"بڑی کھوئی ہو؟"

تصویریں دیکھ رہی تھی۔

"میرے بھیا کی تصویر دیکھی؟"

"یہ تمہارے بھیا کی تصویر ہے۔ پہلے تو یہ نہیں تھی یہاں پر۔"

" ابھی پچھلے دنوں ہی تو بھیّا نے بھیجی ہے " عاصمہ وفا کے قریب آ کھڑی ہوگئی پھر بھائی کی تصویر ہاتھ میں پکڑی۔ ایک ہی بھائی تھا۔ اتنا پیارا۔ لاڈ کرنے والا اور پھر اتنا زیادہ لائق ـــ وفورِ مسرت سے بے اختیار بولی۔

" تمہیں میرے بھیّا کیسے لگے ؟ "

" کیا مطلب ؟ " وفا نے گھوم کے پوچھا۔

" یہی ۔ کہ میرے بھیا کیسے ہیں ؟ " عاصمہ لفظ چباتے ہوئے بولی۔

" پتہ نہیں ـــ بنا دیکھے، بنا ملے میں کیا کہہ سکتی ہوں " وفا پلنگ کے کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

" بھیّا نے تو صرف میرے خط پڑھ کر تمہارے متعلق رائے قائم کرلی کہ تم کیسی ہو" عاصمہ تصویر واپس کارنس پر رکھتے ہوئے بولی۔

" اور تم تصویر دیکھ کر کوئی اندازہ نہیں لگا سکتیں "

وفا نے جلدی سے کرسی چھوڑ دی اور عاصمہ کو شانوں سے پکڑتے ہوئے قدرے سختی سے بولی۔

" تمہارے بھیا نے میرے متعلق کیا رائے قائم کی ہے "

عاصمہ نے خود کو چھڑاکے ہنستے ہوئے جواب دیا " تم بتاتی ہو جو میں بتاؤں "

اور پھر کھولتے ہوئے چائے کے پانی کی طرف متوجہ ہوگئی۔ وفا نے گھومتے ہوئے سر کو سنبھالا اور کرسی پر بے دم سی ہوکے رہ گئی۔

بنیل ـــ آصف ـــ اور عاصمہ کا بھائی۔ سوچوں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا اور وہ چکرا کے رہ گئی ـــ

عاصمہ کئی دنوں سے چھٹی پر تھی۔ پڑھائی میں ایسی محو ہوئی ــــ کہ نہ پلٹ کے کالج
آئی۔ نہ وفا کی خبر لی۔ اس کے معصوم وجود سے وفا بہت کچھ اپنا دکھ بھول گئی تھی۔ پھر بسمہ
کے تسلی آمیز خطوط نے بھی اسے سکون بخشا تھا۔ بسمہ کے خطوط کے مطابق اعجاز الحسن کی
تکلیف بجلی لگوانے سے تقریباً ختم ہو چکی تھی۔ صرف کمزوری سفر کی راہ میں حائل تھی اور کمزوری
کو دور کرنے کے لیے دوائیں اور غذا بڑی باقاعدگی سے دی جا رہی تھی۔

اشتیاق احمد اور عذرا دو ایک بار رہ گئے تھے۔ کاشف اور نوید کے دلچسپ خط
اسے پہروں ہنساتے۔ اس کے علاوہ ان دنوں وہ پڑھائی میں کچھ اس قدر مشغول تھی کہ اعجاز الحسن
کی بیماری کی فکر تسلیوں کی نیند سو گئی تھی۔

ہفتے کی شام تھی۔ وفا کمرے میں چپ چاپ بیٹھی اندھیروں کی پرستش کر رہی تھی۔ باہر
دروازے پر آہٹ ہوئی اور پھر کوئی دبے قدموں چلتا ہوا کمرے میں آ گیا۔ وہ سر سے

لمحہ عاصمہ کے گداز ہاتھ کی آنکھوں پر تھے۔ وفا مسکرا دی۔

"اتنے دنوں بعد آئی ہو اور وہ بھی چوروں کی طرح" وفا نے بیٹھے بیٹھے عاصمہ کو بازو سے پکڑ کر اپنے سامنے کھینچ لیا۔

"اندھیرے میں بیٹھی کس کی یاد کا دیپ جلا رہی تھی؟" عاصمہ باہنیں چھوڑ کر بلب روشن کرتے ہوئے بولی۔

"تمہاری یاد کا" وفا بال سنوارتے ہوئے بولی۔

"زہے نصیب" عاصمہ اس پر جھک آئی۔

"میرے پیچھے ٹھیک تو رہی ہو؟"

"شکریہ ـــــ تمہیں میرا خیال تو آیا" وفا کرسی چھوڑتے ہوئے بولی۔

"بیٹھو! ذرا چائے ہی بنالوں۔"

"تم چائے بناؤ۔ میں ذرا اپنے بھیا کو اندر لے آؤں" عاصمہ یہ کہتے ہوئے باہر نکل گئی۔ اور وفا بت بنی وہیں کھڑی رہ گئی۔ بھلا بھائی کو ساتھ لانے کی کیا ضرورت تھی پاگل ہے عاصمہ بھی۔ وفا جھنجلا سی گئی۔ اتنی بہت سی لڑکیاں ہیں ہاسٹل میں جانے کیا سمجھیں!

"ارے تم ابھی یونہی کھڑی ہو" عاصمہ کمرے میں داخل ہوتے ہوئے حیرت سے بولی۔ اور پیچھے مڑی ـــــ

"آجایئے بھیا ـــــ!"

وفا نے بے اختیار دروازے کی طرف دیکھا۔ پھر ... انے ہوئے ندیم بڑے وقار سے آگے بڑھا۔ سامنے ہی وفا الجھے لمبے بالوں میں چہرہ سجائے

مسلے مسلے کپڑوں پر نیلا سوئیٹر پہنے کھڑی تھی۔ آنکھیں حیرت اور پریشانی کے باعث کھلی ہوئی تھیں۔ ندیم بے ساختہ حسن میں کھو کے رہ گیا۔ عاصمہ مسکرا دی۔

"یہ وفا ہے بھیا! — میری بڑی پیاری دوست —" عاصمہ نے وفا کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے پیار سے کہا۔

وفا نے جھینپ کے نظریں جھکا لیں۔ ندیم مسکرا دیا۔

"اور — وفا —" عاصمہ نے وفا کو متوجہ کیا۔

"یہ ہیں میرے اکلوتے اور بڑے پیارے بھیا ندیم!"

وفا نے کچھ کہنے کو لب کھولے۔ لیکن گھبراہٹ میں کچھ نہ کہہ سکی۔

"عاصمہ! معلوم ہوتا ہے تمہاری دوست کو ہمارا آنا ناگوار گزرا ہے۔" ندیم ہنستے ہوئے بولا۔

"نہیں — تو —" وفا جلدی سے بولی اور پھر کرسی آگے کھسکا دی۔

"بیٹھئے —!"

"شکریہ —!"

عاصمہ وفا کا لحاف ہٹاتے ہوئے اس کی چارپائی پر بیٹھ گئی۔ وفا چپ چاپ جائے نماز ہی پر کچھ جھنجلائی جھنجلائی گھبرائی گھبرائی سی تھی۔ عاصمہ کے بھائی کی حیثیت سے وہ ندیم کا استقبال خوشی کرنے کو تیار تھی۔ لیکن عاصمہ کی معنی خیز باتیں — اور ندیم کی گہری گہری نظریں — اور سخت پریشان ہو رہی تھی۔

اگر کبھی بہنیں کو پتہ چل جائے تو — فکر کی کوئی انتہا نہ رہی تھی۔

ادھر ندیم کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے نیم وا آنکھوں سے اس جھلائی

جھنجھلائی گھبرائی سی وفا کو دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ وہ تو اس کے تصور اور تخیل سے کہیں بڑھ کر معصوم، خوب صورت اور بے پروا نکلی تھی۔ وہ اس کے بارے میں سوچتے سوچتے بہت دور جا نکلا تھا۔ عاصمہ کسی رسالے میں گم تھی۔

عاصمہ وفا نے چائے بناکر عاصمہ کو متوجہ کیا۔ عاصمہ نے ہنستے ہوئے ندیم کا شانہ ہلایا۔ وہ چونک کے سیدھا ہو بیٹھا۔ وفا میز پر جھکی چائے بنا رہی تھی۔ ایک کپ عاصمہ کو دیا۔ دوسرا ندیم کے سامنے رکھ دیا۔ چائے کے ساتھ بسکٹ اور نمک پارے بھی تھے۔ چائے پی کر ندیم جانے کو تیار تھا۔

"چلو عاصمہ! بہت دیر ہو گئی۔" وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

"ٹھہریئے تو بھیّا! ذرا وفا سے کل آنے کو تو کہہ دوں۔" عاصمہ میز سے چائے کے برتن سمیٹتے ہوئے بولی۔

"گھنٹہ بھر ہو گیا بیٹھے ہوئے اور تم کل آنے کو نہ کہہ سکیں۔" ندیم عاصمہ کے سر پہ جھول جاتے ہوئے بولا۔

عاصمہ نے ندیم کی طرف کوئی توجہ نہیں دی اور وفا کا ہاتھ تھامتے ہوئے بولی۔
"کل شام بھیّا کے آنے کی خوشی میں ڈیڈی پارٹی دے رہے ہیں۔ تم صبح ہی پہنچ جانا۔"

وفا چپ کھڑی رہی۔

"سنتی ہو میں نے کیا کہا۔" عاصمہ نے اسے ٹہوکا دیا۔

"ہاں ۔۔۔" وفا کھوئی کھوئی بولی ۔۔۔

"لیکن کل تو ۔۔۔"

" میں کوئی بہانہ نہیں سنوں گی ــــ " عاصمہ نے جلدی سے وفا کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا ۔

" بھئی ہو سکتا کوئی مجبوری ہو تم سن تو لو " ندیم نے عاصمہ کو سمجھاتے ہوئے کہا ۔

آپ چپ رہیئے بھیا! ـــــ میں اس کو خوب جانتی ہوں ۔ مجھ سے بہانہ بنا کے سارا دن کمرے میں بند ہو کے آنسو بہائے گی " عاصمہ غصے سے بولی ۔

" خواہ مخواہ ہی ــــ " وفا شرمندہ سی بولی ۔

" تو پھر کل آپ آرہی ہیں نا ــ " ندیم ہاتھ میں پکڑی ہوئی چابیاں لہراتے ہوئے بولا ۔

" آئے گی ــــ آئے گی کیوں نہیں ــــ " عاصمہ وفا کا چہرہ ہاتھوں میں لیتے ہوئے اور وفا مسکرا دی ۔

وفا عاصمہ کی ضدی طبیعت سے واقف تھی ۔ صبر شکر کرکے جانے کا پروگرام بنا ہی لیا ۔ پارٹی شام کو تھی لیکن عاصمہ نے وفا کو صبح ہی مدعو کر لیا تھا ۔ وفا ندیم سے بچنا چاہتی تھی ۔ پھر آج صبح ہی سے اس کی طبیعت اداس تھی ۔ دھیان اعجاز الحسن کی طرف بری طرح اٹکا ہوا تھا بڑی عجیب سی کیفیت ہو رہی تھی ۔ دوپہر تک چپ چاپ کمرے میں لیٹی رہی ۔ کھانا کھانے بھی نہیں گئی ۔ تین بجے اٹھ کے تیار ہونے لگی ۔

ادھر عاصمہ سخت پریشان تھی ۔ ندیم الجھا الجھا سا تھا ۔ جانے یہ معصوم سی دنیا ایک ہی نظر میں کس طرح بھا گئی تھی ۔ خواہ مخواہ ہی دل سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا ۔ دن ڈھل چکا تھا ۔ عاصمہ تیار ہو رہی تھی ۔ ندیم برآمدے میں بیٹھا وقت کی نبضیں ٹٹول رہا تھا اچانک گیٹ میں داخل ہوتی وفا روشنی بن کے ذہن میں سما گئی ۔ مسکرا کے آگے بڑھا ۔ مونگیا

شنفون کی ساڑھی پر سیاہ جرسی پہنے سیدھی مانگ اور کمر پر ڈھیلی سی لہراتی چوٹی۔ نعلی حسن سے جگمگاتا چہرہ۔ ندیم بے اختیار اسے دیکھے چلا گیا۔

"میں زیادہ دیر سے تو نہیں آئی؟"

وفا دھیمے لہجے میں مسکراتے ہوئے بولی۔

"یہ تو آپ کو عاصمہ ہی بتائے گی" ندیم مسکرایا۔ میرے لئے تو آپ کا آجانا ہی غنیمت ہے۔"

وفا کے اداس چہرے پر ذرا دیر کو شرم کی سرخی پھیل گئی۔ لیکن جلد ہی اس نے خود پر قابو پا لیا۔

"میں عاصمہ کے پاس چلوں" یہ کہہ کر آگے بڑھ گئی اور ندیم ستون کا سہارا لے کر اسے جاتے ہوئے دیکھتا ہی رہ گیا۔

اتنی رونق تھی۔ اتنے بہت سارے لوگ تھے لیکن وفا کا دل بے طرح گھبرا رہا تھا۔ بار بار بے قراری سے وقت دیکھتی۔ ایک ایک پل اس پر صدی بن کے گزر رہا تھا۔

پارٹی ختم ہوتے ہی وہ عاصمہ کے سر ہو گئی۔

"مجھے ہاسٹل چھوڑ آؤ عاصمہ"

"تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے وفا!" عاصمہ نے گھبرا کے اس کے زرد ہوتے چہرے کو ہاتھوں میں تھام لیا۔

"بس جی گھبرا رہا ہے"

وفا بیقراری سے بولی۔

"پھر بیٹی آج یہیں رک جاؤ ــــــ" ڈیڈی شفقت سے بولے اور ندیم نے

پرامید نگاہیں وفا کے چہرے پر گاڑ دیں۔

" نہیں ڈیڈی۔ میں واپس جاؤں گی "

عاصمہ اور ندیم اسے چھوڑنے آئے۔ کافی اندھیرا ہو چکا تھا۔ برآمدے کی سیڑھیاں چڑھ رہی تھی کہ دور کھڑی طاہرہ تیزی سے اس کی طرف آتے ہوئے بولی۔

" تمہارا تار آیا ہے وفا! ۔۔! "

" تار ۔ "

وفا نے لڑکھڑا کے عاصمہ کا ہاتھ تھام لیا۔

" کہاں سے آیا ہے ۔۔ ؟ " وفا نے جلدی سے پوچھا۔

" ٹھہر لاتی ہوں ۔ شاید سلہٹ سے آیا ہے ۔ "

طاہرہ واپس پڑ گئی ۔

وفا کا دل سینے میں گھٹ رہا تھا ۔ عاصمہ اور ندیم بمشکل اندر کمرے تک لائے ۔ طاہرہ تار لائی تو ندیم نے پڑھ کر سنایا ۔ تار بسمہ کی طرف سے تھا ۔ وہ دوسرے دن اعجاز الحسن کو لا رہی تھیں ۔ وفا نے آنکھیں بند کر لیں ۔

جانے ابو جی کیسے ہیں ؟ ابھی پرسوں ہی تو امی نے لکھا تھا کہ کمزوری کے باعث فی الحال وہ کئی دن تک سفر نہیں کر سکیں گے ۔ پھر اتنی جلدی کیوں آ رہے ہیں ؟

آنسو پلکوں پر جھلکنے لگے ۔ پھر اتنی جلدی کیوں آ رہے ہیں ؟

" عاصمہ ۔۔! " ندیم وفا پر نظر ڈالتے ہوئے بولا ۔

" تم رات یہیں رہ جاؤ ۔ میں جاتا ہوں ۔ "

" ہاں بھیا ۔۔ آج وفا کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتی " عاصمہ فکرمندی سے بولی ۔

پھر عاصمہ نے وفا کو بڑی مشکل سے خاموش کرایا۔ منہ دھلایا۔ ندیم لطیفے سنا کر ہنساتا رہا۔ رات گئے وہ لوٹا تو وفا بہت کچھ سنبھل چکی تھی۔

دوسرے دن چھٹی لے کر وفا عاصمہ کو لے کر گھر چلی گئی۔ اتنے مہینوں سے گھر بند پڑا تھا۔ سارا دن صفائی کرنے گزرا۔ شام تک بسمہ، اعجاز الحسن اور عفی، شیبی پہنچ گئے۔ اعجاز الحسن کی حالت بہت زیادہ بگڑ چکی تھی۔ ڈاکٹروں نے فوراً گھر لے جانے کا مشورہ دیا تھا۔ بسمہ تنہا تھیں، کیا کرتیں۔ گھبرا کے وفا کو تار دیا اور دوسرے ہی دن وہ گھر پہنچ چکی تھیں۔

عفی اور شیبی کے چہروں پر گہری سنجیدگی تھی۔ وفا نے دونوں کو پیار سے لپٹا لیا۔ ہر لمحہ لڑنے جھگڑنے والے عفی، شیبی اتنے سہمے سہمے سے تھے کہ دل بے اختیار رو کھا اٹھا بسمہ بھی بہت تھکی تھکی اور کمزور کمزور سی لگ رہی تھیں۔ دوسرے دن وفا نے ایک خط نوید کو اور ایک کاشف کو لکھ دیا۔ اعجاز الحسن کی گرتی حالت وقت کا کمزور سہارا لئے بڑی بے اختیاری سی ہو گئی تھی۔ سارا سارا دن چپ چاپ بستر پر لیٹے رہتے۔ درد اٹھتا تو بلبلا اٹھتے۔ ڈاکٹر دوائیں دے رہے تھے۔ بسمہ کے ہونٹوں پر دعائیں تھرتھراتی تھیں لیکن مرض میں کسی تخفیف کے آثار نہیں تھے۔

سردی جوبن پر آ چلی تھی۔ جب دن کی چھٹی پر نوید گھر آ گیا۔ شفیق ابوجی کو یوں بے حال دیکھ کر وہ برداشت نہ کر سکا۔

"باجی! یہ ابوجی کو کیا ہو گیا ہے۔" وہ وفا سے لپٹ کے ایک دم سے رو دیا۔

"پگلا! کیا ہوا ہے" ابوجی کو؟" وفا نے پیار سے بھائی کی پیشانی چوم لی۔

"بس کمزوری ہے۔ چند دن آرام کریں گے تو بالکل ٹھیک ہو جائیں گے۔"

وفا نے نوید کو تسلی دی۔

"نہیں ___ باجی آپ جھوٹ کہتی ہیں۔ ابّوجی کی ایسی حالت دیکھ کر تو میرا اپنا دل ڈوب گیا ہے۔" نوید رندھی رندھی سی آواز میں بولا۔

"تم مجھ سے زیادہ نہیں جانتے بھائی جان!" وفا اس کے رخسار تھپتھپاتے ہوئے بولی۔

تم نے ہمت ہار دی تو اتّی کا کیا حال ہوگا۔ عفی، شیبی تو گھٹ کے رہ جائیں گے۔"

وفا کے سمجھانے پر نوید سنبھل گیا۔ اس نے ایک دن میں ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ ہردم ہنسنے، شور مچانے والے عفی، شیبی مرجھا کے رہ گئے ہیں اور لبسمہ تو ایسی گھٹی ہوئی چیخ بن کے رہ گئی تھیں کہ وہ زیادہ دیر تک انہیں دیکھ ہی نہ سکا۔

وفا کالج ہوتی تو نوید اعجاز الحسن کے پاس بیٹھا مزیدار باتیں کرتا۔ خبریں سناتا۔ اپنے ساتھیوں اور دوستوں کا غائبانہ تعارف کراتا۔ وفا آجاتی۔ تو دونوں بہن بھائی اعجاز الحسن کے پاس بیٹھ کر کسی دلچسپ بحث میں الجھ جاتے، کبھی کبھار اعجاز الحسن خود بھی بحث میں حصّہ لیتے اور اس طرح غم اور دکھ کے بادل آہستہ آہستہ گھر کی فضا سے چھٹنے لگے۔ شوہر کو یوں بچوں میں مشغول پا کر لبسمہ بھی کھلی کھلی رہتیں۔ عفی اور شیبی معمول پر آ گئے تھے۔ ویسے وہ اب باتوں میں بہت کم حصّہ لیتے۔ سکول سے بہت لمبی چھٹی لے چکے تھے اور دونوں اس بار بورڈ کا امتحان دے رہے تھے۔ لہٰذا اکثر کتابوں میں کھوئے رہتے۔ اماں گاؤں سے لوٹ آئی تھیں اور ہمیشہ کی طرح آج بھی باورچی خانے میں ان کے دم سے رونق تھی۔

نوید کی چھٹی ختم ہوئی تو کاشف کی آمد کا خط پہنچا اور یوں نوید کے جو
خیال سے جس اداسی نے جنم لیا تھا آپ ہی آپ ختم ہو گئی۔ نوید بھی مطمئن ہو گیا۔
پیچھے کاشف کئی دن تک ابوجی کو مشغول رکھے گا۔ اس احساس سے ہی وہ م
اور جانے کی تیاری میں مصروف ہو گیا۔

"وفا ۔ !"
کاشف کی آواز پر وفا نے پلٹ کر دیکھا اور سوالیہ نظریں اس کے چہرے پر گاڑ دیں۔
"پڑھائی ہو رہی ہے؟" وہ قریب آتے ہوئے مسکرا کے بولا۔
"ہاں — یہ کتاب دیکھ رہی تھی۔" وفا کتاب میز پر رکھتے ہوئے بولی۔
"ویسے آج کل پڑھنے کو دل بالکل نہیں چاہتا۔"
"اوہو — !" کاشف کا لہجہ شرارت سے پُر تھا۔ "اس گدھے کی یاد سے فرصت ملے تب ہی لگے نا پڑھائی میں۔"
کاشف کی بات سن کر وفا کا چہرہ شرم سے سرخ ہوگیا۔ لمحہ بھر کے لئے بنیل کے خیال میں کھو گئی۔

"چلو ۔ تم اس کے پاس ہی چل دیں " کاشف اس کا سر ہلاتے ہوئے بولا۔

"خواہ مخواہ ہی ۔۔۔" وفا اٹھتے ہوئے بولی۔

"ابو جی کی بیماری نے دم بخود کر رکھا ہے ۔" وفا کے لہجے میں بے پناہ دکھ تھا۔

کاشف چپ سا رہ گیا۔ پھر کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"وفا! اتنے اچھے اچھے ڈاکٹروں کا علاج ہوا۔ پھر افاقہ کیوں نہیں ہو رہا"

"شفا تو خدا کے ہاتھ میں ہے کاشف بھائی "

وفا کا لہجہ خاصا مایوس کن تھا۔

"تمہیں نا امید نہیں ہونا چاہیئے وفا!"

"میں نا امید تو نہیں ہوں ۔۔۔ لیکن پھر ۔۔۔" وفا چپ سی رہ گئی۔

کاشف خود بھی پچھلے تین دنوں میں خاصا سنجیدہ ہو گیا تھا۔ اعجاز الحسن اس کے خدشہ سے کہیں بڑھ کر کمزور اور نڈھال سے ہو کر رہ گئے تھے۔ دل ڈول سا گیا تھا انہیں دیکھ کر۔ جس ہستی سے باپ کی سی شفقت ملی تھی ۔ وہ ظالم مرض کے ہاتھوں مجبور زندگی سے دور ہوئے جا رہی تھی ۔۔۔ پھر ایک دم سے ہی کچھ یاد آگیا۔ اداس اداس سا مسکرا دیا۔

"وفا! تمہاری ایک امانت میرے پاس رکھی تھی۔ آج تمہیں دے ہی دوں" یہ کہتے ہوئے کاشف نے کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا۔ وفا نے گھبرا کے اسے دیکھا اور پھر نظریں جھکا لیں۔ جانے کس امانت کی بات کر رہا تھا کاشف

—— وہ چونکی ——

"لو! چند دن ہوئے۔ بنیل نے تمہارے نام یہ خط بھیجا تھا۔"
کاشف نے نیلے رنگ کا لفافہ اس کی طرف بڑھا دیا۔

"میں نے ڈاک کے ذریعے بھیجنا مناسب نہ سمجھا تھا۔"
وفا نے بے خیالی میں ہاتھ بڑھا کے لفافہ پکڑ لیا۔ کاشف مسکراتے ہوئے پلٹا۔

"اچھا —— اب امی کو تمہاری بھابی سے ملوا لاؤں۔"

"یہ کہیے اپنا دل مچل رہا ہے۔" وفا نے شوخی سے کہا۔

"ایسا بھی دل کا غلام نہیں ہوں۔" کاشف یہ کہتے کہتے باہر نکل گیا۔
وفا نے ہلتے ہوئے پردے کو دیکھا اور پھر پلنگ پر بیٹھتے ہوئے لفافہ چاک کر ڈالا۔ نیلے کاغذ پر الفاظ بڑی ترتیب سے درج تھے۔

"وفا —!

نہیں جانتا، آج کس جرأت سے کام لے کر تم سے مخاطب ہو رہا ہوں۔ میں اپنے اس حوصلے کی داد تو نہیں چاہتا۔ لیکن ناراض بھی نہ ہونا اس جرأت تخاطب پر ——

یہاں آئے سال ہونے کو آیا۔ لیکن دل سے لپٹی تمہاری یاد نے مجھے تم سے ایک لمحہ کو بھی دور نہیں کیا۔ ایسی روشن اور خوب صورت ہے یہ دنیا کہ اپنا سایہ بھی نظر نہ آئے۔ لیکن یہاں چلتے پھرتے میں خود کو صد درجہ غیر محفوظ پاتا ہوں اور پتہ نہیں کیوں دل چاہتا ہے کہ اس چمکتی چلاتی آبادی میں مجھے سنبھالنے کو تم میرے ساتھ ہوتیں۔!

—— ہے نا یہ پاگل تمنّا! —— کاشف کے خطوط سے پتہ چلا ہے
کہ ابو جی کی بیماری کافی سنجیدہ صورت اختیار کر گئی ہے۔
اتنی دور بیٹھا ان کے لئے دعا ہی کر سکتا ہوں۔ خدا انہیں صحت کامل
عطا کرے تم اپنا خیال رکھنا کہیں خود بھی بیمار پڑ جاؤ —— خوش خوش
رہو تو وہ بھی اس سے اچھا اثر لیں گے۔
نوید کب ٹریننگ سے فارغ ہو رہا ہے؟ عفی اور شیبی کو ڈھیروں
پیار —— بعض اوقات بے اختیار یاد آتے ہیں۔ امی کی خدمت
میں آداب۔ خدا حافظ۔

بنیل ——"

خط پڑھ کے دنیا کی عجیب سی کیفیت ہو گئی۔ بے اختیار آنکھیں چھلک پڑیں۔
پھر روتے روتے وہیں گر کے سو رہی۔ اتنے دن سے آنکھیں نیند کی ترسی ہوئی
تھیں۔ بڑی دیر تک پڑی سوتی رہی۔ کاشف اور نوشابہ سدرا کے ہاں سے لوٹ کے
آئے تو شیبی جگانے چلا آیا۔
"اٹھیئے باجی! کھانا کھا لیجیئے۔"
شیبی کی آواز پر اس نے چونک کے آنکھیں کھول دیں۔ کمرے میں بلب
جل رہا تھا اور باہر اندھیرا بہت گہرا ہو چلا تھا۔ مسلے ہوئے کپڑے درست
کرتے ہوئے وہ اٹھ بیٹھی۔
"میں سو گئی تھی شاید ——!" وہ شیبی کے پیشانی پہ جھک آنے والے بال سنوارتے
ہوئے بولی۔

"ہاں باجی ۔۔۔! آپ بہت دیر سوئی ہیں آج۔ امی نے جگانے سے منع کر دیا تھا۔" شیبی کھڑکی بند کرتے ہوئے بولا۔

"کاشف بھائی اور خالہ جان واپس آ گئے؟" وہ غسلخانے کی طرف جاتے ہوئے بولی۔

"ہوں ۔۔۔ ابھی ابھی آئے ہیں ۔"

شیبی کسی رسالے میں کھو گیا۔ وفا نے منہ ہاتھ دھو کے بال سنوارے اور پھر شال اچھی طرح لپیٹتی ہوئی شیبی کے ساتھ باہر نکل آئی۔ سب کھانے کی میز پر بیٹھے تھے۔

"ابو جی کے پاس کون ہے امی؟" وفا کرسی کھسکاتے ہوئے بولی۔

"کوئی دوست آئے بیٹھے ہیں۔"

سبھی چپ چاپ کھانے میں مصروف تھے۔ کاشف نے تلی ہوئی مچھلی وفا کی طرف بڑھائی۔

"دیکھو! آج اماں نے کمال کر دیا ہے۔"

"اچھا ۔"

وفا نے مچھلی کا چھوٹا سا ٹکڑا اپنی پلیٹ میں رکھتے ہوئے کہا۔

"اور لو ۔۔۔" کاشف نے اصرار کیا۔

"جی نہیں چاہتا ۔"

کاشف مسکرا کے اپنی پلیٹ پر جھک گیا۔

"وفا ۔۔!" وہ جھکے جھکے بولا۔

وفا نے اس کی طرف دیکھا۔ دانتوں میں ہونٹ دبائے شریر سا مسکرا رہا تھا۔

کیا بات ہے کاشف بھائی ؟ وفا اسے چپ دیکھ کر بولی ۔

" خط کا جواب دے رہی ہو ۔ "

" جی ۔ " وفا نے گھبرا کے پوچھا ۔

" خط کا جواب ۔ " کاشف شوخی سے بولا ۔

" کاشف بھائی ۔ ! آپ کو شرم نہیں آتی " وفا دبے دبے لہجے میں بولی ۔ اور کرسی گھسیٹ کر کھڑی ہوئی ۔

" کھانا تو کھا لو ۔ ! " کاشف نے آواز دی ۔

" کیا ہوا ؟ " نوشابہ جلدی سے بولیں ۔

" کوئی ضروری خط لکھنے گئی ہے ۔ "

" خط ۔ ؟ "

بسمہ نے نظریں کاشف کے چہرے پر گاڑ دیں ۔

" جی ہاں خالہ جان ! کاشف گلاس اٹھاتے ہوئے بولا ۔ کسی سہیلی کو بھیجنا ہے شاید ۔ میں نے تو بہتیرا چیکے چیکے سمجھایا کہ صبح دے آؤں گا ۔ لیکن مانی ہی نہیں " کاشف اپنی ہی لے میں بولتا گیا ۔

رات اعجاز الحسن کے کمرے میں بیٹھے باتیں کرتے کرتے بسمہ ایک دم سے وفا کی طرف مڑ گئیں ۔

" بیٹی ! کسے خط بھیجنا تھا ؟ "

" خط ۔ " وفا حیرت بھری نظروں سے ماں کو تکنے لگی ۔

کاشف نے اسے سنبھالا دیا ۔

"کہہ نہیں رہی تھیں کہ میری سہیلی کو خط دے آئیں۔ کیا نام ہے تمہاری سہیلی کا؟"
کاشف دماغ پر زور دیتے ہوئے بولا۔ اور وفا نے اس کی ڈھٹائی پر لعنت بھیجتے
ہوئے سے کہا۔

"عاصمہ ـــ"

"ہاں ـــ ہاں ـــ عاصمہ ـــ" کاشف مسکرا دیا۔

"پھر اب بھیج دو ـــ!" نوشابہ پیار سے بولیں۔

"نہیں خالہ جان ـــ اب تو دیر ہوگئی۔ وہ سوگئی ہوگی ـــ"

کاشف کے جھوٹ پر وفا تلملا کے رہ گئی تھی لیکن کچھ کہہ بھی نہ سکتی تھی۔ صبر کے
گھونٹ پی کے خاموش بیٹھی رہی۔

مگر جب دوسرے دن کاشف اور نوشابہ واپس لوٹ گئے تو سب سے زیادہ
اداس بھی وہی ہوئی۔ کاشف ستاتا تھا۔ رلاتا تھا۔ تنگ کرتا تھا۔ لیکن رونق بھی لگائے رکھتا
اور اب جو گیا تھا تو ماحول ایکدم سے ہی سنجیدہ ہوگیا۔

اعجاز الحسن کی سنبھلتی صحت نے پورے گھر کو سہارا دیا۔ لبنیٰ کے چہرے پر پھیلی
سوگواری شگفتگی میں بدلنے لگی۔ علی اور شیبی کے امتحان بہت نزدیک تھے۔ وہ بڑے
انہماک سے پڑھائی میں مصروف تھے لیکن وفا ـــ دن بدن بدلتی چلی جا رہی تھی۔ باپ
کی طرف سے مطمئن ہو کر کتابوں میں کھو جانا چاہا۔ لیکن ایک ایک ورق پر ندیم کی تصویر
ہنستی مسکراتی ابھر آتی۔ جھنجھلا کے گھبرا کے اور کبھی سٹپٹا کے وہ اس تصوراتی تصویر سے
تو پیچھا چھڑا لیتی لیکن ذہن پھر بھی ہلکا نہ ہوتا۔

ندیم کی دبی دبی مسکراہٹیں اسے بہت دور لے جاتیں۔ بھائی کے آجانے

سے عاصمہ بھی گھر چلی گئی تھی۔ کسی ہسپتال میں سروس کرنے کی بجائے ندیم نے ذاتی کلینک کھول لیا تھا۔ ہر طرح کی آزادی اور بے فکری تھی کبھی کبھار ڈرائیور کی عدم موجودگی میں عاصمہ کو لینے آتا تو وفا کی جان پر بن جاتی۔ ایسی بھی کوئی بات نہ تھی کہ وہ اسے باتوں میں الجھاتا ہو یا اپنے منہ میاں مٹھو بن کے بور کرتا ہو۔ بس وفا کو دیکھ کر اس کے چہرے پر انوکھی چمک سی آجاتی۔ ہونٹوں کے گوشے مسکراہٹوں کا بار نہ سہتے ہوئے پھیل جاتے اور آنکھوں میں انجانی خوشیوں کے چراغ جھلملا اٹھتے اور وفا اس کی بدلتی کیفیت سے گھبرا اٹھتی۔ اس کا دل دھک دھک کرنے لگتا۔

" آپ کیسی ہیں ؟ بہت دنوں بعد نظر آئیں " وہ ہمیشہ کی طرح اپنا مخصوص فقرہ دہراتا۔

جواب میں وفا کیا کہتی ہے اس سے بے نیاز وہ کار کی طرف مڑ جاتا۔

اور وفا کا جی چاہتا اس کینڈا پلٹ نواب کا سر پھوڑ دے۔ بھلا کون مجبور کرتا ہے اسے حال پوچھنے پر۔ ایسی اذیت ناک بے نیازی، بڑی ادا ہے نا! اونہہ! میں ان اداؤں کے جال میں پھنسنے سے رہی!

اگر کبھی عاصمہ کے گھر پر جاتی تو کبھی ہی نظر آتا۔ البتہ عاصمہ ہر بات میں اپنے بھیا کو گھسیٹ لاتی اور وفا اس کے پاگل پن پر ہنسی ہونٹوں میں چھپائے چپ چاپ بیٹھی رہتی۔ کوئی تعلق نہ تھا اس کے بھیا سے۔ لیکن ندیم کی ایک مسکراہٹ ہی اسے خاموش خطرے کی گھنٹی معلوم ہوتی۔ جانے کب بج اٹھے۔

بنیل دور تھا۔ ندیم خواہ مخواہ بیچ میں ٹپک پڑا تھا۔ اور ایک آصف تھا۔ جانے کیوں پچھلی بار رجب سے اشتیاق چچا ہو کے گئے تھے، اعجاز الحسن

کے ہونٹوں پر یہ تمام نام جم کے ہی رہ گیا تھا۔ آصف کے بچپن کی باتیں، اس کی لیاقت کے قصے مستقبل کے عزائم۔ بعض اوقات اس کا جی چاہتا، ابو جی کے ہاتھ تھام کے بلا جھجک کہہ دے،

"مجھے مت سنایئے یہ باتیں۔ اپنے آصف کو کسی اور کیلئے محفوظ رکھئے ——— میں تو ——— میں تو ———" لیکن آگے تو وہ سوچ بھی نہ سکتی تھی۔ وہ سادھے بیٹھی رہتی، یا پڑھنے کا بہانہ کر کے اپنے کمرے میں چلی جاتی۔

وقت دھیرے دھیرے سے گزرتا گیا۔ پہلے عفی امتحانوں سے فارغ ہوئی۔ پھر شیبی ـــ اور آخر میں وفا کی باری آئی۔ گرمی زوروں پر تھی۔ لیکن امتحانات کی شدت نے تمام احساسات چھین لئے۔ اعجاز الحسن اب سکون محسوس کر رہے تھے۔ انکے چہرے سے جھلکتی صحت مندی وفا کے لئے مفید ثابت ہوئی۔ اسے بنیل کی یاد نے ستایا۔ نہ ندیم کی معنی خیز مسکراہٹ کبھی ذہن میں ابھری اور نہ ہی آصف کا خیال دھیان بانٹنے کو آیا۔ صرف ایک ہی خیال، ایک ہی احساس اور ایک ہی نام باقی رہ گیا ـــ امتحان ———

وفا امتحان میں تن من کی ہوش بھول چکی تھی۔

گرمی کا زور بارشوں سے بہت کچھ ٹوٹ چکا ہے۔ آج بھی ہلکے ہلکے بادل چھائے ہوئے ہیں اور ٹھنڈی خوشبوؤں سے لدی ہوائیں سنسناتی پھر رہی ہیں۔ وفا اپنے کمرے میں سو رہی ہے۔ ہلکا ہلکا پنکھا چل رہا ہے جس سے اس کی پیشانی کے بال ادھر ادھر لہرا رہے ہیں۔ امتحان ختم ہونے کی طمانیت اس کے چہرے پر جھلک رہی ہے۔ ہولے سے پردہ ہٹا کے لبنہ اندر داخل ہوئیں۔ وفا کو سویا ہوا پا کر پہلے واپس جانے کو پلٹیں۔ لیکن پھر کچھ سوچ کر اس پر جھک آئیں۔

"وفا!" انھوں نے وفا کے رخسار پر رکھتے ہوئے پیار سے پکارا۔

وفا نے کسمسا کے پہلو بدل لیا۔

"وفا! اٹھو بیٹی شام ہونے کو آئی ہے۔" لبنہ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگیں۔

آنکھیں ملتے ہوئے وفا اٹھ بیٹھی۔ آج تو میں خوب سوئی امی!"

"چلو — ! اتنے بہت سے دنوں کی جاگی تھی — اچھا ہی کیا —" بسمہ اٹھتے ہوئے بولیں۔

"ذرا نہالو، سستی اتر جائے گی۔"

وفا نے بال کھولنے شروع کیئے اور جاتی ہوئی بسمہ سے مخاطب ہوئی۔

"ابو جی آج بھی نہیں نہ آئے!"

"ہاں! —" بسمہ جاتے جاتے رک گئیں۔

"پتہ نہیں اتنے دن کیوں لگا دیئے۔"

ماں کو فکر مند دیکھ کر وفا مسکرا دی۔

"بس آپ کو فکر مند ہو گئیں۔" پھر پیار سے ان کے گلے میں بانہیں ڈال کے جھول گئی

"اشتیاق چچا نے آنے نہ دیا ہوگا امی!"

بسمہ نے پیار سے وفا کی پیشانی چوم لی۔

"اتنی بڑی ہو گئیں مگر بچوں والی عادتیں نہ گئیں۔"

"آپ خود ہی تو کہتی ہیں کہ میں اب بھی بچی ہوں۔ پھر میرا کیا قصور!" وہ بچوں کے انداز میں بولی۔

چل ہٹ بگی! میں ذرا شفی کو دیکھ لوں۔ اماں کے ساتھ باورچی خانے میں بیٹھی پکوڑے بنانے کی مشق کر رہی ہے۔" بسمہ باہر نکل گئیں اور وفا کپڑے نکال کے غسلخانے میں چلی گئی۔ نہا کے باہر نکلی تو شبی شفی کے پکوڑے چھین کے بھاگ

رہا تھا۔ وفا نے جلدی سے شبی کی کلائی تھام لی۔

"شبی میاں! یہ کیا؟" وفا نے اس کے بال درست کرتے ہوئے کہا۔

"کچھ نہیں باجی! ذرا عفی سے دو دو ہاتھ ہو رہے ہیں" شبی شرارت سے مسکرایا۔

"تم دن بدن شریر ہوتے جا رہے ہو شبی!"

وفا کی سرزنش پر شبی کچھ سنجیدہ ہو گیا۔ ابھی وفا اسے کچھ اور کہتی کہ سامنے سے عفی آتی نظر آئی۔ چہرہ کچھ باورچی خانے کی گرمی اور کچھ غصے کی وجہ سے سرخ ہو رہا تھا۔ قریب آتے ہی پھٹ پڑی۔

"دیکھئے باجی! منع کر لیجئے۔ شبی کو، سارے پکوڑے چھین کے لے آیا ہے۔"

عفی کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے تھے۔ وفا نے عفی کو اپنے ساتھ لگا لیا۔

"بڑا نالائق ہے شبی! میں نے اسے خوب ڈانٹا۔ بس اب تم معاف کر دو۔"

وفا نے عفی سے کہا اور عفی ایک دم سے رو دی۔

"ہر بار آپ کے کہنے پر میں انہیں معاف کر دیتی ہوں۔ لیکن یہ خدا جو باز آئیں۔"

شبی عفی کے رو دینے پر گھبرا سا گیا

"اے عفی!" اس نے پیار سے اس کے بال کھینچے۔

"بس آنسو پونچھ لو۔ آئندہ رلاؤں یا تنگ کروں تو پھر جو چاہے سزا

دے دینا۔"

عفی نے شیبی کو سنجیدہ دیکھا تو وفا کو چھوڑ کے اس سے لپٹ گئی۔

"شیبی! آپ مجھے ضرور ستایا کریں بھیّا! لیکن اس قدر نہیں کہ میں رو ہی پڑوں۔

عفی کی بات پر وفا ہنس دی۔ شیبی بھی مسکرا دیا۔

"چلو آؤ ___ اس صلح کی خوشی میں تمہیں آئس کریم کھلائیں؟"

وفا کی بات پر دونوں نے سر اٹھا کر دیکھا۔

"ہاں ___ تم کپڑے بدلو ___ میں امی سے پوچھ لوں۔ عاصمہ آتی ہی ہوگی۔

پھر "ایٹ مور" چلیں گے۔"

عفی اور شیبی کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

جب سے نوید ٹریننگ کے لئے گیا تھا وہ ایسی تفریح کو ترس

گئے تھے۔

وفا امی کے پاس چلی گئی اور وہ دونوں کپڑے بدلنے۔

کل عاصمہ آئی تھی اور "ایٹ مور" کا پروگرام بنا گئی تھی۔ بس ذرا سی تفریح کیلئے۔

وفا کو معلوم تھا ساتھ ندیم بھی ہوگا اس لیے اس نے لبنہ سے بھی اور شیبی کے لئے بھی پوچھ

لیا تو وفا تنہا نہیں جانا چاہتی تھی۔ لبنہ سے اجازت لے کر وہ کمرے کی طرف جا رہی تھی کہ باہر

دروازے کی گھنٹی بجی۔ وفا کمرے کی طرف جانے کی بجائے دروازے کی طرف مڑ گئی

عاصمہ اتنی جلدی آگئی؟ وفا کنڈی گراتے سوچا کی۔ لیکن جب دروازہ کھولا تو اپنے

سامنے اشتیاق احمد کو پا کر حیران رہ گئی۔ اسے دیکھ کر وہ مڑے اور پھر کار کا

دروازہ کھول کر سہارا دے کر اعجاز الحسن کو باہر نکالا۔ اشتیاق احمد کے بازوں کے

سہارے کے باوجود اعجاز الحسن ڈول رہے تھے۔ وفا نے جلدی سے آگے بڑھ کر تھام لیا۔

اعجاز الحسن کی اتنی بری حالت دیکھ کر اس کا اپنا حال برا ہو رہا تھا۔ لبمہ بھی گھنٹی کی آواز سن کر ادھر ہی آگئی تھیں۔ ایکدم گھبرا کے بولیں۔

" اشتیاق بھائی! خیریت تو ہے ؟" ان کی نگاہیں لڑکھڑاتے ہوئے شوہر پر رک گئیں۔

" یس ــ" اشتیاق احمد خفیف سا مسکرائے آگے کچھ کہنے کی شاید ہمت ہی نہ پڑی۔

اعجاز الحسن بالکل ٹھیک تھے۔ اشتیاق احمد کو ڈاکٹر کے مشورے سے تفریح کے لئے اپنے ساتھ لے گئے۔ لیکن وہیں پھر درد اٹھا اور دو دن تڑپنے کے بعد آج وہ شدید اصرار کر کے گھر لوٹ آئے۔

عفی اور شیبی تیار ہو کے نکلے تو دل تھام کے رہ گئے۔ اعجاز الحسن اپنے بستر پر نڈھال سے پڑے تھے۔ ہلکا ہلکا پنکھا چل رہا تھا۔ شام کے سائے پھیل رہے تھے۔ اشتیاق احمد تھکے تھکے سے پلنگ کے قریب کرسی پر بیٹھے ایک ٹک اعجاز الحسن کو دیکھے جا رہے تھے۔ عفی، اشتیاق احمد کی کرسی کا سہارا لئے کھڑی تھی۔ وفا باپ کے قریب بیٹھی ہولے ہولے ان کی پیشانی پر ہاتھ پھیر رہی تھی۔

شیبی دبے پاؤں کمرے میں آیا اور وفا پر جھک گیا۔

" ذرا ادھر آیئے باجی !"

" کیوں ــ ؟"

"آیئے تو —!"

وفا آہستہ سے اٹھی اور نشیبی کے پیچھے پیچھے باہر نکل گئی۔ برآمدے میں بھی کرسیوں پر بیٹھے عاصمہ اور ندیم کو وہ دور سے پہچان گئی۔

"ہیلو! کیسی ہو وفا —؟ عاصمہ وفا کو قریب آتا دیکھ کے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ندیم نے بھی کرسی چھوڑ دی۔

"چلو — ! ہمیں تو کچھ دیر ہو گئی آتے آتے —" عاصمہ گھڑی دیکھتے ہوئے بولی۔

"نہیں — دیر تو کوئی نہیں ہوئی۔" وفا کھلے بالوں کو انگلی پر لپیٹتے ہوئے بولی۔ "لیکن میں نہ جا سکوں گی۔"

"کیوں؟" یکبارگی عاصمہ اور ندیم نے نگاہیں اس کے چہرے پر گاڑ دیں۔

"ابو جی کی حالت ٹھیک نہیں ہے۔ ابھی ابھی چچا کے ساتھ آئے ہیں۔" وفا نے ہونٹ کاٹتے ہوئے دبی دبی آواز میں کہا۔

"اوہ! عاصمہ اداس ہو گئی۔" اس حالت میں انھوں نے سفر کیوں کیا؟"

وہ وفا سے اعجاز الحسن کی بیماری کے بارے میں بہت کچھ جان چکی تھی۔

"کیا بیماری ہے عاصمہ —" ندیم نے وفا کے چہرے پر ہلکی سی نظر ڈالتے ہوئے بہن سے پوچھا۔ عاصمہ نے کچھ کہنے کو لب کھولے لیکن وفا جلدی سے بول اٹھی

"پتہ نہیں —" ڈاکٹر کچھ ٹھیک نہیں بتاتے۔"

"میں دیکھ سکتا ہوں۔" ندیم اس کی حالت کا بغور جائزہ لیتے ہوئے بولا۔

"ضرور — کیوں نہیں —" وفا یہ کہتے ہوئے پلٹی اور دونوں کو ساتھ لے کر

اعجاز الحسن کے کمرے کی طرف بڑھی۔ اشتیاق احمد نماز پڑھنے کو جا چکے تھے عینی ہونے
ہولے اعجاز الحسن کا سر دبا رہی تھی۔

"آئیے۔۔!" وفا نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔
اعجاز الحسن نے وفا کی آواز پر آنکھیں کھول دیں۔
"کون ہے بیٹی۔۔؟"
اس اثنا میں عاصمہ اور ندیم کمرے میں داخل ہو چکے تھے۔
"یہ عاصمہ ہیں۔۔ میری دوست اور کلاس فیلو۔۔" اعجاز الحسن نے
شفقت سے عاصمہ پر نظر ڈالی۔
"اور یہ ڈاکٹر ندیم۔ عاصمہ کے بھائی۔"
مجھے آپ کو اپنے گھر دیکھ کر خوشی ہوئی ہے۔ لیکن افسوس۔۔ خود آپ کا استقبال
نہ کر سکا۔" اعجاز الحسن افسردہ سے بولے۔
"کوئی بات نہیں انکل۔۔ ہم کوئی غیر تھوڑی ہیں۔" عاصمہ مسکرا دی۔
اور ندیم اعجاز الحسن کی باتوں میں کھو گیا۔ باتوں ہی باتوں میں اس نے بیماری کی
ساری تفصیل معلوم کر لی۔ وفا اس کی ذہانت اور ہوشیاری کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکی
اشتیاق احمد کمرے میں واپس آئے تو وفا نے ان سے بھی عاصمہ اور ندیم کا تعارف
کرایا۔ وہ بڑی شفقت سے پیش آئے۔ پھر عاصمہ جانے کو اٹھی تو وفا نے جلدی سے
اس کے ہاتھ پکڑ لیے۔
"ابھی سے۔۔ تھوڑی دیر اور بیٹھو!"
ندیم مسکرا دیا

"بہت دیر ہوگئی۔ اب اجازت دے دیجئے!"

وفا کچھ کہنا چاہ رہی تھی کہ ایک دم سے نسیمہ اندر داخل ہوئیں۔

"ابھی اجازت نہیں ملے گی میرے بچو! چائے تمہاری منتظر ہے۔"

"اب کہیئے!" وفا شرارت سے بولی۔

ندیم کے ہونٹوں پر مخصوص مسکراہٹ پھیل گئی۔ آنکھوں میں خوشیوں کے دیپ جل اٹھے اور چہرہ کہیں زیادہ روشن ہوگیا۔ وفا سرٹ پٹا کے اشتیاق احمد کی طرف متوجہ ہوگئی۔

"آپ بھی آئیے چچا جان!"

"نہیں بیٹی ـــ اس وقت ذرا جی نہیں چاہ رہا تھا" وہ شفقت سے وفا کے رخسار تھپتھپاتے ہوئے بولے۔

"جیسے آپ کی مرضی" وہ مسکرا کے رہ گئی۔

چائے بنا کے وفا نے اچانک سر اوپر اٹھایا اور کپ ندیم کے سامنے رکھتے ہوئے بولی۔

"آپ نے ابو جی کی بیماری کے متعلق کیا اندازہ لگایا ہے؟"

ندیم تھوڑی دیر آنکھیں بند کئے بیٹھا رہا اور وفا دونوں اس کی طرف متوجہ تھیں۔

"اندازہ ـــ" ندیم نے نظریں وفا کے متجسس چہرے پہ گاڑ دیں۔

"آج میں کسی خاص اندازے پر نہیں پہنچ سکا۔ کل پوری طرح معائنہ کروں گا۔"

وفا نے گہرا سانس لیتے ہوئے کرسی کی پشت سے ٹیک لگالی اور عاصمہ ہنستے ہوئے بولی۔ "ویسے بھیا! آج آپ نے انکل کا اعتماد جیت لیا ہے"۔

"ہاں — تم نے ٹھیک کہا عاصمہ — لیکن —" ندیم نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"لیکن کیا —؟" عاصمہ کپ اٹھاتے ہوئے بولی۔

"لیکن — کچھ بھی نہیں —" ندیم کھلکھلا کے ہنس دیا۔

"تم جلدی سے چائے پیو تو گھر چلیں۔"

اس نے کوئی بات چھپائی تھی۔ وفا سمجھ ہی نہ سکی۔ لیکن جب وہ واپس لوٹے تو اس نے ندیم کو اگلے دن آنے کی بار بار تاکید کی۔

"شاید ابو جی کے لئے انہیں کے ہاتھوں میں شفا ہو۔"

وفا نے کنڈی لگاتے ہوئے سوچا اور پھر تھکے تھکے قدم لیتی اعجاز الحسن کے کمرے کی طرف چل دی۔

آسمان پر ستاروں کے چراغ جل اٹھے اور ندیم کا کہیں پتہ نہ تھا۔ کل اتنی تاکید کی تھی آنے کی ـــــ وفا برآمدے کی سیڑھیوں میں گود میں ہاتھ رکھے بیٹھی تھی۔ آنکھیں رو رو کے سوج چکی تھیں۔ رات اعجاز الحسن کی حالت بہت زیادہ بگڑ گئی تھی۔ اشتیاق احمد جلدی سے ڈاکٹر لے آئے۔ وفا خود بھی مستعد ہو گئی تھی اور پھر رات سے بات پورے دن پر پھیل گئی۔ لیکن ذرا جو افاقہ ہوا ہو تکلیف بڑھتی چلی گئی۔ اس وقت بھی دو تین ڈاکٹر اعجاز الحسن کے کمرے میں جیسے زندگی کی نبضیں ٹٹول رہے تھے۔ عفی، شیبی نے رو رو کے برا حال کر لیا تھا۔ نسیمہ کی نگاہیں خلاؤں میں جا اٹکی تھیں اور وفا اس بے بسی کے عالم میں بھی ماں اور عفی، شیبی کو تسلی، دلاسے دے رہی تھیں۔ مگر خود اپنے سینے میں دل کٹ کے رہ گیا تھا۔ دوپہر کو نوید اور کاشف کو بھی خط لکھ دیئے تھے۔ اور تھا ہی کون ان کا دل اس دنیا میں ـــــ کچھ رشتہ دار ۱۹۴۷ء کے خونیں انقلاب

کی نذر ہو چکے تھے۔ اور جو باقی بچے تھے وہ غیر ممالک میں جا کر آباد ہو گئے تھے۔
اس مصیبت کے وقت میں اشتیاق احمد فرشتہ ثابت ہوئے۔ اندر ڈاکٹر ابھی معروف تھے اور وفا سب باہر برآمدے میں بیٹھی ندیم کا انتظار کر رہی تھی۔ "وہ کینیڈا پلٹ ہے ضرور کچھ کر سکے گا۔" اسے جانے کیوں اس پر اتنا زیادہ اعتماد ہو چلا تھا۔ لیکن شام ڈوب رہی تھی اور ندیم کا دور دور پتہ نہیں تھا۔ امید اور انتظار کی کشمکش میں کبھی رو دیتی اور کبھی آنسو پونچھ کے دعاؤں میں کھو جاتی۔

آہستہ سے دروازہ کھلا۔ ندیم نے ذرا جھجک کر ادھر ادھر نگاہ ڈالی۔ دور برآمدے کی سیڑھیوں میں بیٹھی وفا پر نظر پڑی۔ دبے دبے قدم لیتا اس کی طرف چل دیا۔ وفا نے قدموں کی آہٹ پا کر سر اٹھایا اور نظریں ندیم پر جما دیں۔

" میرا ابو جی کو بچا بھی سکے گا یا نہیں"

" بچا بھی سکے گا یا نہیں "

" بچا بھی سکے گا یا نہیں "

امید و بیم کے مد و جزر میں وفا سر تھامے خالی خالی نظروں سے ندیم کو گھورتی رہی۔ ندیم نے وفا کو یوں بے حس پایا تو ایکدم بازو سے پکڑ کر اپنے سامنے کھڑا کر لیا اور پھر فکر مند سے لہجے میں بولا۔

" آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے ؟"

" جی " وفا چونکتے ہوئے بولی۔

میں نے کہا " ندیم اس پر جھک آیا۔

" طبیعت تو ٹھیک ہے!"

وفا نے جواب میں کچھ نہ کہا۔ کانپ کے پیچھے ہٹی اور پھر ایک دم ہی رو پڑی۔

"ارے ۔۔۔!" ندیم پریشان سا ہو گیا۔

"کیا ہوا ۔۔۔"

"آپ بہت بڑے ڈاکٹر ہیں۔ آپ کے پاس ڈاکٹری کی اعلیٰ ڈگری ہے۔ خدا کے لئے میرے ابو کو بچا لیجئے۔" وفا روتے ہوئے بولی۔

ندیم کے چہرے پر سائے سے لہرا گئے۔

"ارے ۔۔۔ مجھے انکل کے پاس لے چلئے ۔۔۔!" ندیم نہایت ذمہ داری سے آگے بڑھتے ہوئے بولا۔

ندیم نے خود بھی اعجاز الحسن کا اچھی طرح معائنہ کیا۔ دوسرے ڈاکٹروں سے بھی صلاح مشورہ کیا اور پھر تھکا تھکا سا اعجاز الحسن کے کمرے سے باہر نکل گیا۔

وفا لپک کے اس کے پیچھے ہولی۔ ندیم نے پلٹ کر اسے دیکھا اور سر جھکا لیا۔

"ابو جی کی حالت کیسی ہے؟"

وفا کے سوال پر ندیم بوکھلا سا گیا۔

"آپ بولتے کیوں نہیں ندیم!" وفا نے اسے جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔ پہلی بار اس کی زبان پر ندیم کا نام آ گیا تھا۔

"وفا! ۔۔۔" ندیم نے ہولے سے وفا کا ہاتھ تھام لیا۔

"تم خود ڈاکٹر بننے والی ہو۔ میں تمہیں کیا سمجھاؤں۔"

"میں اپنے سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں گنوا چکی ہوں ندیم! مجھے سب کچھ صاف صاف بتا دیجئے۔" وفا بے قراری سے بولی۔

ندیم بے بس سا مسکرا دیا اور آسمان پر کھلنے والے ستاروں کو دیکھتے ہوئے بڑی آہستگی سے بولا۔

" زندگی اور موت خدا کے ہاتھ میں ہے وفا! دوائیں جاری ہیں، تم دعا کرو۔"

" آپ ابوجی کے لئے کچھ نہیں کر سکتے ۔" وفا نے بے بسی سے ندیم کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

" کاش میں ایک ڈاکٹر نہ ہوتا ۔" ندیم کا سر جھک گیا ۔" لیکن ۔ لیکن خدا بہت رحیم ہے ۔ ! ضرور تمہاری سنے گا ۔ تم اس سے دعا تو مانگو ۔!"

وفا کے منہ سے کچھ نہیں کہا۔ بس سوئی سوئی آنکھوں سے اسے دیکھا اور واپس مڑ گئی۔

ندیم کچھ دیر اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ بکھرے بکھرے بال، سوجی سوجی آنکھیں ویران چہرہ اور میلے کپڑے کیسی اجڑی اجڑی سی لگ رہی تھی وہ ۔

دبی سی سانس کھینچتے ہوئے ندیم دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

وفا کا خیال جھٹک کر ندیم نے کار سٹارٹ کی اور سامنے سیدھی سڑک پر نظریں جمائے مشینی انداز میں کار چلاتا گیا۔ کار دھیرے سے مڑ کے گیٹ میں داخل ہوگئی۔ پوری کوٹھی اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ کار رکنے کی آواز سن کر عاصمہ برآمدے کی سڑھیاں پھلانگتے ہوئے تیزی سے بڑھی۔ ندیم نے کار کی چابیاں لہراتے ہوئے بہن کا ہاتھ تھام لیا۔

" کیوں خیریت ؟" عاصمہ ندیم کے ساتھ واپس مڑتے ہوئے بولی۔

" بڑا ڈر لگ رہا بھیا !"

"اندھیرے تبھی پھیلا رکھے ہیں گھر بھر میں۔"

"بجلی بند ہو گئی ہے بھیا ۔۔۔۔" عاصمہ ڈرتے ہوئے بولی "اور ڈیڈی بھی آپ کے بعد کہیں چلے گئے تھے۔"

دونوں اندر جانے کی بجائے وہیں برآمدے میں بیٹھ گئے۔ چاند آج تاروں کی محفل میں تھا۔ تاروں کی ٹھنڈی روشنی فضا کو سحر آمیز بنا رہی تھی۔ عاصمہ اور ندیم دونوں چپ بیٹھے تھے۔ عاصمہ لمحہ بھر کو مسکرائی اور پھر شوخ نظروں سے بھائی کو دیکھتے ہوئے بولی

"کس کے خیالوں میں گم ہیں بھیا؟"

ندیم کے ہونٹوں پر آپ ہی آپ مدھم مسکراہٹ پھیل گئی۔ نظریں خلاؤں میں ٹکائے ہوئے شرارت سے بولا۔

"میں بھلا کس کے خیالوں میں کھو سکتا ہوں"

کس کے ۔۔۔" عاصمہ اٹھلائی۔

جانے دیجئے! آپ کو خوب جانتی ہوں۔ اچھا یہ بتائیے وفا کے ابا کیسے ہیں؟"

عاصمہ کے سوال سے ندیم کے چہرے پر دھواں سا چھا گیا۔ بستر مرگ پر پڑا ایسا مشفق اور بے ضرر سا انسان ۔۔۔ اور اسے صحت کی طرف کھینچ لانے کی تلقین کرنے والی تڑپتی بلکتی اس کی اپنی وفا ۔۔۔ اس کے ہونٹوں سے آہ نکل گئی۔

"بھیا ۔۔۔!" عاصمہ نے بھائی کو جھنجھوڑ ڈالا "آپ خاموش کیوں ہیں بھیا؟"

"ارے پاگل!" ندیم نے عاصمہ کے سر پر ہلکی سی چپت رسید کی۔

"بس دوائیں جاری ہیں۔ آگے جو خدا کو منظور۔"

"آپ ان کے لئے کچھ نہیں کر سکتے بھیا!" عاصمہ نے بھائی کے ہاتھ

پکڑتے ہوئے بے قراری سے کہا۔

اور ندیم تڑپ اٹھا۔

"یہی سوال مجھ سے وفا نے کیا تھا عاصمہ! اور میں نے اسے کہا تھا کہ خدا سے دعا کرو۔"

"ڈاکٹر بھی بے بس ہو چکے ہیں بھیّا؟" عاصمہ دکھی دکھی سی بولی۔ اسے وفا کے ناطے اس گھر کے ہر فرد سے بے انتہا پیار تھا۔ پھر اعجاز الحسن تو تھے ہی ایسی پیار کرنے والی ہستی کو عاصمہ کو ان سے عقیدت سی ہو گئی تھی۔

ندیم خود اپنی بے لبسی پر پریشان تھا۔ مگر جب سبھی ڈاکٹر ہار چکے ہوں تو تریاق زہر لگنے لگے تو پھر۔۔۔؟

عاصمہ اداس تھی۔ ندیم اداس تھا اور فضا جو اتنی خوب صورت اور اتنی رنگین تھی اجڑی سی لگتی تھی۔

ایکدم سے بجلی آ گئی اور کوٹھی بقعۂ نور بن گئی۔

"آؤ عاصمہ اندر چلیں۔۔۔!"

"چلیئے۔۔۔!"

عاصمہ اور ندیم آگے پیچھے ڈرائننگ روم میں داخل ہوئے۔ کلاک ساڑھے آٹھ بجا رہا تھا۔ کھانے کے انتظار میں دونوں وہیں بیٹھ رہے۔ عاصمہ ریکارڈ دیکھ رہی تھی اور ندیم تھکا تھکا سا صوفے میں دھنسا کچھ سوچے چلا جا رہا تھا۔ عاصمہ کچھ پوچھنے کو مڑی تو ندیم کو یوں گم پا کر اس کے قریب آ گئی۔

"بھیّا! یہ کیا عادت ہو گئی ہے آپ کی۔ غیر حاضر رہنا کہاں سے سیکھ لیا ہے؟"

حسب عادت ندیم عاصمہ کی بات پر مسکرایا نہیں بلکہ سنجیدہ سا اسے صوفے کے بازو پر بٹھاتے ہوئے بولا۔

"عاصمہ!"

"ہوں ـــ!" عاصمہ ہمہ تن گوش ہوئی۔

"میں نے تم سے ایک بات کہی تھی۔"

"کیا ـــ؟" عاصمہ جانتے بوجھتے انجان بن گئی۔

"نحوست عاصمہ ـــ!" ندیم خاصا سنجیدہ ہو چلا تھا۔

"بھئی ـــ کچھ پتہ بھی چلے۔" عاصمہ مسکرائی۔

"جاؤ ـــ نہ سہی۔" ندیم نے ناراض ہوتے ہوئے صوفے سے ٹیک لگالی۔

"آپ تو بس یونہی ناراض ہو جاتے ہیں بھیا۔"

ندیم خاموش رہا۔

"دیکھیے بھیا ـــ! اب میں بھی سنجیدہ ہو چلی ہوں مجھے اس بات کے متعلق کوئی اشارہ دیجیے۔" عاصمہ سنجیدگی سے بولی۔ مگر ہونٹوں کے کپکپاتے گوشے شرارت کا راز کھولے جا رہے تھے۔

"بڑی شریر ہو عاصمہ۔" ندیم سیدھا ہو بیٹھا۔

"میں نے تم سے وفا کے متعلق کچھ کہا تھا۔"

"اچھا اب ـــ یاد آیا ـــ" عاصمہ ندیم کے قریب صوفے میں دھنستے ہوئے بولی۔

"تو جب سے آپ اسی خیال میں گم ہیں۔"

"اب جو تم سمجھ لو۔" ندیم ہولے سے مسکرایا اور عاصمہ ایک دم سے سنجیدہ ہوگئی۔
"کیا وفا کے سوا آپ کسی اور لڑکی کو پسند نہیں کر سکتے بھیا!"
"کیا مطلب؟" ندیم چونک اٹھا۔
"یہی — کہ اگر وفا آپ سے شادی سے انکار کر دے۔ تو — ؟"
ندیم بجھ کے رہ گیا۔ وہ تو وفا کو دیوانہ وار چاہے چلے جا رہا تھا۔ یہ تو اس نے کبھی بھول کر بھی نہ سوچا تھا کہ وفا اس کی نہیں ہو سکتی۔ پھر اس کے برعکس وفا بہت سنجیدہ لڑکی تھی اس نے کبھی ندیم سے کوئی ایسی بات نہیں کی تھی کہ وہ اسے پیار کی نشانی کے طور پر سمجھ کر خوش ہو لیتا۔ تصورات میں تعمیر کئے محل اتنی بلندی تک جا پہنچے تھے کہ عاصمہ کی بات پر ان کے چکنا چور ہو جانے کا ایک لمحہ کے لئے اسے خدشہ ہوا اور وہ کانپ اٹھا۔

"آپ بار بار کھو کیوں جاتے ہیں بھیا؟"
عاصمہ کی معصوم پکار پر ندیم خیالات کے جزیروں سے لوٹ آیا۔
"تم ٹھیک کہتی ہو عاصمہ۔ وفا مجھے اپنانے سے انکار بھی کر سکتی ہے —— لیکن میں؟" اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ تاریک سایے اس کے خوب صورت چہرے پر پھیل گئے۔
"آگے بولئے بھیا!" عاصمہ پریشان سی بولی۔
"آگے کیا؟ وفا نہیں تو کوئی اور سہی!" ندیم خود قابو پا کے ہنستے ہوئے بولا۔
"اور ابھی تو میں ناامید بھی نہیں ہوں عاصمہ! تم نے وفا سے بات بھی تو نہیں کی!"

عاصمہ خوش ہو گئی۔

"ہاں بھیا! وفا بہت پیاری لڑکی ہے وہ میری بھابی بننے سے کبھی جو انکار کرے۔"

عاصمہ کو اپنی سہیلی پر بہت زیادہ اعتماد تھا۔

"اچھا ــــ تو تم کب کر رہی ہو اس سے بات؟" ندیم نے انگلیاں چٹخاتے ہوئے پوچھا۔

"آج کل تو وہ سخت پریشان ہے۔ ذرا انکل ٹھیک ہوں تو بات کروں۔ ایسے میں اسے کچھ کہنا زیادتی ہے۔"

"ہوں ــــ" ندیم چپ ہو رہا۔

"آج وفا کیسی تھی؟" عاصمہ کے کہنے پر ندیم نے سوالیہ نظریں بہن کے چہرے پر گاڑ دیں۔

"میرا مطلب ہے" عاصمہ مسکرائی۔

"وفا کچھ زیادہ پریشان تو نہ تھی۔"

ندیم نے آنکھیں موند لیں۔ نظروں تلے اجڑی اجڑی وفا آکھڑی ہوئی۔

"پریشان ــــ آج تو وہ ہمیشہ سے زیادہ اداس اور سوگوار سی لگ رہی تھی"

"وہ انکل کی حالت سے اچھی طرح واقف ہے۔ اس لئے کچھ زیادہ ہی اثر لیا ہے اس نے" عاصمہ اداس سی بولی۔

اللہ میاں بھی کتنا بے نیاز ہے۔ کیسے چپ چپاتے اتنے بڑے غم دیتا ہے انسان کو" عاصمہ نے آنسو روکتے ہوئے بمشکل کہا۔

اس لیے ڈیڈی اندر داخل ہوئے۔

"تم لوگوں نے کھانا نہیں کھایا ابھی؟" وہ کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے بولے۔

"نہیں ڈیڈی۔ نو تو ابھی بجے ہیں۔" عاصمہ اٹھتے ہوئے بولی۔

"میں ذرا کھانے کا پتہ کراؤں۔"

کھانا کھانے کے بعد ندیم اس دن خلافِ معمول جلدی ہی سونے چلا گیا۔ نیند تو ابھی نہ آئی تھی مگر متضاد خیالات سے ذہن پھٹا جا رہا تھا۔ بازوؤں میں منہ چھپا کے اس نے انتہائی دکھ سے سوچا کہ وفا اس کی کمزوری کیوں بن گئی ہے! اس کے چھن جانے کے خیال سے ہی وہ اتنا بہت سارا اداس ہو گیا تھا۔ اپنی نادانی پر جھلا بھی رہا تھا۔ مگر دل کے ہاتھوں مجبور تھا۔ اسے عاصمہ پر غصہ سا آنے لگا کس بے دردی سے کہہ دیا تھا۔

"اگر وہ شادی سے انکار کر دے تو؟"

عاصمہ کا کہا جملہ کورس کی صورت میں ندیم کے کانوں میں گونجا تو وہ گھبرا کے اٹھ بیٹھا۔

رات دھیرے دھیرے سلگ رہی تھی اور ندیم کھڑکی کی چوکھٹ پر کہنیاں ٹکائے خلاؤں میں بے مقصد گھور رہا تھا۔

"وفا نہ ملی تو کیا میں زندہ نہ رہوں گا؟" دماغ کا انداز کیا طنزیہ تھا۔

موت تو اپنے بس میں نہیں۔ ہاں زندگی آزار ضرور بن جائے گی۔ دل تنتنا کے بولا۔

دل اور دماغ کی چپقلش جاری رہی اور وقت اسے لمحوں کی سُولی چڑھا کے دھیرے دھیرے گزرتا چلا گیا۔

وفانے چائے کا سامان ٹرے میں رکھا اور پھر عفی، شیبی کو آرام سے بیٹھنے کا کہہ کر اعجاز الحسن کے کمرے کی طرف چل دی۔ پچھلے دو دن سے انہیں کچھ افاقہ تھا۔ ملنے جلنے سے تو لاچار تھے مگر درد کی شدت میں فرق آچلا تھا۔ اشتیاق احمد ان کی طرف سے مطمئن ہو کر آج واپس لوٹ رہے تھے۔ پیچھے عذرا کا بھی خیال تھا۔ وہ بھی تو پل دو پل میں بستر پر پڑ جاتی تھیں۔

وفا کے دونوں ہاتھ مصروف تھے۔ سر کو جھٹکا دے کر پردہ ہٹانا چاہا لیکن اعجاز الحسن کی آواز نے اس کے بڑھتے قدم روک لئے۔

"جانے زندگی کی یہ جھلملاتی شمع کب بجھ جائے اشتیاق بھائی!"

لہجے میں کیسی حسرت تھی۔ وفا کا دل بیٹھ سا گیا۔

"اعجاز! تمہیں ناامید نہیں ہونا چاہیئے۔ بچے سہم کے رہ گئے ہیں اور بھابی کا

حال تو دیکھو۔"

اشتیاق احمد سمجھانے کے سے انداز میں بولے۔

"مجھے اس بات کا خود احساس ہے۔ اشتیاق بھائی! لیکن — " اعجاز الحسن دکھ سے گئے۔

" زندگی کا دیا ہولے ہولے بجھ رہا ہے۔ یہ بھی مجھے معلوم ہے۔"

" پھر وہی غلط بات۔" اشتیاق احمد پیار بھری خفگی سے بولے۔

" یہ غلط بات نہیں اشتیاق۔" اعجاز الحسن دکھی سے بولے۔

مجھے تو اپنی موت سے بڑھ کر یہ خیال ستا رہا ہے کہ میں اپنے بچوں کے لئے کچھ نہ کر سکا۔"

" ایسا نہ کہو اعجاز۔" اشتیاق احمد نے ٹوکا۔

وفا تھوڑے دنوں تک ڈاکٹر بن جائے گی۔ نوید کی ٹریننگ بھی ختم ہونے والی ہے تمہیں اس بارے میں بالکل فکر نہیں کرنا چاہیئے، خدا کے فضل سے تم نے ہزاروں سے اچھا اپنے بچوں کو لکھایا پڑھایا ہے۔"

اشتیاق احمد کی بات حقیقت پر مبنی تھی۔ لیکن اعجاز الحسن تو محبت کے ہاتھوں مجبور تھے۔

اللہ کا شکر ہے وفا اپنی منزل کو پہنچی۔ بڑی حساس بچی ہے۔ میرے فکر میں تو آدھی بھی نہیں رہی۔" اعجاز الحسن کھو سے گئے۔" نوید بھی بہن کے نقش قدم پر گیا ہے۔ خدا اسے کامیاب کرے۔"

" آمین! خدا تمہاری محنت بار آور کرے۔" اشتیاق احمد نے کرسی کی پشت

سے ٹیک لگالی ۔ وفا نے بازو بڑھا کر آنسو پونچھے اور پردہ ہٹاتے ہوئے اندر چلی آئی ۔

" وفا بیٹی ناشتہ لائی ہیں "۔ اشتیاق احمد سنبھل کر بولے :" بڑی پیاری بیٹی ہے "

بیٹی کی تعریف پر اعجاز الحسن کھل اٹھے ۔ انھوں نے چپ چاپ سی وفا پر نظر ڈالی اور پھر پیار بھرے لہجے میں بولے ۔

" ادھر میرے پاس آؤ بیٹی ! "

وفا ٹرے میز پر رکھتے ہوئے پلٹی ۔ اعجاز الحسن نے اسے اپنے پاس بٹھا لیا اور سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پیار سے بولے ۔

" تم اداس نہ رہا کرو بیٹی ! "

" میں اداس کب رہتی ہوں ابو جی ! " وفا مسکرا دی اور پھر اشتیاق احمد سے مخاطب ہوئی ۔

" ابو جی کی چھٹی کا کیا بنا چچا جان ! "

" ڈاکٹری سرٹیفکیٹ اور درخواست بھجوا دی ہے " پھر مسکراتے ہوئے بولے ۔

تمہارے ابو جی نے ساری عمر بڑی ایمانداری سے اپنی ڈیوٹی دی ہے ۔ تمہیں چھٹی کے بارے میں متفکر نہیں ہونا چاہیئے بیٹی ! "

وفا مسکرا دی ۔ اس نے اعجاز الحسن کو تکیوں کے سہارے بٹھا دیا ۔ پھر ضرورت کی تمام چیزیں اشتیاق احمد کے سامنے رکھتے ہوئے ابو جی کو ناشتہ کرنے میں مدد دیتی رہی ۔

" تو پھر تم آج ہی جا رہے ہو اشتیاق ؟ "

اعجاز الحسن نیپکن سے ہاتھ پونچھتے ہوئے بولے ۔

"ہاں ۔ انشاء اللہ آج میں روانہ ہو جاؤں گا؛" اشتیاق احمد نے چائے کی پیالی پرے ہٹاتے ہوئے کہا۔

"پھر کب آؤ گے؟"

"بہت جلد ۔"

"بھابی کو بھی ساتھ لانا۔"

"ضرور ۔" اشتیاق احمد مسکرا کے بولے۔

"تمہاری بھابی تو ضرور آئیں گی۔ وہ تم سے کچھ مانگنا چاہتی ہیں؟"

"مجھ سے ۔" اعجاز الحسن حیرت سے بولے۔

"میرے پاس ہے کیا جو بھابی کو پسند آئے۔" اعجاز الحسن افسردہ سے بولے۔

"ہے نا کچھ۔ جو تمہاری بھابی کو بے طرح پسند آگیا ہے۔" اشتیاق احمد جھکی جھکی وفا کو دیکھتے ہوئے پیار سے بولے۔

"لیکن سنو بھائی! انکار نہ کرنا۔ وہ دل کی مریضہ ہیں۔"

اعجاز الحسن کچھ جان کے مسکرا دیئے اور وفا برتن اٹھا کے جلدی سے باہر نکل گئی۔ اسے خود پر قابو نہ رہا تھا۔ پیشانی پر پسینے کی بوندیں چمکنے لگی تھیں۔ ہونٹ سوکھ رہے تھے۔ برتن باورچی خانے میں رکھتے ہوئے بنا کچھ کہے سنے سیدھی اپنے کمرے میں چلی گئی اور پلنگ پر گر کے پھوٹ پھوٹ کے رو دی۔ ضبط اور صبر کے تمام تر بندھن ٹوٹ گئے۔ سینے میں درد دل ٹکڑے ٹکڑے ہونے لگا۔ درد آنسوؤں کے آنکھوں کی راہ بہہ نکلا۔ نڈھال نڈھال سی نیند کی بانہوں میں جھول گئی اور پھر جب شام سمے اس کی آنکھ کھلی تو اس کے زخمی دل کا خون شفق بن کے افق تا افق

پھیل چکا تھا۔

" زندگی درد بنے گی ہمیں معلوم نہ تھا۔"

وفا نے کراہتے ہوئے پہلو بدلا۔ میں کس قدر عاجز سی ہو کے رہ گئی ہوں بنیل جو میری ہمت، میری طاقت تھا وہی سمندر پار جا بیٹھا۔ ان حالات کا مقابلہ تنہا کیوں کر کروں؟ رُکے رُکے آنسو بہہ نکلے۔

وفا کی نظروں تلے کبھی بنیل کا خوب صورت اور شوخ چہرہ ابھرتا، اور کبھی بیمار باپ کا بے بس وجود مچلنے لگتا۔

" بنیل! تم مجھے تنہا کیوں چھوڑ گئے۔ میں ان حالات کا مقابلہ کیسے اور کیونکر کروں؟ کہیں مجبوریوں کی بھینٹ چڑھ گئی تو پھر نہ کہنا وفا بے وفا تھی۔

" وفا اور بے وفا ـــ" وفا روتے روتے ہنس دی۔

وفا اور بے وفا ـــ وفا اور بے وفا؟

وہ کانوں پہ ہاتھ رکھ کے چیخ اٹھی۔ عفی اس کے کمرے کی طرف آ رہی تھی چیخ سن کر الٹے قدموں باورچی خانے کی طرف بھاگی۔

" امی ـــ!" وہ نسیمہ کے ہاتھ تھامتے ہوئے بولی۔

" کیا ہے ـــ ؟" نسیمہ ڈبے میں سے کچھ نکالتے ہوئے ذرا گردن موڑ کر بولیں۔

" باجی کو جانے کیا ہو گیا ہے؟" عفی کا لہجہ خوف زدہ سا تھا۔

" کیا ـــ ؟" نسیمہ تولیے سے ہاتھ پونچھتے ہوئے تیزی سے باہر نکلیں۔

"میں ان کے کمرے کی طرف جا رہی تھی امی ــــ کہ ان کی چیخ کی آواز سنی۔"
نسیمہ نے تیزی سے قدم بڑھاتے ہوئے وفا کے کمرے کا پردہ ہٹایا۔
وفا گھٹنوں میں منہ دیئے سسک رہی تھی۔
"وفا ــــ!" نسیمہ نے وفا کا آنسوؤں سے تر چہرہ اوپر اٹھایا۔
"کیا ہوا بیٹی ــــ!" انھوں نے اس کے بکھرے ہوئے بال سمیٹتے ہوئے شفقت سے پوچھا۔ وفا نے ایک دردناک نگاہ ان کے چہرے پر ڈالی اور پھر ہونٹ کاٹتے ہوئے بے قراری سے بولی۔
"میرے دل کو کچھ ہو رہا ہے امی۔"
نسیمہ نے تڑپ کے وفا کو سینے سے لگا لیا اور اس کے بالوں کو انگلیوں سے سلجھاتے ہوئے بولیں۔
"کیا ہوا میری بیٹی کو؟"
پھر عفی سے مخاطب ہوئیں۔" جاؤ عفی۔ اماں سے کہو تھوڑا سا دودھ گرم کر دیں!"
عفی دودھ لینے چلی گئی اور وفا، نسیمہ کے سینے میں منہ چھپائے سسکتی رہی۔
نسیمہ پریشان تھیں۔ جانے وفا کو ایک دم سے ہی کیا ہو گیا تھا۔ بیٹی کی تکلیف سمجھنے سے وہ قاصر تھیں۔ عفی دودھ لائی تو نسیمہ نے بعد اصرار تھوڑا سا دودھ پلایا اور چپ لیٹنے کا کہہ کر اعجاز الحسن کو دیکھنے چلی گئیں۔ پھر عفی، سیمی کتنی ہی دیر بیٹھے اس کا دل بہلاتے رہے وفا ان کی معصوم حرکتوں میں کھو کے اپنا غم بھول گئی ــــ
مگر رات سوتے سمے ذہن کی بھٹی پھر سلگ اٹھی۔
"کیا میں نبیل سے ہمیشہ کیا بچھڑ جاؤں گی۔ وہ مجھ سے وعدہ لے کر گیا تھا کہ

اس سے کبھی بے وفائی نہ کروں گی اور اب ـــــ"

اس کا دل اتھل پتھل ہونے لگا۔ سرہانے تھوں میں تھام کے اوندھے منہ لیٹ گئی۔ تصورات اسے کچھ دن پیچھے لے گئے۔

کاشف کی منگنی سے اگلا دن بڑا تھکا تھکا سا تھا۔ وفا تھکن کے مارے کالج بھی نہ جا سکی۔ سارا دن کبھی دھوپ اور کبھی چھاؤں میں لیٹی رہی۔ دوپہر میں عفی، شیبی سکول سے واپس آئے تو مضمحل تو ہی بہت حد تک جاق و چوبند ہو چکے تھے۔ ان کے ساتھ کھانا کھانے اندر چلی گئی۔ کھانے کے بعد غسل کیا۔ اور پھر تینوں دھوپ میں جا بیٹھے۔ بسمہ کو بازار کچھ کام تھا۔ وفا سستی کے مارے ان کے ساتھ نہ جا سکی البتہ شیبی کو ساتھ کر دیا۔

سورج تیزی سے مغرب کے سمندر میں ڈوبنے کو بڑھ رہا تھا۔ عفی کی تعریں کتاب پڑ لگی تھیں اور وفا نیم وا آنکھوں سے بیٹھی بے تحاشا سوچے چلی جا رہی تھی۔ تبھی کال بیل کی سنسناہٹ سے محویت ٹوٹ گئی۔

"دیکھو عفی! باہر کون ہے ـــــ امی تو اتنی جلدی نہیں آ سکتیں۔"

وفا نے عفی کو دروازے کی طرف بھیجا اور خود کھلے بالوں کو جو اب سوکھ چلے تھے باندھنے لگی۔

"کاشف بھائی آئے ہیں باجی ـــــ اور بنیل بھائی بھی ـــــ"

عفی دروازے پر سے ہی چیخی۔ بنیل کے نام پر وفا کا چہرہ گلرنگ ہو گیا۔ بال چھوڑتی ہوئی اٹھ بیٹھی اور نظروں میں شوخ سراپا گھوم گیا۔

"امی کدھر ہیں ـــــ؟" کاشف عفی سے پوچھ رہا تھا۔

"بازار گئی ہیں ۔"

"اوہ ۔۔۔ مارے گئے ۔۔۔" کاشف نے بنیل کی طرف اس انداز سے دیکھا کہ وفا کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"کیا بہت ضروری کام تھا آپ کو اُن سے کاشف بھائی!" وہ مسکراتی ہوئی بولی۔

"ہاں ۔۔۔ بہت ہی ضروری ۔۔۔" کاشف کی بجائے بنیل نگاہوں میں شوخی بھر کے بولا۔

"آیئے بیٹھئے ۔۔۔ اور انتظار کیجئے ۔۔۔" وفا ڈرائینگ روم کی طرف چل دی۔

"کیوں عفی تم باہر بیٹھیں کیا پڑھ رہی تھیں ۔۔۔" کاشف محض بات کرنے کو بولا۔

"اپنی کتاب بھیا ۔۔۔!"

"لاؤ میں بھی دیکھوں ۔۔۔"

وفا مسکرا دی۔

"آپ تو بالکل بچے ہیں کاشف بھائی ۔۔۔"

"ہوں تو نہیں ۔۔۔ البتہ بعض اوقات اس گدھے کی بدولت بچہ بھی بننا پڑتا ہے ۔۔۔" کاشف نے سنجیدگی سے کہا۔ اور بنیل نے کچھ کہنے کو لب کھولے ہی تھے کہ عفی کتاب سمیت پردہ ہٹاتے ہوئے اندر داخل ہوئی۔

کاشف عفی کے ساتھ مصروف ہوگیا تو وفا چائے بنانے کو اٹھی بنیل نے جاتی ہوئی وفا کے نازک سراپے پر نظر ڈالی اور آنکھیں موند لیں۔

وفا بھی چولہے پر پانی بھی نہ رکھ پائی تھی کہ بنیل پیچھے پیچھے آ پہنچا۔

"اماں کو کہاں سپلائی کر دیا ۔۔ ؟"

"گاؤں گئی ہوئی ہیں ۔۔"

"اور تم نے ان کی جگہ لے لی؟" بنیل مسکرایا۔

"نہیں تو ۔۔" وفا الماری کے پٹ کھولتے ہوئے بولی

"چائے تو اکثر میں خود ہی بنایا کرتی ہوں ۔۔"

بنیل لمحہ کو کھو سا گیا۔ وہ کچھ کہنا چاہ رہا تھا مگر ہمیشہ کی طرح آج بھی الفاظ ساتھ نہ دے رہے تھے۔

"کیا سوچ رہے ہیں آپ؟" وفا کپ نکالتے ہوئے بولی۔

"کیا سوچ سکتا ہوں۔ یہی کہ تمہارے ہاتھوں کی بنی یہ آخری چائے دیارِ غیر میں مدت تک رہ رہ کے یاد آئے گی۔"

وفا لمحہ بھر کو کانپ گئی۔ رات ہی تو بنیل نے اسے بتایا تھا کہ وہ اعلیٰ تعلیم کے لئے باہر جا رہا ہے۔ تو جدائی کا وہ جانگسل لمحہ آ پہنچا جس کے خوف سے میں راتوں جاگی۔

"اب تمہاری آنکھوں میں سوچیں کیوں ڈولنے لگیں؟" بنیل اس پر جھک کے شرارت سے بولا۔ مگر وفا اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے انتہائی کرب سے بولی۔

"تو کیا آپ واقعی جا رہے ہیں؟"

"تمہیں شک ہے اب تک ۔۔ ؟"

وفا چپ ہو رہی اور کہتی بھی کیا۔ بنیل اسے پژمردہ دیکھ کر متبسم سا بولی۔
"فکر مت کرو وفا! ہو سکتا ہے کہ نہ ہی جاؤں۔"
وفا چونک کے مڑی۔
"وہ کیوں ــــ؟"
"امی نے بڑی مشکل سے اجازت دی ہے ہو سکتا ہے ممتا پھر راہ روک لے۔"
"نہیں ــــ" وفا دھیرے سے بولی۔
"ممتا ایک بار اجازت دے دے تو پھر کبھی راہ میں حائل نہیں ہوا کرتی۔"
"تم نے مجھے خوش فہمی میں ہی رہنے دیا ہوتا۔" بنیل اس کے ادھر کھلے بالوں کو لہراتے ہوئے بولا۔
"کیوں؟ کیا دل مزید پڑھنے کو نہیں چاہتا؟"
"چاہتا ہے۔ بہت چاہتا ہے۔ لیکن ــــ" بنیل ایک لمبی سانس کھینچ کر رک گیا۔
"لیکن ــــ کیا؟" وفا کی آنکھوں میں سوال ابھر آیا۔
"تمہیں چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔" بنیل نے اس کے قریب ہوتے ہوئے سرگوشی کی اور وفا سمٹ کے پرے ہٹ گئی۔
"بڑا نادان ہے آپ کا دل ــــ" وہ دوپٹہ انگلی میں لپیٹتے ہوئے بولی۔
بنیل سنجیدہ ہو گیا۔ وفا کے ہاتھ تھامتے ہوئے بولا۔
"سنو! مجھے یاد رکھنا ــــ اور میرا انتظار کرنا۔!"
بنیل کا لہجہ اداس تھا۔ وفا شوخ ہو گئی۔

کاشف بھائی آیا کریں گے تو ان کے ساتھ آپ کی یاد بھی بلا ٹکٹ چلی آیا کرے گی۔ ہاں — انتظار کرنے کا کوئی وعدہ نہیں کرتے۔"

"کیا کہا — ؟" بنیل نے ایک جھٹکے سے اس کا رخ اپنی طرف موڑ لیا۔

"دودھ اُبل جائے گا چھوڑیئے —!" وفا چولھے کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"اُبلنے دو —!" وہ بہت سنجیدہ ہو چلا تھا۔

"کیا مصیبت ہے — ؟" وفا جھنجلا سی گئی۔

"میں مصیبت ہوں تمہارے لئے — ؟" بنیل نے پوچھا۔

"اور نہیں تو کیا — ؟" وفا جلدی سے دودھ کی طرف بڑھی اور بنیل باورچی خانے سے نکل گیا۔

چائے پیتے سمے وہ بڑا اداس اور چپ چاپ سا لگ رہا تھا۔ وفا نے بمشکل ہنسی روکی۔ کچھ ہی دیر بعد لبیبہ آگئیں۔ انھوں نے بنیل کے جانے کا سنا تو کھانے پر روک لیا۔ اماں موجود نہ تھیں۔ شیبی کو بازار بھیجکر وفا اور لبیبہ باورچی خانے میں مصروف ہوگئیں۔ کاشف کبھی باورچی خانے کے چکر لگاتا اور کبھی بنیل کا سر کھاتا۔ شیبی بازار سے واپس آیا تو عفی شیبی نے دونوں میں لڑائی کر دی۔ عفی تو رو ہی دی۔ بنیل نے بڑی مشکل سے اسے خاموش کرایا اور کاشف کو ڈانٹ دی۔ کاشف کھل کھلا کے ہنس دیا۔ بنیل کو اس کی زندہ دلی پر بے پناہ رشک آنے لگا۔

کھانے کے فوراً بعد بنیل نے اجازت چاہی۔

"چائے تو پی لیجئے!" وفا اٹھتے ہوئے بولی اور بنیل نے منہ موڑ

لیا یعنی ناراض تھا وہ ابھی تک ـــــ

وفا چائے بنالائی۔ پھر چائے پیتے پیتے کافی دیر ہوگئی۔ عفی رو رو کے تھک چکی تھی۔ وہیں بسمہ کے گھٹنے پر ہی سر رکھ کے سوگئی۔ بنیل اور کاشف جانے کو اٹھے تو شیبی اور وفا دروازے تک ان کے ساتھ آئے۔ وفا نے دروازے کی کنڈی گرائی تو کاشف چونک کے مڑا۔

" شیبی ـــــ ذرا بھاگ کر دیکھنا ـــــ میرا رومال اندر کہیں رہ گیا ہے"۔

شیبی کے پیچھے پیچھے کاشف خود بھی واپس مڑ گیا اور بنیل کے ہونٹ مسکراہٹوں کے بار سے پھڑپھڑانے لگے۔ وفا بھی کاشف کی چالاکی سمجھ گئی تھی۔ ان آخری لمحوں کو غنیمت جان کے وہ بنیل سے مخاطب ہوئی۔

آپ روٹھ کے جا رہے ہیں کیا ـــــ ؟

بنیل نے ذرا دیر کو باہر خاموش لیٹی سیاہ سپاٹ سڑک پر ایک نظر ڈالی اور پھر وفا کی طرف مڑ گیا۔

" جواب دیجیے "۔ اسے خاموش دیکھ کر وفا کانپتی ہوئی آواز میں بولی۔

" مجھ سے جواب لینے سے پہلے یہ بتاؤ کہ کیا میں تمہارے لئے مصیبت ہوں"۔ بنیل کے لہجے میں ضدی بچوں ایسی معصومیت تھی۔

بھولے نہیں آپ وہ بات "۔ وفا ہنس دی۔

" آپ نہ صرف مصیبت بلکہ میرے گلے کا ہار بھی ہیں"۔

" ہو بڑی چالاک ـــــ " بنیل ایک دم سے شوخ ہو گیا۔

" جو بھی سمجھ لیں آپ ـــــ " وفا آہستگی سے بولی

"وفا ــــ !" بنیل نے اس کا چہرہ اوپر اٹھایا۔

"میرے پیچھے کبھی جو بے وفائی کی تو یہ گردن توڑ دوں گا۔"

وفا کے ہونٹوں پر دل آویز تبسم بکھر گیا۔

"اگر تم گردن توڑ چکے ہو ــــ تو جوڑنے کو حاضر ہو جاؤں" کاشف قریب آتے ہوئے بولا۔

"مل گیا آپ کا رومال" وفا نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں ــــ" شیبی بھی چلا آیا۔

"جانے کاشف بھائی کا رومال کہاں رہ گیا ہے؟" وہ خاصا پریشان تھا۔ وفا نے شیبی کا بازو تھام لیا۔ "گھر میں ہی کہیں چھوڑ آئے ہوں گے اور ڈھونڈ یہاں رہے ہیں۔"

"ہاں ۔ یہ بھی ہو سکتا ہے" کاشف مسکرایا۔ "تو اب اجازت۔"

وفا کچھ نہیں بولی۔ بنیل نے ایک الوداعی نظر وفا پر ڈالی ۔ دروازے سے باہر نکل گیا۔ وفا نے ہونٹ بھینچ لیئے اور شیبی دروازہ بند کرنے لگا۔ اس رات اس نے کتنے عزم کئے تھے۔ بنیل سے کبھی بے وفائی نہ کرنے کے اور ــــ اب ــــ

وقت اور حالات نے اسے اس منزل پر پہنچا دیا تھا کہ بنیل سے بے وفائی ممکن سی نظر آتی تھی۔

"میں اس وقت سے پہلے ہی مر جاؤں اے خدا! بنیل یہ سب کبھی برداشت نہ کر سکے گا۔ کبھی نہیں ــــ"

وفا نے پہلو بدلتے ہوئے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں۔

یہ رات کے چپ چاپ لمحے آخر بیت کیوں نہیں جاتے۔ سحر بھلا کب تک تاریں بھری سیاہ اوڑھنی میں منہ چھپائے رکھے گی ـــ سنہرا دن کب نکلے گا! چاند کا ڈولا کب رخصت ہوگا ؟ کب ـ کب ـ ؟

وفا سوچتے سوچتے کانپ اٹھی پھر آہستگی سے پلنگ پر سے اتری۔ ننگے پیر، ننگے پیر، ننگے سر برآمدے میں جا نکلی۔ چاند محفل سے غائب تھا۔ تارے پلکیں جھپکا رہے تھے اور سپیدۂ سحر کا دور دور تک پتہ نہ تھا۔ یا ہیاں ـــ من کے اندر اور باہر، ہر سو تاریکیوں کے جال بنے تھے ـــ ایسے جال جن سے رہائی کی کوئی صورت ممکن نہ ہو۔

وفا نے برآمدے کی سیڑھیوں میں بیٹھ کے اپنا چہرہ ہاتھوں میں تھام لیا اور آنکھیں کسی غیر مرئی نقطے پر گاڑ دیں۔ پھر جانے کیا ہوا ـ پھوٹ پھوٹ کے رو دی ـــ آنسوؤں کے پیالے نگینے ضبط کا ہر بند توڑ کے بہہ نکلے ـ ان آنسوؤں میں

کیا کچھ تھا۔ یہ وفا جانتی تھی یا پھر اس کا دل ـــ یا پھر گہرے نیلے آکاش پر کہیں چھپا بیٹھا خدا تو بے نیاز ہے، ہر چیز سے، ہر انسان سے۔

گرمی گئی۔ خزاں نے پڑاؤ ڈالے اور پھر سردیاں لوٹ کے آئیں۔ وقت کے چکر کو بھلا کس نے روکا ہے! عفی مڈل کے بعد ہائی سکول میں چلی گئی۔ شیبی نے کالج میں داخلہ لے لیا۔ وفا ڈاکٹر بن گئی۔

جس دن اس کا رزلٹ آؤٹ ہوا۔ وہ نسیمہ کے سینے میں منہ چھپا کے پھوٹ پھوٹ کے رو دی۔ بھلا اس ڈگری کا فائدہ ہی کیا۔ جو اس کے ابوجی کا مداوا نہ بن سکی۔ لیکن ایک وہ کیا بڑے بڑے ڈاکٹر ان کی بیماری کے سامنے ہار چکے تھے۔ اب تو دعاؤں پر تکیہ تھا زندگی کا بجھا دیا کبھی بھڑک اٹھتا اور کبھی جھلملا جاتا۔

دو دن سے اشتیاق احمد، عذرا اور ربینا آئی ہوئی تھیں۔ عذرا نے جھجکتے جھجکتے نسیمہ کی موجودگی میں اعجاز الحسن وفا کو اپنے آصف کے لئے مانگا تھا۔ اعجاز الحسن لمحہ بھر کے لئے چپ سے رہ گئے تھے۔ جانے کیا سوچ کر انھوں نے نسیمہ کے چہرے پر نظریں ٹکا دیں اور نسیمہ نے ان نظروں کی تاب نہ لا کر سر جھکا لیا۔

"آپ خاموش کیوں ہیں بھائی صاحب!" عذرا نے اعجاز الحسن کو سوچوں میں گم پا کر پوچھا۔

"وفا میرے گھر بہو بن کر نہیں، بلکہ بیٹی بن کر جائے گی۔"

اعجاز الحسن خفیف سا مسکرا دیئے۔

"میں جانتا ہوں عذرا بھی کہ وفا آپ کو بڑی پیاری ہے لیکن نسیمہ سے پوچھ لیجئے۔ ماں سے زیادہ بیٹی کے بارے میں سوچنے سمجھنے والا کون ہوگا؟"

"آپ کیا کہتی ہیں بسمہ بہن ؟" عذرا بسمہ کے ہاتھ پکڑتے ہوئے ملتجی سی بولیں۔
"میری نظروں میں اب وفا کے سوا اور کوئی نہ سما سکے گا ۔۔۔ للہ انکار نہ کیجئے گا۔"

بسمہ خاموش بیٹھی مسکراتی رہیں۔ منہ سے بولیں کچھ نہیں ۔ عذرا بہت بے تاب سی ہو رہی تھیں۔ اشتیاق احمد ہنس دیئے۔

"بھئی اتنا بھی مت گھبراؤ عذرا! وہ بیٹی والے ہیں سوچ سمجھ کے جواب دینگے"
اشتیاق احمد کی بات عذرا کے دل کو لگی۔ وہ مطمئن سی کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کے بیٹھ گئیں ۔

بسمہ نے بھی سوچا کہ ایک دو دن تک اچھی طرح سوچ سمجھ لیا جائے گا۔ نوید بھی آنے والا تھا ۔۔۔ اس کی رائے لینا بھی ضروری تھی ۔۔۔ لیکن وقت نے مہلت نہ دی۔ اسی دن اعجاز الحسن پر مرض کا اس قدر سخت دورہ پڑا کہ سب کو ان کی جان کے لالے پڑ گئے۔ ڈاکٹروں کی بھیڑ لگ گئی اور جب رات گئے اعجاز الحسن ہوش میں آئے تو انھوں نے بسمہ کو پاس بلایا۔

"زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں بسمہ!" وہ نحیف آواز میں بولے ۔

"عذرا سے وفا کے لئے ہاں کہہ دو!"

بسمہ نے امڈ آنے والے آنسوؤں کو روکتے ہوئے بمشکل جواب دیا۔
"آپ ٹھیک ہو لیں تو یہ سب ہو جائے گا۔ آپ فکر کیوں کرتے ہیں؟"
میں خود کو ختم ہوتا محسوس کر رہا ہوں بسمہ۔ موت کو اور زیادہ دھوکہ نہیں دے سکتا میری اب ایک تمنا ہے۔" بات کرتے کرتے وہ تھک سے گئے۔

"کہیے! آپ رک کیوں گئے؟" لبنیٰ بے تابی سے ان پر جھک گئیں۔
میری تمنا ہے کہ وفا کے فرض سے سبکدوش ہو جاؤں۔ لیکن آصف موجود نہیں۔ ہاں تم اشتیاق سے منگنی کا کہہ دو۔ میں اپنی بیٹی کو دلہن بنتے تو دیکھ لوں۔"
"آپ تو مایوسی کی باتیں کرنے لگے" لبنیٰ افسردہ سی بولیں۔
"مایوسی — نہیں لبنیٰ — میرا وقت بہت قریب ہے۔ نوید کا مستقبل بن چکا۔ وفا بھی کسی کے نام کی ہو جائے گی۔ باقی رہے عفی، شیبی — نوید تمہارا ہاتھ بٹائے گا لبنیٰ۔!"
وہ ایک دم سے رک گئے۔ لبنیٰ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لہر رواں تھی۔
"میرے سامنے نہ روؤ لبنیٰ! مجھے ہمت اور مردانگی سے مرنے دو!"
اعجاز الحسن ہونٹوں پر خفیف سا تبسم بکھراتے ہوئے بولے اور لبنیٰ نے دوپٹے کے پلو سے آنکھیں رگڑ ڈالیں۔ اپنی بے وقوفی پر غصہ آگیا۔ بے شک دل مسلا جا رہا تھا۔ لیکن بیمار شوہر کے سامنے ایسی بزدلی دکھانا بھی تو ٹھیک نہیں تھا۔
عذرا لبنیٰ کے منہ سے ہاں سن کر خوشی سے پھولی نہ سمائیں منگنی کی رسم اگلے دن ہونا قرار پائی۔ اشتیاق احمد کا خیال تھا کہ وفا کے لئے بس انگوٹھی خرید لی جائے اور خاموشی سے یہ وقت گزر جائے لیکن اعجاز الحسن کی خواہش پر اہتمام کرنا طے پایا۔ عذرا اور بینا وفا کے لئے کپڑے اور زیورات کی خرید کے لئے کپڑے اور زیورات کی خرید کے لئے چل دیں۔ لبنیٰ بھی تھکی تھکی سی انتظامات میں مصروف ہو گئیں اور وفا اپنی قسمت کا فیصلہ سن کر ساکت ہو کے رہ گئی تھی چپ چاپ کمرے میں جا کے نڈھال سی قالین پر گر گئی۔

جانے ہوش اور بے ہوشی کے کتنے مرحلے طے ہوئے۔ جب اس نے آنکھ کھولی تو سانولی شام گہری رات کا روپ دھار چکی تھی اور نوید فکر مند سا اس پر جھکا ہوا تھا۔
"باجی! کیا ہوا؟" وہ بڑے پیار سے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔
وفا کے ہونٹ سِل چکے تھے۔ وہ خالی خالی نظروں سے نوید کو گھورنے لگی۔
"باجی ــ آپ بولتیں کیوں نہیں؟" نوید پریشانی سے بولا۔
"اوہ ــ!" وفا کسمسا کے اٹھ بیٹھی ــ آنسو بے اختیار آنکھوں سے نکل کر رخساروں کو بھگونے لگے۔
"باجی!" نوید بے قراری آواز میں بولا۔
"آپ نے بنیل بھائی کو باہر کیوں جانے دیا تھا؟"
وفا کے آنسو اور بھی تیزی سے بہنے لگے۔
"باجی آنسو روکیے ورنہ میں امی سے کہہ کر یہ منگنی رکوا دوں گا۔" نوید اٹھتے ہوئے چیلنج کے سے انداز میں بولا: "میں نہیں ہونے دوں گا یہ سب کچھ!"
"نوید ــ!" وفا نے تڑپ کے نوید کا بازو کھینچ لیا۔
"تم ایسا نہیں کر سکتے بھائی جان!"
"لیکن میں آپ کو بھی بے چین نہیں دیکھ سکتا باجی!"
"پگلا!" وفا نے پیار سے بھائی کا چہرہ ہاتھوں میں لے لیا۔ پھر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے بڑے تحکم آمیز لہجے میں بولی۔
"ابو جی کے پاس جاؤ۔ ان کی ہر طرح سے خدمت کرو۔ یہ لمحے پھر کبھی نصیب

نہ ہونگے۔"

" باجی ۔۔!" نوید اس سے لپٹ کے سسکنے لگا۔ وفا خود بھی بھائی کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے اپنے آنسوؤں پر قابو نہ پا سکی۔

دور کہیں موذن کی اذان فضا میں رس گھولنے لگی۔ وفا نے گود میں رکھے ہاتھوں کو رخساروں سے لگا لیا اور نڈھال سی وہیں ستون سے ٹیک لگائے بیٹھی رہی۔

نسیمہ ان دنوں نہ رات کو سو سکتی تھیں نہ دن کو چین کا ایک پل نصیب تھا ایک طرف اعجاز الحسن کی اذیت ناک بیماری ۔۔۔ اور اب کل سے وفا کی منگنی کا شور ۔ منگنی قرار پانے کے بعد انہیں ایک لمحہ کو بھی وفا نظر نہ آئی تھی۔ رات پہلو بدل بدل کے گزاری تھی۔ اب جو اذان کی آواز کان میں پڑی تو جلدی سے اٹھ بیٹھی۔ کمرے سے جاتے جاتے اعجاز الحسن پر ایک نظر ڈالی۔ وہ بے خبر سو رہے تھے۔ پھر دبے پاؤں باہر نکل آئیں۔ پانی گرم کرنے کے لئے باورچی خانے کی طرف بڑھیں لیکن برآمدے میں کسی کو ڈھیر دیکھ کر ایک دم سے گھبرا گئیں۔ دل تھام کے آگے بڑھیں۔ وہ تو وفا تھی۔

" وفا ۔۔!" ممتا سے مجبور ماں نے بے تاب ہو کر بیٹی کو جھنجھوڑ ڈالا۔ وفا نے گھبرا کے آنکھیں کھول دیں۔ خود پر جھکی نسیمہ کو دیکھا اور پھر پتہ نہیں کیا ہوا۔ اٹھی اور بانہیں ماں کے گلے میں ڈال کے جھول سی گئی۔

" تم اس سردی میں باہر کیوں بیٹھی تھیں بیٹی۔" نسیمہ وفا کے بال پرے ہٹاتے ہوئے بولیں۔

" امی ۔۔!" وفا نے کچھ کہنا چاہا لیکن آواز حلق میں اٹک گئی اور وہ لاکھ ضبط کے

باوجود بے اختیار سی ہو کے رو پڑی ۔

" وفا ۔! تم رو رہی ہو بیٹی ۔" بسمہ نے بے چینی سے پوچھا ۔

وفا آنسو بہائے چلی گئی ۔

" تمہیں کیا دکھ ہے بیٹی ؟" ماں کی دکھی آواز نے آنسوؤں کی رفتار اور بھی تیز کر دی ۔
بسمہ نے بمشکل خود پر قابو پایا اور وفا کو سہارا دے کر اس کے کمرے میں لے آئیں ۔
پھر پلنگ پر لٹایا اور کمبل اوڑھاتے ہوئے شفقت سے بولیں ۔

" اب تھوڑی دیر سو جاؤ بیٹی ۔"

" نہیں ۔۔۔" وفا دانتوں سے ہونٹ کاٹتے ہوئے بولی ۔

" دیکھو بیٹی ۔۔۔! تمہارے ابو جی تمہیں صبح دیکھ کر کیا سوچیں گے ۔ عذرا اور اشتیاق احمد جانے کو کیا سمجھ بیٹھیں ؟"

عذرا اور اشتیاق احمد کے نام پر رکے آنسو پھر سے بہہ نکلے ۔

بسمہ نے ایک نظر وفا کو دیکھا اور پھر اس کا سر اپنے سینے سے لگاتے ہوئے نہایت مستحکم لہجے میں بولیں ۔

" وفا ! ایک بات پوچھوں جواب دو گی ۔"

وفا نے روتی ہوئی آنکھوں سے ماں کو دیکھا اور اقرار میں سر ہلا دیا ۔

" مجھے ایسی بات تو نہیں کہنی چاہیئے لیکن ۔۔"

وہ لمحہ بھر کو رکیں ۔

" لیکن اگر تمہیں بنیل کا انتظار ہو تو عذرا سے انکار کر دوں ؟"

وفا لمحہ بھر کو لرز سی گئی ۔ باپ کا افسردہ اور مرجھایا مرجھایا چہرہ نظروں کے

آگے گھوم گیا۔

" امی ۔ !" اس نے چیختے ہوئے ماں کو جکڑ لیا۔

" ایسا کبھی نہ سوچئے گا امی! کبھی نہیں ۔ مجھے کسی نبیل کا انتظار نہیں!"

بسمہ سب جانتی تھیں لیکن وفا کی بات شکران کے کانوں میں اعجاز الحسن کا فقرہ گونجنے لگا۔

" میری ایک تمنا ہے اور وہ ہے ۔ وفا کو دلہن بنے ہوئے دیکھنا ۔"

انھوں نے پیار سے وفا کی پیشانی چوم لی اور پھر ہولے ہولے تھپکنے لگیں۔ رات بھر رونے اور جاگنے کی تھکن تھی یا پھر ممتا کا خلوص ۔ وفا چپ چاپ آنکھیں موند کے نیند کی وادی میں کھو گئی ۔

شام کے آنچلوں تلے ننھے ننھے تارے ذرا دقفے سے ٹمٹمانے لگے تھے گھر گھر دیپ جل اٹھے تھے لیکن لبمہ کے آنگن میں روشن چراغوں کی بات ہی کچھ اور تھی۔ آج وفا کی منگنی تھی۔ کچھ جاننے والے مدعو تھے۔ خوش قسمتی سے نوید ان دنوں وہیں تھا۔ ورنہ کاشف کی طرح وفا اسے بھی اطلاع کرنے سے منع کر دیتی۔ سدرا کو بلوا لیا تھا۔ عاصمہ کے علاوہ وفا کی ایک دو اور کلاس فیلوز موجود تھیں۔ نوید بڑا سوگوار سا کاموں میں مصروف تھا۔ شیبی چھوٹا تھا اس کے باوجود اس کے قہقہے حلق میں اٹک کے رہ گئے تھے۔ اپنے کمرے میں بیٹھا کتابوں میں بیٹھا کتابوں میں کھو کر رہ گیا تھا۔ مغی کتنی ہی بار اسے بلانے گئی تھی لیکن وہ صرف اسی گھورنے پر ہی اکتفا کر سکا تھا۔ مغی ہر چیز سے بے نیاز خوبصورت ریشمی کپڑوں میں گڑیا سی بنی خوش خوش گھوم رہی تھی۔ عذرا بھی بے پناہ مسرور تھیں۔ سبنیا اور ربنیا کی تو خوشیوں کا کوئی ٹھکانہ ہی نہ تھا۔

جب شام کے چراغ جھلملا اٹھے تو عاصمہ اور طلعت نے وفا کو دلہن بنایا سوگوار حسن کیسری لباس اور طلائی زیورات میں جگمگا اٹھا۔ طلعت ذرا دم کو باہر نکلی تو عاصمہ نے وفا کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ بند بند آنکھوں پر جھکی ریشمی پلکوں کی چلمن ذرا دیر کو اٹھی اور پھر گر پڑی۔

"وفا ـــ!" عاصمہ اداس سی بولی۔

"بینا اور رینا کی جگہ تو میں نے لینی تھی لیکن ـــ" اس سے آگے عاصمہ کچھ نہ کہہ سکی اور وفا نے جلدی سے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

"پگلی! تم میری بہن ہو اور اس ناطے سے تمہارے بھیا میرے بھیا ـــ"

"تیار ہوگئی وفا ـــ" لبیمہ نے اندر داخل ہوتے ہوئے پوچھا اور وفا نے بات ادھوری چھوڑ کے سر جھکا لیا۔

عاصمہ اور طلعت اسے لے کر ڈرائنگ روم میں آگئیں۔ جہاں جہاں خواتین بڑی بے چینی سے اس کی منتظر تھیں۔ عذرا نے آگے بڑھ کر پیار سے اس کی نازک سی سفید انگلی میں جگمگاتی ہوئی انگوٹھی پہنا دی اور پھر چھوٹا سا گھونگھٹ سرکایا تو سبھی مبہوت ہو کے رہ گئے۔ ننھی اس کے گھٹنے تھامے حیران سی بیٹھی رہی۔ بینا اور رینا نے وفا کی کئی تصویریں لے ڈالیں کبھی ننھی کے ساتھ کبھی عاصمہ اور طلعت وغیرہ کے ساتھ اور کبھی عذرا کے ساتھ ایک تصویر لبیمہ اور سدرہ کے ساتھ لی گئی اور جب یہ پُرمسرت ہنگامہ ختم ہوا تو وفا نے جلدی سے سر جھکا کے پلکوں تک امڈ آنے والے آنسوؤں کو روک لیا۔

اعجاز الحسن کمزوری کے باعث ڈرائنگ روم تک نہیں آسکے تھے۔ عاصمہ اور

سینا وفا کو تھام کے ان کے کمرے تک لے گئیں۔ ندیم عاصمہ کو لینے آیا بیٹھا تھا۔ جب جھکی جھکی سی وفا کو عاصمہ اور سینا کے سہارے کمرے کی طرف آتے دیکھا تو گھبرا کے باہر نکل گیا۔ وفا اعجاز الحسن کے پلنگ کے قریب پہنچی تو انھوں نے جلدی سے بیٹی کا چہرہ ہاتھوں میں لے لیا۔

" وفا ــــ میری بچی ــــ " انھوں نے پیار سے اس کی جگمگاتی پیشانی چوم لی۔

" خدا تمہیں ہر منزل حیات تک بخیریت لے جائے "

وفا ضبط نہ کر سکی۔ باپ کے مشفق سینے سے لگ کے پھوٹ پھوٹ کے رو دی۔ سبھی ان آنسوؤں کو اعجاز الحسن کی بیماری پر دکھ کا اظہار سمجھ رہے تھے لیکن وفا کا دل اپنے ارمانوں کے خون پر بے بس سا ہو کے رہ گیا تھا۔ بتیل کا وجود ــــ اس کی باتیں، اس کی یاد ــــ شوخیاں اور شرارتیں، وعدے اور جلد لوٹ کر آنے کی قسمیں وفا کو اپنا آپ ڈوبتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ دیر تک وہ خود پر قابو نہ پا سکی۔ نوید نے آگے بڑھ کر بڑے صبر سے بہن کو تھام لیا۔ اس کا اپنا دل اتنا برا ہو رہا تھا۔ ایک طرف باپ بستر علالت پر بے بس پڑا تھا اور دوسری طرف وفا کی قسمت کا فیصلہ ہو گیا تھا اور وہ خوب جانتا تھا کہ یہ فیصلہ کس حد تک وفا کی مرضی کے خلاف ہے۔

" آؤ باجی! اب اپنے کمرے میں چلو ــــ " وہ پیار سے وفا کو سہارا دے کر اعجاز الحسن کے کمرے سے باہر نکل آیا۔ سبھی ایک دم سے خاموش ہو گئے تھے۔ فضا سوگوار سی ہو رہی تھی۔ نسیمہ نے دل پر پتھر رکھتے ہوئے عاصمہ سے کچھ کہا اور وہ دوسری لڑکیوں کے ساتھ مل کے مہمان خواتین کو کھانے کے لئے لے گئی۔ عاصمہ نے ندیم کو رخصت کر دیا اور خود رات گئے تک وفا کے پاس بیٹھی رہی۔ جب رات

خوب بھیگ گئی۔ اور وفا کی آنکھیں بھی نیند سے بوجھل ہونے لگیں تو عاصمہ بھی چل دی بسمہ نے نوید کو ساتھ کر دیا۔ وفا نے ایک تھکی تھکی سی نظر کمرے پر ڈالی اور چپ کھڑکی سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی۔ ایسی بے حس ہو رہی تھی کہ سردی کی شدید لہر بھی اسے متوجہ نہ کر سکی۔ دور کہیں گھڑیال نے ایک کا گجر بجایا۔ وفا چونک کے پلٹی۔ ایک دم سے ہی اپنا آپ بوجھل بوجھل سا محسوس ہوا۔

"اوہ ـــ" سسکی اس کے ہونٹوں تک آ کے دم توڑ گئی۔

آئینے کے سامنے بیٹھتے ہوئے اس نے آہستہ آہستہ زیور اتار دیے۔ ڈبے میں بند کرتے ہوئے دروازہ کھولا تو سامنے ہی سیدھی پڑی بنیل کی تصویر پر نظر ڈالی۔ ڈبہ وہیں چھوڑ کر تصویر اٹھالی۔ پھر خیال اور بے خیالی کے کتنے ہی لمحے بیت گئے۔ بنیل کی ایسی گہری گہری مسکراہٹ دل کے پار ہوئی جا رہی تھی۔ آنکھوں میں لبی شوخیاں بڑی واضح تھیں۔ قریب ہی سے آواز ابھری۔

"تو پھر شادی ـ میری واپسی پر ہوگی۔"

وفا نے گھبرا کے ادھر ادھر دیکھا۔ کوئی بھی نہ تھا۔

"یہ میرا تصور ہے۔ وہم ہے۔ گمان ہے۔ اوہ! میرے خدا ـــ" اس نے گھبرا کے ماتھا تصویر پر ٹیک دیا۔

"وفا مر گئی بنیل ـــ وفا مر گئی۔ تم بھی اب اس کی یادوں کو دل کے عمیق ویرانوں میں دفن کر دو۔ میرے ارمانوں کی چتا جل چکی بنیل ـــ اب کبھی لوٹ کے اس گھر میں نہ آنا ـــ کبھی نہ آنا۔ کبھی بھی نہیں ـ بنیل! بنیل!"

روتے روتے اس کی چیخیں نکل گئیں۔

نوید تھوڑی دیر پہلے ہی سونے کے لئے کمرے میں آیا تھا۔ کپڑے بدل کر لیٹا تو نیند نہ آئی۔ بڑا سوگوار اور اداس تھا۔ ایک دم سے وفا کی چیخوں کی آواز سن کر ننگے پیر اس کے کمرے کی طرف بھاگا۔ ساتھ والے کمرے کا پردہ ہٹایا تو پریشان ہوا تھا۔
سامنے وفا ڈریسنگ ٹیبل پر سر رکھے رو رہی تھی اور اپنی چیخوں پر قابو پانے کی کوشش میں بے بس سی ہو کے رہ گئی تھی۔ نوید تھکے تھکے قدموں سے آگے بڑھا اور پھر وفا کا جھکا سا سر اوپر اٹھایا۔ پیشانی تلے پڑی بنیل کی تصویر وفا کے آنسوؤں سے بھیگ چکی تھی۔
"باجی ---!" نوید تصویر کو بغور دیکھتے ہوئے نہایت درشتی سے بولا۔
کل جب میں آپ کا دوست بن کر آپ سے آپ کی مرضی پوچھنے آیا تھا تو آپ نے کہا تھا مجھے کسی کا انتظار نہیں --- لیکن یہ تصویر ---"
وفا لمحہ بھر کو لرز گئی۔ آنسو گھٹی گھٹی سسکیوں کی صورت اختیار کر گئے۔
"آپ خاموش کیوں ہیں باجی ---! بولتی کیوں نہیں ---" نوید نے وفا کو جھنجھوڑ ڈالا اور وفا نوید کے ہاتھوں پر جھول کے رہ گئی۔ اس کا ذہن صدمات سے پہلے ہی نڈھال ہو رہا تھا۔ نوید کی باتوں نے سونے پر سہاگے کا کام کیا حواس اس کا ساتھ چھوڑ گئے۔
"باجی --- ! باجی ---!" نوید پوری شدت سے چلایا۔ اور پھر اپنی باہوں میں ڈولتی وفا کو بستر پر لٹا کے دوڑا دوڑا پانی لے آیا۔ پانی پی کر حواس بجا ہوئے تو وفا نے جھرجھری سی لی۔ پھر کپکپاتے ہوئے اٹھ بیٹھی اور خالی خالی نظروں سے نوید کو دیکھنے لگی۔

"باجی!" نوید پلنگ کے قریب دوزانو ہوکر بیٹھ گیا۔

"باجی!" وفا نے نوید کی بے قرار پکار سنی اور اس کا سر اپنی گود میں لے کر سہلانے لگی۔

"آپ بولتی کیوں نہیں باجی؟" نوید وفا کی خاموشی سے خائف ہو رہا تھا۔

"ہوں ــ" وفا چونکی۔

"کیا کہا ــ؟"

"آپ کو کیا ہو گیا ہے باجی؟" نوید کو اس کی ذہنی حالت پر شک سا ہو چلا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں نوید! ــ پر ــ"

کچھ کہتے کہتے وہ رک گئی۔

"پر ــ میرا دل ڈوب رہا ہے بھائی جان ــ"

یہ کہتے کہتے نوید کے سر پر اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ نوید نے گھبرا کے وفا کو دیکھا اور پھر بستر پر لٹاتے ہوئے نسیمہ کے کمرے کی طرف دوڑ گیا۔

"امی ــ!"

نسیمہ نے چونک کے آنکھیں کھول دیں اور برابر کھڑے ہوئے نوید کو دیکھ کر گھبرا کے اٹھ بیٹھیں۔

"کیوں؟ کیا ہوا نوید؟" وہ پلنگ پر سے اترتے ہوئے بولیں۔

"باجی کو جانے کیا ہو گیا ہے امی ــ" نوید رندھی رندھی سی آواز میں بولا۔

"اوہ! ــ" نسیمہ کو اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوا۔ ایک نظر سوتے سوتے اعجاز الحسن پر ڈالی اور پھر نوید کے پیچھے پیچھے وفا کے کمرے کی طرف چل دیں۔

وفا بے ہوش پڑی تھی۔ چہرہ ایسا زرد اور ویران سا لگ رہا تھا کہ ممتا کانپ کانپ اٹھی۔ پانی کے چھینٹے منہ پر مارے۔ ہونٹ پانی سے تر کیے۔ وفا نے لمحہ بھر کو آنکھیں کھولیں اور پھر کانپتے ہوئے ہوش سے بے ہوشی کی طرف لوٹ گئی۔

نوید! کسی ڈاکٹر کو لے آؤ۔ بسمہ نے بے بسی سے وفا کو دیکھتے ہوئے کہا۔ نوید خاموشی سے باہر جانے کو مڑا۔

"سنو ــ!" بسمہ نے پیچھے سے پکارا۔ نوید نے گردن موڑ کر سوالیہ نظریں بسمہ کے چہرے پر گاڑ دیں۔

چپکے سے جانا ــ کسی کو پتہ نہ چلے ــ" نوید چپ چاپ نکل گیا۔

ابھی اشتیاق احمد کا خاندان یہیں تھا۔ وہ وفا کی اس حالت سے جانے کیا سمجھ بیٹھیں۔ یہ خوف بھی جان کھائے جا رہا تھا۔

نوید گھر سے نکلا ــ تو ڈاکٹر رحمان کے مکان پر گیا۔ وہ تھوڑی دیر پہلے ہی کسی مریض کو دیکھنے گئے تھے۔ نوکر نے رکنے کو کہا لیکن نوید کا رکنا نہیں۔ کچھ سوچ کر عاصمہ کے گھر کا رخ اختیار کیا۔ رات بہت بیت چلی تھی۔ دوسرے سردی کا موسم تھا سواری بھی نہ ملی۔ بڑی مشکل سے پہنچ پایا۔ نوکر سے کہہ کر ندیم کو باہر بلوایا۔ ندیم گاؤن پہنے ہوئے پریشان سا باہر آیا۔

"کیوں نوید خیر تو ہے؟" وہ نوید کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے فکرمندی سے بولا۔

"وہ بھیا ــ باجی کو کچھ ہو گیا ہے۔ ہوش میں نہیں آ رہیں۔"

ندیم جلدی سے پلٹا۔ اپنا دوائیوں کا بکس لیا۔ گیراج سے کار نکالی۔ نوید کو ساتھ بٹھایا اور پھر رستہ بھر وفا کی بے ہوشی کے متعلق مختلف سوالات کرتا رہا۔

ندیم کو نوید کے ساتھ دیکھ کر بسمہ کی کچھ ڈھارس بندھی۔ ندیم پل بھر کے توقف کئے بغیر وفا پر جھک گیا۔ نبض دیکھی، ٹمپریچر لیا۔ پھر سرنج میں دوا بھرتے ہوئے بولا۔

"فکر کی کوئی بات نہیں آنٹی! بس تھوڑی ہی دیر میں ہوش میں آجائیں گی۔"

بسمہ افسردہ سی مسکرا دیں۔ انجکشن دے کر ندیم وفا کے ہوش میں آنے کا انتظار کرنے کے لئے کرسی پر بیٹھ گیا۔ بسمہ ندیم کے لئے چائے بنانے چلی گئیں۔ نوید وفا کے پاس بیٹھ گیا کمرے میں خاموشی تھی۔ ندیم کی نظروں کے سامنے ریشمی کپڑوں میں لپٹی وفا بے سدھ ـــ بے ہوش پڑی تھی۔

"کیا منگنی اس کی پسند کے خلاف ہوئی ہے جو یوں بے ہوش پڑی ہے؟"

ندیم کو اپنے بارے میں خوش فہمی سی ہو چلی تھی لیکن دفعتاً اس کی نظر سامنے ڈریسنگ ٹیبل پر الٹی پڑی تصویر پر پڑی۔ اس نے جھٹ سے تصویر اٹھالی۔

"وفا! اس تصویر کے ساتھ عید مناتے سمے اس گھرے کی ذرا بھی یاد آئے تو میرا ذمہ ـــ

تمہارا ـ بھیا ـ کاشف؟"

ندیم نے جلدی سے تصویر الٹ دی۔ تصویر کاشف کی نہیں بلکہ کسی خوبصورت اور شوخ و شنگ نوجوان کی تھی۔ کاشف سے وہ اس گھر میں مل چکا تھا۔ خوش فہمی ایک دم سے ہی دم توڑ گئی۔ بھیگی بھیگی تصویر واپس میز پر ڈالتے ہوئے اس نے

ایک نظر نوید کو دیکھا جو آنکھوں میں آنسو بھرے بہن کے چہرے پر نظریں جمائے نڈھال سا بیٹھا تھا۔ اچانک وفا کے بے حس جسم نے حرکت کی ۔ ندیم جلدی سے کرسی سے اٹھ کر پلنگ کے قریب آگیا ۔

" وفا! ــــ " اس نے ہولے سے پکارا ۔

نوید بہن کو ہوش آتا دیکھ کر جلدی سے لبسمہ کو بلانے چلا گیا اور ندیم ہوش میں آتی وفا پر جھک سا گیا ۔

میں نے تمہیں چاہا اور پا نہ سکا۔ تم نے کسی اور کو چاہا اور اسے گنوا بیٹھیں ۔ ان پاگل تمناؤں کو ذہن سے کھرچ کے خود کو حالات کے سپرد کر دو، وفا! "

ندیم کی درد بھری دھیمی آواز وفا کے لئے پیغام حیات بنی۔ اس کے دل و دماغ جاگ اٹھے ــــ

" میں بھی کتنی پاگل ہوں۔ ایک اتنی سی بات کے لئے سب کو پریشان کر دیا۔ جب میری قسمت کی لکیریں، بنیل کی قسمت کی لکیروں سے میل نہ کھا سکیں ۔ تو غم کس بات کا ــــ ؟ زندگی ہی تو گزارنی ہے ــــ جس طرح بھی گزر جائے ۔ جس طرح بھی گزر جائے ــــ اس نے سختی سے خود پر قابو پایا ۔ اور جب لبسمہ نوید کے پیچھے پیچھے کمرے میں داخل ہوئی تو وفا نے آنکھیں موند لیں ۔

" ندیم بھائی ! باجی پھر سے بے ہوش ہو گئیں ۔"

نوید گھبرایا گھبرایا سا بولا ۔

" نہیں ۔"

وفا نے آنکھیں کھول دیں ۔

"میں سو رہی ہوں بھائی جان۔"
ندیم مطمئن سا ہو گیا اور بسمہ وفا کے قریب بیٹھ کے ہولے ہولے اس کا سر سہلانے لگیں۔
پھر اگلی صبح ــــ اشتیاق احمد، عذرا، بینا اور بینیا کو خدا حافظ کہتے سمے وفا خود پر بہت کچھ قابو پا چکی تھی۔

لندن کا خوب صورت شہر کہر کی چادر میں لپٹا ہوا تھا۔ سورج کی شکل دیکھے کئی دن ہو گئے تھے۔ آج چھٹی تھی اور سنیل اپنے کمرے کی کھڑکی میں جھکا نیچے کمپاؤنڈ میں کھیلتے ننھے منے سرخ و سپید بچوں کو دیکھنے میں محو تھا۔ کتنی ہی دیر وہاں کھڑا کبھی ہنستا اور کبھی مسکراتا رہا۔ بچے تھک ہار کے لوٹ گئے تو سنیل بھی کمرے میں پلٹ آیا۔ گھنٹہ بھر بکھری چیزوں کو سمیٹتا رہا پھر کوئی کتاب لے کر بیٹھ رہا۔ مگر دل کتاب میں نہ لگا۔ صبح سے ہی وفا یاد آ رہی تھی اور اب تو وہ بڑی شدت سے اس کی کمی محسوس کرنے لگا تھا۔ وفا سوز ادیوں سے اس کی نظروں تلے گھوم رہی تھی۔

وفا ــــ وفا کا پیار اور اس کی یاد ــ سنیل کتاب بند کرتے ہوئے بستر پر اوندھا لیٹ کے گنگنانے لگا۔ موسم ٹھنڈا تھا۔ وفا کا تصور ساتھ تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ خوابوں کے جزیرے میں جا اترا۔

سوزادیوں سے اس کی نظروں تلے گھوم رہی تھی۔

وفا ــــ وفا کا پیار اور اس کی یاد ــــ بنیل کتاب بند کرتے ہوئے بستر پر اوندھا لیٹ کے گنگنانے لگا۔ موسم ٹھنڈا تھا۔ وفا کا تصور ساتھ تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ خوابوں کے جزیرے میں جا اترا۔

" اے ــــ! رکو ــــ "

بنیل نے تیزی سے بڑھ کر وفا کا بازو تھام لیا۔ وفا نے ہونٹ کاٹتے ہوئے پوچھا۔ وفا نے آنکھیں اوپر اٹھادیں۔

" اوہ ــــ " بنیل کانپ اٹھا۔ وفا کی آنکھوں میں جلتے غموں کے دیئے بھڑک کے بجھ جانے کو تھے۔

" وفا ــــ! " اس نے وفا کے سراپا کا بھرپور جائزہ لیا۔

" ایسی لٹی لٹی اور نڈھال سی کیوں ہو رہی ہو؟ "

وفا خاموش کھڑی امڈ آنے والے آنسوؤں کو روکتی رہی۔

" وفا ــــ! " تم خاموش کیوں ہو ــــ؟ " بنیل نے اسے جھنجھوڑ ڈالا ــــ اور وفا لرزتے ہوئے اس کی بانہوں میں سمٹ آئی۔ اس کے آنسو شدت سے بہہ نکلے۔ بنیل خاموش اور پریشان سا کھڑا اسے دیکھتا رہا۔

" تم کچھ کہتی بھی نہیں ہو وفا ــــ میں کیا سمجھوں؟ " بنیل مضطرب سا بولا اور وفا نے آنکھیں رگڑ ڈالیں۔

" شاباش اب نہ رونا ــــ " بنیل اس کے رخسار تھپتھپاتے ہوئے بولا۔

" اور ہاں ــــ یہ تمہاری ایسی حالت کیوں ہے؟ "

وفا نے دھیرے سے آنکھیں اٹھائیں۔ پھر نازک لب کانپے۔

"تم مجھے تنہا کیوں چھوڑ گئے تھے بنیل؟" وفا نے ایک دم سے تڑپ کے بنیل کے ہاتھ پکڑ لئے اور بنیل کا رواں رواں مسرت کے احساس سے ناچ اٹھا۔

"تو تم مجھ بن اداس ہو گئیں وفا ۔۔۔؟"

وفا نے سر جھکا لیا ۔۔۔ بنیل نے دھیرے سے اس کا سر اوپر اٹھا دیا۔

"بھئی کہہ دو ۔۔۔ کہ تم مجھ بن بڑی اداس تھیں۔"

وفا نے جواب میں ہونٹ کاٹ لئے نہ بولی ۔۔۔ نہ مسکائی۔

"یہ تم مہاتما بدھ کی پتھر کی بت کیسے بن گئیں وفا ۔۔۔؟" بنیل اسے چھیڑتے ہوئے بولا۔ اور وفا سسک گئی۔

"مجھ سے ایسی باتیں نہ کرو بنیل! میرے دل کو کچھ ہوتا ہے۔"

"ارے ۔۔۔!" بنیل نے اسے تھام لیا۔ آنسو اس کی آنکھوں سے ایک ساتھ پھر بہہ نکلے۔ وفا نے جلدی سے گھٹنوں میں منہ چھپا لیا۔

"پگلی ۔۔۔!" بنیل نے اس کا سر اوپر اٹھانا چاہا۔ مگر گرفت اس قدر سخت تھی کہ بنیل گھبرا گیا۔

"وفا ۔۔۔! وفا ۔۔۔!"

کمرے کے باہر گھنٹی ایک دم چیخ اٹھی ۔۔۔ ٹررن ۔۔۔ ٹررن ۔۔۔ بنیل گھبرا کے اٹھ بیٹھا۔

"وفا ۔۔۔!" اس نے آنکھیں ملتے ہوئے ادھر ادھر دیکھا۔

"اوہ ۔۔۔ تو میں خواب دیکھ رہا تھا۔" وہ آپ ہی آپ بڑبڑایا اور پھر دروازے

کی طرف بڑھا۔ باہر لینڈ لیڈی کی خاص ملازمہ کھڑی تھی ۔لینڈ لیڈی ہر مہینے کی پہلی اتوار تمام کرایے داروں کو دوپہر کے کھانے پر مدعو کرتی ۔ملازمہ یہی پیغام لائی تھی ۔ بنیل نے ملازمہ کے ذریعہ لینڈ لیڈی کو اپنا سلام بھیجا اور شکریہ کے ساتھ اس کی دعوت قبول کرلی ۔ملازمہ چلی گئی تو بنیل کرسی میں دھنس کے خواب کے بارے میں سوچنے لگا۔

وفا اس کے خواب میں آئی تھی ۔ اس کا انگ انگ مسرور تھا مگر جیسے جیسے خواب کو ذہن میں اجاگر کرتا گیا ۔ وہ پریشان ہوتا چلا گیا ۔وفا خواب میں ملی تھی ۔یہ بے شک مسرت کی بات تھی مگر وہ کتنی پریشان ،اداس اور سوگوار نظر آرہی تھی ۔ لمبے کھلے بال بے ترتیب سے ہو رہے تھے ۔ آنکھیں غموں کے بوجھ سے جھکی ہوئی لگتی تھیں ۔رنگ زرد اور لباس ملگجا سا تھا اور پھر اس پہ سسکتے ہوئے اس کا یہ کہنا۔

" آپ مجھے تنہا کیوں چھوڑ گئے تھے بنیل !"

وفا میرے لیئے اداس اور بے قرار ہے ۔خدا اسے اپنی حفظ و امان میں رکھے ایسی سوگوار تو وہ اس دن بھی نہ لگی تھی ۔جب وہ اسے چھوڑ کے ایک لمبے عرصے کے لئے اتنی دور چلا آیا تھا :

خواب بنیل کے سینے میں کھٹک بن کے رہ گیا ۔ یونہی بے خیالی میں بیٹھے بیٹھے گھنٹے منٹ بن کے اڑ گئے ۔کلاک کی آواز پر بنیل چونک کے اٹھا ۔کپڑے بدل کے بال سنوارے اور پھر کمرہ لاک کر کے لینڈ لیڈی کے ڈرائینگ روم کی طرف چل دیا ۔سیڑھیاں چڑھ رہا تھا تو ریلنگ پر جھکے رمیش نے اسے اپنی طرف متوجہ کرلیا ۔

" بڑی دیر سے آرہے ہو آج ۔ خیریت ؟"

بنیل نے دو دو سیڑھیاں پھلانگتے ہوئے رمیش کا ہاتھ تھام لیا۔
" آج مسکراہٹ بھی بڑی سوگوار ہے۔" رمیش بنیل کے متبسم چہرے کو گھورتے ہوئے بولا۔
" جب موسم اتنا اداس ہو تو مسکراہٹ میں شگفتگی کہاں سے آئے؟"
بنیل رمیش کے ساتھ ساتھ اندر داخل ہوتے ہوئے بولا۔
حامد ــــ محمود ــــ رشید ــــ شیکھر اور شام صوفوں میں دھنسے بیٹھے موسیقی کی تال پر ہولے ہولے پاؤں ہلا رہے تھے۔
" تو آج میں ہی دیر سے پہنچا ہوں۔"
" میں نے کچھ غلط نہیں کہا تھا" رمیش بیٹھتے ہوئے بولا۔
رشید نے ایک نظر کھڑے بنیل پر ڈالی اور پھر اٹھ کر اس کے ہاتھ تھامتے ہوئے باقیوں سے مخاطب ہوا۔
ڈرائینگ روم کی گھڑی میں تو ساڑھے بارہ بجے ہیں۔ مگر ہمارے بنیل کے چہرے پر سوئیاں ٹھیک بارہ کے ہندسے پر اٹک کے رہ گئی ہیں۔ اس کا سبب؟"
باقی سب نے چونک کے بنیل کو دیکھا۔ بنیل مسکرا دیا۔ شیکھر سوچتے ہوئے اپنی سریلی آواز میں گویا ہوا۔
" دوستو! مسٹر بنیل اپنی چہرہ گھڑی کی تردید یا تائید میں کچھ نہیں بولے۔ آج سورج ضرور نکلے گا۔"
" ہاں نکلے گا"
بنیل مسکرایا۔" مگر رات گئے۔"

سب کھل کھلا کے ہنس دیئے۔

پھر شام بڑی سنجیدگی سے اپنی عینک کے شیشے پونچھتے ہوئے بولا۔

"بھئی مذاق برطرف! بنیل! سچ سچ بتاؤ لندن کی اس بھیڑ میں ڈھیبی صبح تم پر تنہا تنہا کیا بیت گئی؟"

شام کے لہجے میں خلوص تھا۔ بنیل نے چاہا کہ اپنے لئے تکا خواب انہیں سنا دے۔ آخر وہ ان سب کو وفا کے متعلق تو بتا ہی چکا تھا۔ مگر جانے کیوں ہمت نہ پڑی۔

"تمہاری وفا کو تو کوئی دوسرا نہیں لے اڑا؟" رشید اس کے سامنے جھکتے ہوئے بولا۔

"ارے ---" بنیل اچھل سا پڑا۔ "ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کبھی نہیں۔"

یہ معاملہ طول کھینچتا۔ مگر ملازم نے ڈرائننگ روم کا پردہ اٹھا کے انہیں لینڈ لیڈی کی آمد سے مطلع کیا۔ سبھی صوفوں سے اٹھ آئے۔ رمیش نے ڈرائننگ روم کا پردہ ہٹایا۔

"مجھے لینڈ لیڈی ذرا جو پسند ہو!" رشید نے بنیل کے کان میں سرگوشی کی۔

"وہ کیوں؟" بنیل جاتے جاتے رک سا گیا۔

"ہمیں بالکل ہی بھوکا بھوک رکھا ہے۔ مہمانوں کا استقبال ڈرائینگ روم میں کیا جاتا ہے۔ کھانے کی میز پر نہیں۔"

رشید کی بات حقیقت پر مبنی تھی۔ جب سے بنیل یہاں مقیم تھا۔ تقریباً ہر ماہ ہی وہ اس دعوت پر مدعو ہوتا اور لینڈ لیڈی سے ملاقات صرف کھانے کی میز پر ہی ہوتی بنیل نے بڑی ناگواری سے پردہ ہٹایا۔ سامنے ہی بڑی خوبصورت میز پر لینڈ لیڈی کسی ملکہ سی شان سے سفید فر کے کوٹ میں لپٹی بیٹھی تھیں۔

"ہیلو۔ بنیل! تم آج اداس سے نظر آتے ہو۔"
بنیل نے چونک کے اپنے پیچھے آتے شیکھر کو دیکھا اور پھر کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔
کھانے کے دوران دو خادماؤں کی موجودگی میں بھی لینڈ لیڈی اپنے ہاتھ سے سب کو سرو کرتی رہیں ان کے لہجے سے ٹپکتا رس اور شفقت آمیز انداز گفتگو بنیل کو اپنے رویے پر ندامت سی محسوس ہوئی۔
کھانے کے بعد کافی آ گئی۔ کافی کے بعد کچھ گپ شپ چلی اور پھر لینڈ لیڈی نے وہیں بیٹھے بیٹھے انہیں بڑے پیار سے خدا حافظ کہا۔ سب اپنے اپنے کمروں کو چل دیئے۔ بنیل نے سونے کی کوشش کی تو نیند نہ آئی۔ پڑھنا چاہا تو پڑھ نہ سکا۔ اکتایا اکتایا سا بیٹھا رہا۔ شام کو رشید اسے لینے آ گیا۔
"آؤ — لندن دیکھیں۔"
"جی نہیں چاہتا۔"
"بھئی یہ جی نہیں چاہتا والی بات نہیں چلے گی۔" رشید اڑ گیا۔
"رشید! میں بور ہو گیا ہوں۔ یہاں کے ہجوم میں گھومتے گھومتے۔" بنیل تھکا تھکا سا بولا۔
کمال کرتے ہو یار — چلو اٹھو — تفنّع اور بناوٹ کے بھر بیکراں میں ایک قطرہ بن کے ٹپک پڑیں۔ ذرا مزا رہے گا۔"
رشید کے اصرار پر بنیل اٹھ کھڑا ہوا۔
"چلو —!" وہ باہر نکلتے ہوئے بولا
"ایسے —!" رشید حیران رہ گیا۔

"کیوں ـــ کیا ہے ؟"

"کم از کم بال تو سلجھا لو ـــ"

"رہنے دو ـــ" بنیل تھکا تھکا سا بولا۔ کمرہ لاک کر کے چابی خادمہ کے ذریعے لینڈ لیڈی کو بھجوا دی اور رشیدہ کے شانے پر ہاتھ رکھے آہستہ آہستہ زینہ اترنے لگا

"آج بڑے اداس لگتے ہو بنیل۔" رشیدہ نے گردن موڑ کے پوچھا۔

"سبھی یہی کہہ رہے ہیں" بنیل مسکرایا۔

"اور تم کیا کہتے ہو؟"

"میں کیا کہوں گا۔ تب سے اب تک سوچ رہا ہوں کہ یہ بے وجہ اداسی کیوں؟"

بنیل کی بے خودی پر رشیدہ کھل کھلا کے ہنس دیا۔

لندن کی روشنیوں سے معمور آبادی میں گھومتے پھرتے بنیل سنبھل گیا۔ اتنے میں کئی اور جاننے والے مل گئے اور یوں وقت کا پتہ ہی نہ چلا۔ واپس لوٹا تو اس قدر تھکا ہوا تھا کہ کھانا کھائے بغیر ہی سو گیا۔

اگلے دن موسم کچھ بہتر تھا۔ یونیورسٹی سے واپسی پر بنیل الطاف کے ساتھ چل دیا۔ الطاف کو سفارت خانے میں کچھ کام تھا۔ اتنے بہت سارے اپنے اپنے لوگوں کے درمیان وقت گزرتے ذرا پتہ نہ چلا۔ سفارتخانے سے نکلے تو اچھی خاصی شام ہو چلی تھی۔

"آج تو وقت گزرتے پتہ ہی نہیں چلا" بنیل الطاف کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے انتہائی شگفتگی سے بولا۔

"اپنے ساتھ میں نے تمہارا وقت بھی ضائع کیا۔ مجھے افسوس ہے"

الطاف خجل سا بولا۔

" ارے نہیں۔ میرا مقصد کوئی ایسا تھوڑی نہ تھا "

دونوں بس سٹاپ پر آ پہنچے۔ الطاف کو بس فوراً مل گئی۔ مینل نے کچھ دیر انتظار کیا اور جب وہ اپنے فلیٹ پر پہنچا تو ہر طرف جگ مگ جگ مگ ہو رہا تھا۔ کوٹ اتار کے ٹائی ڈھیلی کرتے ہوئے مینل نے میز پر ایک سرسری سی نظر ڈالی نیلا ایروگرام نظر پڑا۔ جلدی سے اٹھا کے کھولا اور پھر گنگناتے ہوئے پڑھنے لگا۔ تحریر جانی پہچانی تھی۔ نیلے نیلے لفظ طویل فقروں میں بدل گئے۔

" بھیا —! سلام خلوص!

ذرا لمحہ بھر کو منہ کھولئے — ہاں — بس اتنا کہ ایک پورا لڈو اس میں سما سکے۔ دیکھئے —! آج کل ہم بہت سے لڈو بانٹ رہے ہیں اور کھا رہے ہیں۔ ایسے میں جی چاہتا ہے کہ آپ بھی ہمارے درمیان ہوں۔ مگر ہائے یہ درمیان میں پھیلے ہوئے اتنے لمبے چوڑے فاصلے۔

خیر آپ سوچ رہے ہوں گے کہ اتنے بے تحاشا لڈوؤں کا تذکرہ کیا معنی! تو سنیے بھیا۔! پرسوں ہم آپ کی منگنی کر کے آئے ہیں۔ لیجئے۔ بھلا آپ کیوں شرما گئے۔ نام بتائیں — مگر نہیں — نام ہرگز نہ بتائیں گے — بس جلدی سے آ جائیے پھر ہم جلدی سے بھابی کو گھر لے آئیں گے۔ اتنی خوب صورت، اتنی معصوم اور اتنی شرمیلی ہیں کہ آپ دیکھیں تو دیکھتے ہی رہ جائیں۔ دلہن بنی تو غضب ڈھا رہی تھیں۔ ہم نے ان کی بہت ساری تصویریں لی ہیں ایک دو دن میں دھل کے آ جائیں گی۔ امی تو کہہ رہی تھیں کہ تصویریں آپ کو بھیج دی جائیں۔ مگر میرا اور منی کا پروگرام یہ ہے کہ آپ کو

آنے پر ہی دکھائی جائیں۔ کہیں ان میں کھو کے پڑھنے سے ہی رہ جائیں۔ آپ انہیں دیکھ کر ہماری پسند کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکیں گے۔ اب اجازت۔ خدا حافظ

وہیدی ـــ"

خط بنیل کے ہاتھ سے چھوٹ کے دور جا گرا۔

"یہ کیا ہو گیا ـــ؟" وہ سر تھام کے بیٹھ رہا۔

"امی نے میرا انتظار بھی نہ کیا ـــ کل وفا خواب میں جبھی تو اتنی پریشان نظر آرہی تھی ـــ اس نے خط بار بار پڑھا اور پھر پرزے پرزے کر کے کمرے میں اچھال دیا۔

نام نہ پتہ ـــ میری منگنی ہو گئی ـــ ہوں" بنیل دیوانہ سا ہو گیا ـــ "نہیں ـــ نہیں ـ یہ نہیں ہو سکتا ـــ کبھی نہیں ہو سکتا!"

رات تڑپ تڑپ کے گزری ـــ اگلے دن وہ ایسا لٹا لٹا سا یونیورسٹی گیا کہ کسی کو جرأت ہی نہ ہوئی کہ اس تبدیلی کا سبب ہی پوچھ لے ـــ واپس لوٹ کر کاشف کو خط لکھنے بیٹھا ـــ مگر لکھا ہی نہ گیا۔

"جب اجڑ ہی گیا ہوں ـــ تو مذاق اڑوانے کا فائدہ ـــ" اس نے پیڈ میز پر پٹخ دیا۔ اور کھڑکی میں جھک کے اندھیروں سے پار روشنیوں میں ڈوب گیا۔

ان کی نبضیں ڈوب رہی تھیں۔ اعجاز الحسن ڈول سے گئے۔

"وفا —!"

"جی — ابو جی —" وفا جلدی سے ان پر جھک آئی۔

"اپنی امی کو بلا لاؤ —!" اعجاز الحسن کانپتے ہوئے بولے۔ وفا نے انکے زرد چہرے پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالی اور پھر نامعلوم خدشات سے بوجھل دل کو سنبھالے کمرے سے باہر نکل گئی۔ سامنے ہی عفی کسی کام میں مصروف تھی۔ اسے امی کو بلانے کے لئے بھیج دیا اور خود واپس آکر اعجاز الحسن کے قریب بیٹھ گئی۔

"نہیں آئیں تمہاری امی —" اعجاز الحسن بے چینی سے بولے۔

"آ رہی ہیں ابو جی —" وفا اپنے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔

وفا! تم ڈاکٹر ہو — میری نبض دیکھو۔ شاید میرا وقت آن پہنچا۔

اعجاز الحسن نے اپنا نحیف ہاتھ وفا کی طرف بڑھا دیا۔ وفا نے جلدی سے انکی نبض پر ہاتھ رکھ دیا۔ پیشانی پر فکر مندی کی چند سلوٹیں ابھر آئیں۔ اسی لمحے بسمہ کمرے میں داخل ہوئیں۔

" آپ نے مجھے بلایا۔"

وہ ان کے قریب بیٹھتے ہوئے بولیں۔

" ہاں ۔ دل گھبرا رہا تھا ۔" اعجاز الحسن دھیمی آواز میں بولے۔

پھر آنکھیں گھما کر وفا کو تلاش کیا۔ وہ ان پر جھکی بیٹھی تھی۔

" وفا ۔! میں تمہارا گناہگار ہوں شاید بیٹی ۔"

وفا نے چونک کے انکی کلائی چھوڑ دی۔

" ہاں بیٹی ۔!" اعجاز الحسن کھو سے گئے۔

" یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ ابو جی !"

" میں نے جب سے تمہاری منگنی کی ہے۔ تمہارے چہرے پر خوشی اور ہنسی کی ایک کرن بھی نہیں دیکھ سکا۔"

وفا پھیکا سا مسکرا دی۔

" نہیں ابو جی۔ ایسی تو کوئی بات نہیں۔"

مگر اعجاز الحسن مطمئن نہیں ہوئے اور یہ تھی بھی حقیقت منگنی کے بعد وفا بالکل بدل سی گئی تھی۔ اس نے اپنی تمناؤں کا گلا نٹ کے رکھ دیا۔ ہونٹوں پر تالے لگ گئے تھے۔ سارا دن گھر میں بیکار پڑی رہتی۔ کوئی بلاتا تو چونک پڑتی یا اعجاز الحسن کے کمرے میں بیٹھی۔ دوائیوں کی شیشیوں کو گھورا کرتی۔ منگنی کی انگوٹھی دو سرے ہی

دن دراز میں ڈال دی تھی۔ ایسی ویران اور اجڑی اجڑی سی لگتی کہ دیکھنے والے حیران رہ جاتے مگر اس کا اصل دکھ جاننے کی بجائے اس کی اس حالت کو اعجاز الحسن کی بیماری پر محمول کرتے۔ بسمہ اور نوید اس کے غم سے آشنا تھے لیکن کچھ کرنے سے مجبور تھے۔ بس چپ چاپ اسے اس کی حالت پر چھوڑ دیا۔

"نوید کہاں ہے بسمہ؟" اعجاز الحسن بسمہ سے مخاطب تھے۔

"شیبی، عقی کو لئے بیٹھا ہے۔" بسمہ اُن کا جائزہ لیتے ہوئے بولیں۔

"میں نوید کو بلا لاتی ہوں ابو جی"

"بلا لاؤ ـــ عقی اور شیبی کو بھی لیتی آنا۔"

اعجاز الحسن جاتی ہوئی وفا سے بولے۔ وفا نے پلٹ کر انہیں دیکھا اور پھر بڑی مسرت ہوئی سے بہن بھائیوں کو بلانے چل دی۔

عقی، شیبی دونوں نوید کے کمرے میں بیٹھے پڑھائی میں مشغول تھے۔ نوید چند دن کی چھٹی لے کر آیا ہوا تھا۔ وفا کمرے میں داخل ہوئی تو اس نے چونک کے بہن کی طرف دیکھا۔

"چلو! ابو جی بلا رہے ہیں۔"

"ہم سب کو ـــ" شیبی فائل بند کرتے ہوئے بولا۔

"ہاں ـــ" وفا مڑ گئی۔

وہ تینوں بھی اس کے پیچھے پیچھے کمرے میں داخل ہوئے۔ اعجاز الحسن تکیوں سے ٹیک لگائے دروازے کی طرف نظریں جمائے بیٹھے تھے۔ بچوں کو آتا دیکھ کر ایک دم سے کھل اٹھے۔

"ابوجی — آپ نے ہمیں بلایا ہے۔"
عفی لاڈ سے ان کے منہ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔
" ہاں — عفی —" پھر انھوں نے عفی کو اپنے قریب بٹھا لیا شیبی، نوید کے پہلو میں بڑا سنجیدہ سا کھڑا تھا۔
" شیبی — !" شیبی سر جھکائے آگے بڑھ گیا۔
" بڑے سنجیدہ بن گئے بیٹے ! —" وہ پیار سے بولے شیبی خفیف سا مسکرا دیا۔
" ابوجی! اب شیبی مجھ سے ذرا بھی نہیں لڑتے۔"
عفی مسکراتے ہوئے بولا۔
" سچ مچ !" اعجاز الحسن خوش ہوتے ہوئے بولے۔
" ویسے مجھے لڑتے جھگڑتے بچے اچھے لگتے ہیں۔"
شیبی نے سر وفا کے شانے پر ٹکا دیا۔
" جب آپ بالکل ٹھیک ہو جائیں گے نا ابوجی — تو پھر میں عفی سے لڑا کروں گا۔"
شیبی کی آواز میں چھپی حسرت اور غم نے سب کو تڑپا دیا
وفا نے پیار سے اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔
ہمارا شیبی بڑا سمجھدار ہو گیا ہے ابوجی۔"
لیکن اعجاز الحسن ڈوب سے گئے تھے۔ ان کی بیماری نے ان بچوں کی ساری شوخیاں، شرارتیں اور خوشیاں چھین لی تھیں۔ اس سوچ کے ساتھ

ہی ان کا رنگ زرد پڑ گیا۔

" ابا ۔۔۔ ابو جی کو کیا ہوا ۔۔۔؟ عفی گھبرا کے بولی۔ وفا نے بڑھ کر اعجاز الحسن کا ہاتھ تھام لیا۔

تم فکر نہ کرو بیٹی۔ اب میں بالکل ٹھیک ہو جاؤں گا۔" اعجاز الحسن مدھم سی آواز میں بولے پھر اس زور سے درد تھا کہ اُف بھی نہ کر سکے۔

بسمہ نے گھبرا کے دل تھام لیا۔

میں ڈاکٹر لے آؤں باجی ۔۔۔" نوید بے قراری سے بولا۔ وفا کے جواب دینے سے پہلے ہی اعجاز الحسن بول اٹھے۔

" میری اپنی بیٹی ڈاکٹر ہے تم میرے قریب رہو نوید! پھر یہ وقت نہ آئے گا۔"

نوید گھبرایا گھبرایا سا ان کے قریب بیٹھ گیا۔

میرے بعد اس گھر کا بوجھ تمہارے کندھوں پر ہوگا نوید! اپنی امی اور بھائی بہنوں کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے دینا۔"

اعجاز الحسن کی بات پر وفا زرد پڑ گئی۔

" یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں ابو جی؟"

" تم ڈاکٹر ہو وفا! مجھ سے بہتر سمجھ سکتی ہو۔"

پھر اعجاز الحسن نوید سے مخاطب ہوئے۔

" نوید ۔۔۔ میرے بیٹے ۔۔۔ میری روح بے قرار تو نہ پھرے گی۔"

" ابو جی ۔۔۔" نوید کی آنکھیں ضبط گریہ سے سرخ ہو گئیں۔

" میں آپ کا بیٹا ہوں۔ آپ کے زیر سایہ میں ہمیشہ امی، باجی اور شیبی عفی

کی خوشیوں کا امین بنا رہوں گا۔" نفیہ کی چیخیں باہر نکلنے کے لئے بے تاب تھیں۔
اعجاز الحسن مسکرا دیئے۔ پھر وفا کی طرف دیکھتے ہوئے نسیمہ سے بولے۔
" وفا کے تمام دکھ، تمام غم مٹا دینا! مجھے اپنی بیٹی کی خوشیوں سے زیادہ کوئی عزیز چیز نہیں۔"
" آپ زندہ سلامت رہیں ابو جی۔ یہی میری سب سے بڑی خوشی ہے۔"
وفا جلدی سے بولی۔ اعجاز الحسن نے وفا کی بات نظر انداز کر دی اور شیبی، عفی کو نصیحت کرنے لگے۔
تم دونوں جو بھی بنو۔ پہلے انسان بنو میرے بچو اور اپنی امی کو کبھی تنگ نہ کرنا۔
" ابو جی ـــ" عفی ہچکیوں سے رونے لگی۔
" اوہ ـــ!" اعجاز الحسن نے بے قرار سا ہو کر اٹھنے کی کوشش کی نسیمہ نے بڑھ کر لٹا دیا۔
" آپ لیٹے رہیئے۔ بیٹھنے سے تکلیف ہو گی۔"
" سب تکلیف ختم نسیمہ ـــ سب ختم ـــ" الفاظ ہونٹوں پر جم گئے۔
وفا نے نبض پر انگلیاں جما دیں اور پھر ایک دلدوز چیخ کے ساتھ زمین پر آ رہی۔
" باجی ـــ!" نوید لپک کے آگے بڑھا
لیکن نسیمہ کی بانہوں میں نے جان اعجاز الحسن کو دیکھ کر دیوانہ ہو گیا۔
" ابو جی ـــ!" عفی، شیبی کی چیخیں دل دہلا رہی تھیں۔ نسیمہ نے جیون ساتھی کو آہستگی سے بستر پر لٹا دیا۔ پھر سفید چادر شانوں تک اوڑھا دی اور پلنگ کی پٹی کے ساتھ ٹیک لگا کے اپنی چوڑیاں توڑ ڈالیں۔ ان کی آنکھوں کے سوتے خشک ہو چکے

تھے اور دل کی بستی ایک دم سے اجڑ گئی تھی۔

اسی لمحے عاصمہ وفا کے گھر میں داخل ہوئی۔ ندیم بھی ساتھ تھا۔ اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے جب وہ اعجاز الحسن کے کمرے میں پہنچے تو شیبی چیختے ہوئے عاصمہ سے لپٹ گیا۔

" باجی! ابو جی چلے گئے ___ ابو جی چلے گئے ___ "

عاصمہ نے لڑکھڑا کے دیوار کا سہارا لیا۔ پھر شیبی کو سینے سے لگائے آگے بڑھی تو کرسی کے قریب بے ہوش پڑی وفا کو دیکھ کے چیخ مار کے اس کے قریب بیٹھ گئی۔

" وفا! ___ یہ کیا ہو گیا ___ "

" وفا! ___ وفا ___! " عاصمہ کے جھنجھوڑنے پر وفا نے کسمسا کے آنکھیں کھول دیں سہارے کے لئے عاصمہ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ پھر دل تھامتے ہوئے اٹھی۔ پتہ نہیں کیا ہو گیا تھا۔ اسے تڑپ کے آگے بڑھی اور نوید کے بازو پکڑتے ہوئے چیخ اٹھی۔

" ابو جی کہاں چلے گئے بھائی جان ___ کہاں چلے گئے ___ ؟ "

" باجی ___ " نوید نے جھکا جھکا سر اس کے شانے پر ٹکا دیا۔ لیکن جلدی سے گرتی وفا کو تھام لیا۔ وہ پھر بے ہوش ہو چکی تھی۔

ندیم نے اشتیاق احمد کو ٹیلی فون کر دیا۔ کاشف کو تار دے دیا۔ پھر اعجاز الحسن کے دوستوں اور جان پہچان والوں کو اطلاع دی۔ رات ہی اشتیاق احمد اور عذرا پہنچ گئے۔ ایک طوفان سا مچ گیا تھا۔ عقی کی معصوم چیخیں سنی نہیں جاتی تھیں۔ شیبی کی آنکھوں سے رواں آنسو دل ہلائے دیتے تھے۔ نوید خود پر جبر کر کے اعجاز الحسن کی تجہیز و تکفین کے انتظام میں مصروف تھا۔ بسمہ پاگلوں کی طرح روئے جا رہی تھیں۔ کتنا مقابلہ کیا تھا اس مرض کا مگر پھر بھی اپنے شکار کو لے کے چلتا بنا

دل مسلا جارہا تھا۔ اعجاز الحسن بیمار تھے۔ لیکن تھے تو نظروں کے سامنے بیٹی کو کافی تھا۔ اور اب ــــ وہ بالکل تنہا، بالکل ہی اکیلی رہ گئی تھیں ــ صبر آتا بھی تو کیسے؟ جن کے سہارے زندگی کا سفر شروع کیا تھا وہی ساتھ چھوڑ گیا۔ وفا کی حالت اور بھی بری تھی۔ وہ باپ کی چہیتی اور لاڈلی بیٹی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دیکھنے کے لئے بازار کا بازار خرید لاتے۔ وفا نے سکول میں داخلہ لیا۔ یونیفارم کے ڈھیر لگ گئے ــ جوتے ہر قسم کے آگئے۔ ربنوں سے ڈبے بھر گئے ــ کاپیوں اور قلموں کا کیا حساب؟

وفا کالج میں داخل ہوئی ــ اس کی ناز برداریوں میں اضافہ ہو گیا۔ وفا نے میڈیکل میں داخلہ لیا۔ دنیا کی ہر نعمت اس کے لیے جمع کی گئی۔

بسمہ کہتیں ــ

"آپ تو وفا میں یوں کھوئے رہتے ہیں۔ جیسے نوید اور شیبی، عفی آپ کی اولاد ہی نہ ہوں ــ"

اعجاز الحسن مسکرا دیتے۔

"تم کیا جانو بسمہ ــ! وفا مجھے کتنی عزیز ہے۔ سب کچھ اس کے دم قدم کی بدولت ہے۔ پہلے وفا۔ پھر نوید اور عفی، شیبی ــ"

وفا ذرا خاموش ہوئی اور اعجاز الحسن تڑپ اٹھے۔

"تم چپ نہ رہا کرو بیٹی ــ!"

وفا کی منگنی بڑے چاؤ سے کی لیکن اس کے چہرے پر دکھ کی ابھرتی لکیریں فوراً پڑھ لیں۔

"میں تمہارا گناہگار رہوں شاید بیٹی ۔۔۔!"

وفا روتے روتے بے ہوش ہو جاتی۔ لیکن اُسے یقین تو تھا کہ دیمک کی طرح چاٹتی بیماری اعجاز الحسن کو ختم کر کے رکھ دے گی مگر وہ اتنی جلدی جلدی جدا ہو جائیں گے وفا نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔

چند دن قیامت جیسے گزرے۔ شوہر کو ابدی سفر پر رخصت کر کے لبنیٰ کو بیٹی کی پڑ گئی۔ وفا کو دن میں کئی کئی بار بے ہوشی کے دورے پڑتے اور کئی کئی روز حواس بجا نہ ہوتے ندیم عاجز آ چکا تھا۔ عاصمہ دن رات وفا کی پٹی سے لگی بیٹھی رہتی خود بھی ڈاکٹر تھی لیکن وفا کو نڈھال دیکھ کر سب کچھ بھولتی جاتی۔

نوید کی چھٹیاں ختم ہوئیں تو وہ بے بس سا لوٹ گیا۔ اشتیاق احمد اور عذرا بیٹیا اور بیٹیا کو تنہا چھوڑ کے آئے تھے۔ چند دنوں کے بعد وہ بھی چلے گئے۔ ایک کاشف تھا جو اب تک نہ پہنچ سکا تھا۔

ایک اداس شام وفا برآمدے میں بیٹھی تھی۔ آج اس کی طبیعت پہلے سے کچھ بہتر تھی ایک دم سے دروازہ کھلا۔ کاشف اور نوشابہ غم سے چور اندر داخل ہوئے۔ کاشف وفا کو دیکھ کے دیوانہ وار لپکا۔

"ابو جی کو کہاں بھیج دیا وفا ۔۔۔!"

وفا نے جھرجھری سی لی۔ نوشابہ کو لبنیٰ سے لپٹے روتے دیکھا۔ اداس اداس عفی شیی پر نظر ڈالی اور پھر "ابو جی ۔۔۔!" کہتے ہوئے کاشف کی باہوں میں بے جان سی گر پڑی۔

"وفا ۔۔۔!" کاشف گھبرا کے پکارا اور پھر جلدی سے اندر لے جا کر لٹا دیا

جب سے ابو جی فوت ہوئے ہیں۔ کوئی دن ایسا نہیں گزرا بھائی جان جب باجی بے ہوش نہ ہوتی ہوں۔" شبی بہن کے سرہانے بیٹھا رندھی رندھی سی آواز میں بولا۔

نسیمہ اور نرشا بھی وہیں آگئیں۔

"سمجھ نہیں آتی۔ وفا کو کیا ہو گیا ہے۔" نسیمہ آنسو پونچھتے ہوئے بے قرار سی بولیں۔

"بھائی جان کی موت کا بہت زیادہ اثر لیا ہے وفا نے۔" نرشا اس پر جھکتے ہوئے بولیں۔ پھر کاشف نسیمہ سے مخاطب ہوا۔

"آپ کا تار ہمیں رات ملا خالہ جان ——"

"رات —" نسیمہ حیرانی سے بولیں۔

"جی ہاں خالہ جان! پہلے تو میں حیران رہ گیا پھر تاریخ دیکھی تو دس دن پہلے کی۔" کاشف وقت پر نہ پہنچ سکنے پر متاسف سا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وفا کو ہوش آیا۔

"کیسی ہو وفا؟"

کاشف پیار سے بولا۔

"مر نہیں پا رہی بھائی جان" وہ بے بسی سے بولی۔

"ایسے نہ کہو —— بیٹی —" نسیمہ نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے اس کا سر اپنی گود میں رکھ لیا۔

"تم ایسے ہی بے ہوش ہوتی رہیں تو تمہارے ابو جی کی روح کو تکلیف پہنچے گی۔"

وفا نے غور سے ماں کی بات سنی۔

" تمہیں اپنے ابو جی سے پیار ہے تو پھر خوش خوش رہا کرو بیٹی۔"

وفا مطمئن سی ہو گئی اور پھر جب لبنیٰ جانے کو اٹھیں تو وفا ان کی گود میں سر رکھے بے خبر سو رہی تھی ۔۔۔

پی۔ آئی۔ اے کا جیٹ طیارہ پاکستان کی حدود میں داخل ہو چکا تھا۔ ہنیل نے اردگرد بیٹھے مختلف مسافروں کو دیکھا اور ایک آہ بھرتے ہوئے سیٹ سے ٹیک لگا لی۔

منگنی کے بعد اس نے وطن کبھی نہ لوٹنے کا عہد کر لیا تھا مگر اسی ہفتے ماں کی بیماری کا خط پڑھ کر اس کا عہد ٹوٹ گیا۔ اس کی نظروں تلے ایک مشفق چہرہ ابھر آیا۔

"وہ میرے بغیر ایک لمحہ کو بھی جی نہ سکیں گی۔" ہنیل خود کو لعنت ملامت کرنے لگا۔ پھر وہ واپس جا کر منگنی تڑوا بھی تو سکتا تھا۔ اتنا چاہنے والے والدین اس کے لئے اتنا بھی نہیں کر سکتے تھے بھلا؟ یہ سوچتے ہی وہ مسرور سا ہو گیا۔

وفا ــــ پھر مسکرا کے اس کے خیالوں میں آ بسی۔ دیدی کبھی کبھار خطوں میں چھیڑ چھاڑ کر دیتی۔ مگر ہنیل نے اسے ایسا کرنے سے سختی سے روک دیا تھا۔ وہ اپنی منگنی کا ذکر سننا بھی گوارا نہیں کر سکتا تھا ــــ امتحان سے فارغ ہو کے اس نے واپسی کی تیاریاں شروع کر دیں اور پھر گھر بھی اطلاع کر دی ــــ اسے وہیں پر کاشف کے خط سے وفا کے

ابوجی کی وفات کی خبر ملی ۔ وہ دکھ کے رہ گیا ۔ وطن جاتے ہی اس نے پہلے وفا سے ملنے کا سوچ لیا تھا ۔ اس کی کئی صورتیں اس کی نظروں تلے گھومیں اور وہ انہیں کے تصور میں محو دن گزارے چلا گیا ۔ اور آج وہ ایک مدت بعد وطن لوٹ رہا تھا ۔ جہاں پیاری پیاری بہنوں کے علاوہ مشفق ماں اور چاہنے والا باپ اس کے لئے چشم براہ تھے ۔

فضائی میزبان نے اعلان کیا کہ جہاز لینڈ کرنے والا ہے ۔ مسافر پیٹیاں باندھ لیں ۔ بنیل جوش مسرت سے مسکرا دیا ۔ اس نے پہلو میں بیٹھے ننھے بچے کا منہ چوم لیا ۔ بچے کی انگریز ماں اس کی وارفتگی پر مسکرا دی اور وہ جھینپ کے جہاز اترنے کا انتظار کرنے لگا ۔

جہاز سے اترنے والا تیسرا مسافر بنیل تھا ۔ سامنے ہی ماں ، باپ اور دونوں بہنوں کے علاوہ کئی رشتے دار ہونٹوں پر مسکراہٹیں لئے کھڑے تھے ۔۔۔ بینی تیزی سے آگے بڑھی اور بھیا کہہ کے اس سے لپٹ گئی ۔ وہ اس کی پیشانی چومتے ہوئے والدین کی طرف بڑھا ۔ ماں نے بیٹے کو سینے سے لگا کر اس کا منہ چوم لیا ۔

" میرا چاند ۔!"

مدت بعد باپ کے سینے سے لگ کر وہ ایک شفقت میں کھو کر رہ گیا ۔ ان سے الگ ہوا تو دیدی آگے بڑھی ۔

" ارے تم چھپی کھڑی تھیں ۔ "

وہ مسکرا دی ۔۔۔ اسے اپنے اتنے پیارے بھائی کو دیکھ کر پیار آئے جا رہا تھا ملتے ملاتے گھر پہنچے ۔ دوپہر کے کھانے پر پورا کنبہ مدعو تھا ۔ سبھی بنیل کی کامیابی پر فرحاں و شاداں نظر آ رہے تھے ۔ بنیل خود اتنی شفقت اور اپنائیت بھرے ماحول میں بیٹھا

اپنی خوش قسمتی پر ناز کر رہا تھا۔ بس کبھی کبھی سوچ کی ایک لہر اس کے چہرے پر چھا جاتی اور گم سا ہو جاتا۔

مہمانوں کا ہجوم کم ہوا تو بنیل تھکا تھکا سا ماں کے گھٹنے پہ سر رکھ کے لیٹ گیا۔

" رہے نا تم بچے کے بچے ۔" پیار سے اس کے بالوں انگلیاں پھیرتے ہوئے انھوں نے کہا۔

" بھیا کی عادتیں ذرا نہیں بدلیں امی ۔ ویسے لمبے چوڑے پہلے سے بھی زیادہ ہو گئے ہیں۔" دیدی مسکراتے ہوئے بولی۔

ماں نے پیار سے بیٹے کی بلائیں لے لیں۔

آنکھوں کا نور صحیح سلامت سات سمندر پار سے لوٹ آیا تھا۔

" مجھے تو ڈر تھا بھیا ــــ کہ کہیں آپ کوئی میم ہی نہ لے آئیں ۔" بلبی ہنستے ہوئے بولی۔ بنیل نے ایک دم سے آنکھیں کھول دیں۔

" تیری تو کھوپڑی ہی الٹی ہے بلبی ۔" وہ ذرا اینٹھتے ہوئے بولا۔

اس نے کچھ کہنے کو منہ کھولا۔ مگر کمرے میں داخل ہوتی گلنار نے ایک خط پکڑا دیا دیدی نے پتہ پڑھتے ہوئے خط ماں کے سامنے ڈال دیا۔ انھوں نے جلدی سے لفافہ چاک کیا اور ایک ہی نظر میں پورا خط پڑھ ڈالا۔

" لبیبہ بہن کا ہے ۔ ؟"

" وفا کیسی ہیں ۔ ؟"

" اب تو بالکل ٹھیک ہے ۔"

" وفا کون ؟" بنیل نے چونک کے پوچھا۔

"ہماری ہونے والی بھابی ـــ" دیدی چہکی۔

"اے ـــ!" ینل جلدی سے اٹھ بیٹھا۔ "کیا کہا؟"

"آپ پریشان کیوں ہو گئے بھیا؟" وہ حیران سی بولی۔

"نہیں تو ـــ" ینل مسکرایا اس مسکراہٹ میں دونوں جہان کی مسرتیں رقصاں تھیں۔

"وفا ـــ بھلا یہ کیا نام ہوا ـــ؟"

"ہائے اللہ ـــ اتنا پیارا نام ہے ـــ اور خود بھابی ـــ" خوشی کے مارے بینا نے آنکھیں میچ لیں۔

"بنی بھاگ کے ذرا منگنی کی تصاویر لانا" وہ تو جیسے پہلے ہی حکم کی منتظر تھی بھاگی ہوئی گئی اور تھوڑی ہی دیر بعد تصویروں کا البم لئے آدھمکی۔ بینا نے جلدی سے ورق الٹ کے منگنی والی تصویریں نکال لیں۔

"لیجئے ـــ غور سے دیکھئے ـــ یہ ہیں ہماری بھابی"

ینل نے آنکھیں پھاڑ کے دیکھا اور پھر اس کا رواں رواں خوشی سے ناچ اٹھا۔ وفا کا چہرہ تو جھکا ہوا تھا۔ مگر اس کے پیچھے کھڑا شیبی اور قریب بیٹھی عفی۔ اسے ایک دم سے اپنی ماں پر پیار آنے لگا ـــ وفا اتنی لاعلمی میں اس کی بن گئی۔ اسے آپ ہی اپنے پہ رشک آنے لگا ـــ

"بھیا! اب تصویریں واپس دیجئے ـــ!" بینا نے شرارت سے ہاتھ آگے پھیلایا۔

"ذرا رکو ـــ!" وہ پھر سے عذرا کے گھٹنے پر سر رکھتے ہوئے تصویریں دیکھنے

لگا۔

"امی! آپ کو آپ کی بہو کیسی لگی ۔"

"پسند کیتے ہو بیٹے ۔ میری ایک آنکھ تم ہو اور وفا دوسری ۔"

"اوہو ۔! میرے حصے کا پیار بھی اسے دے دیا۔"

وہ شوخ سا ہو چلا تھا۔ اشتیاق احمد بیٹے کی شرارت پر کھل کھلا کے ہنس پڑے۔

"وہ بھی تو تمہاری ہوگی۔" عذرا نے پیار سے وفا کی تصویر دیکھتے ہوئے کہا۔

گھر والوں نے دوبارہ وفا کی تصویریں یوں دیکھیں جیسے ابھی ابھی منگنی کر کے آرہے ہیں۔ بنیل نے تصویریں لے کر جیب میں ڈال لیں۔

"بھیا ۔! تصویریں ہمیں لوٹا دیجئے ۔" بینا لجاجت سے بولی۔

"لے لینا ۔ ذرا صبر تو کرو ۔" اس نے آنکھیں میچ لیں ۔ اور وفا کے پاس جا پہنچا۔ وفا اس کی ہے۔ یہ خیال ہی اتنا نشاط انگیز تھا ۔ کہ وہ بے خود سا ہو گیا۔ اس ایک نسبت نے اسے اتنا ہلکا پھلکا کر دیا تھا جیسے وہ فضاؤں میں اڑ رہا ہو۔

شام سے پھر ملنے والے آگئے۔ ان سے فارغ ہو کے کاشف کو اپنی آمد سے مطلع کرنے کے لئے تار دیا۔ خط وہ لندن سے پوسٹ کر چکا تھا۔ رات کھانے کے بعد تینوں بہن بھائی سیر کے لئے چلے گئے۔ راستہ میں بینا اور بنیا باری باری وفا کی ہی باتیں کرتی رہیں۔

"تم لوگوں نے منگنی کرنے سے پہلے مجھے خبر کیوں نہیں کی تھی۔"

"منگنی تو بالکل اچانک ہوئی بھیا۔" بینا جلدی سے بولی۔

"وفا بھابی کے ابو جی اس قدر سخت بیمار ہو گئے تھے کہ بس جلدی جلدی منگنی کی رسم ادا ہو گئی۔"

"ہوں ـــ" بنیل نے گہرا سانس لیا۔

"کیسی لگ رہی تھیں وہ منگنی والے دن ـــ"

بہت ہی خوب صورت بھیا ـــ ویسے وہ تو دلہن ہی نہیں بن رہی تھیں۔ بس ہے لد جارہی تھیں۔" بینا اپنی ہی دھن میں بولے چلی گئی۔

"وہ کیوں ـــ ؟" بنیل چونک گیا۔

" ان کے ابو جی سخت بیمار تھے نا۔ وہ تو ان کے پاس سے ٹلتی ہی نہ تھیں۔ سارا سارا دن اور ساری ساری رات ان کے پاس جاگ کے گزار دیتیں۔"

" پھر تو بڑی خدمت گزار ہیں۔" بنیل شوخی سے بولا۔

" جی ہاں! آپ نے درست فرمایا۔" بینا ہلکے سے بولی۔

" مگر موت نے ان کے ابو جی کو اچک ہی لیا۔ کیسا کیسا تڑپ کے روتی ہیں وہ اب بھی یاد کریں تو دل دہل جاتا ہے۔ بار بار بے ہوش ہو جاتی تھیں۔"

اعجاز الحسن کی وفات کا سُن کر بنیل دکھ سا گیا۔

" پھر تو مجھے ان کے ہاں ضرور جانا چاہیئے۔" بنیل بے خیالی میں بولا۔

" آپ کیوں جائیں گے بھیا ـــ ؟" بینا حیران سی بولی۔

" بھئی ویدی۔ کیا یہ میرا اخلاقی فرض نہیں۔ تمہاری اس کچھ لگتی کے والد کی وفات پر تعزیت کرنے نہ جاؤں۔"

" ہاں ـــ یہ تو آپ نے ٹھیک کہا لیکن ہماری بھابی کو کچھ نہ کہا کیجیئے۔" بینا روٹھتے ہوئے بولی۔

تو تم اس کی طرف سے مجھ سے لڑو گی۔" بنیل ہنستے ہوئے بولا۔

"بالکل ۔"

"اور میں جو اسے اپنے ساتھ ملا لوں ؟"

بنیل کی بات پر بینا کو غصّہ آ گیا ۔

"بھابی تو وہ ہماری ہوں گی ۔ آپ کیونکر اپنے ساتھ ملانے لگے ؟"

بنیل ہنس دیا ۔

"تمہاری بھابی ہوں گی اور میری وہ کچھ نہ لگیں گی ۔ کمال ہے بھئی ۔"

"آپ کی کچھ لگیں نہ لگیں ۔" بینا فیصلہ کن لہجے میں بولی ۔

"مگر ہم انہیں آپ کے رعب تلے نہ آنے دیں گے ۔"

یونہی لڑتے جھگڑتے سیر کرتے ہوئے وہ واپس لوٹے ۔

اگلے دن بنیل نے بینا کی معرفت عذرا اور اشتیاق احمد سے جانے کے متعلق کہلوایا ۔ بینا کی بات سن کر عذرا نے اشتیاق کی طرف دیکھا تو وہ ہنس دیئے ۔

"چلا جائے ۔ کیا حرج ہے ۔ خود دیکھنا چاہتا ہوگا وفا کو ۔"

پھر انھوں نے اسی وقت اس کی آمد کے متعلق لبسمہ کو خط لکھ دیا اور بنیل خوشی خوشی جانے کی تیاری میں مصروف ہو گیا ۔ بینا نے بہت چاہا کہ ساتھ چلی جائے مگر بنیل نے ایک نہ مانی ، ناچار ہار کے بیٹھ رہی ۔ جاتے ہوئے دونوں بہنوں نے وفا اور عفی شیبی کے لئے کئی چیزیں بھیجیں ۔ بنیل نے سب کو خدا حافظ کہا اور دل ہی دل میں گنگناتا اپنی ہی قسمت پر رشک کرتا روانہ ہو گیا ۔

ادھر لبسمہ کو دو پہر کا انتظار تھا ۔ مگر بنیل صبح سویرے ہی جہاز کے ذریعے پہنچ گیا ۔ لبسمہ اسے دیکھ کر کھل اٹھیں ۔

"بنیل بیٹا آیا ہے ــــ" انھوں نے پیار کیا اور پھر اسے ساتھ لئے لئے روم میں چلی آئیں۔

"تم نے اپنے آنے کی اطلاع بھی نہیں دی بیٹے؟" وہ بڑے پیار کرتے ہوئے شفقت سے بولیں۔ اور بنیل نے ہونٹ لئے۔

"وہ جی ــــ آپو جی کا خط نہیں ملا آپ کو؟"

"کیا ــــ؟" بسمہ پھٹی پھٹی نظروں سے اسے دیکھنے لگیں۔

"آپ کو آصف کا انتظار تھا نا امی ــــ" بنیل سنجیدگی سے بولا۔

"ہاں ــــ"

"اور میں ہی آصف ہوں۔ میرا پورا نام بنیل آصف ہے امی! اس نے بڑھ کر بسمہ کے ہاتھ تھام لئے۔

"آصف میرے بیٹے ــــ" انھوں نے اس کی پیشانی چوم لی۔

"تو یہ تم ہی ہو ــــ" جیسے بسمہ کے ذہن کا سارا بوجھ اتر گیا ہو۔

تصویری تصور میں وفا کا کملایا ہوا چہرہ ابھرا۔ اللہ نے کتنا کرم کیا تھا ان کی بے زبان بیٹی پر ــــ انھوں نے آہستگی سے بنیل کو صوفے پر بٹھا دیا۔

"عفی، شیبی وغیرہ کہاں ہیں ــــ؟" بنیل نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے پوچھا

"عفی سکول ہے اور شیبی کالج ــــ"

بسمہ بیٹھتے ہوئے بولیں۔

شیبی نوٹس جلدی ہی آجائے گا

"نوید تو اب پورا فوجی بن چکا ہوگا۔"

بنیل نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے پوچھا
بسمہ بیٹھتے ہوئے بولیں۔ "شیبی تو بس جلدی ہی آجائے گا۔"
"ہاں بیٹا ـــ نوید آج کل پنڈی میں ہے۔"
"اور ـــ"
بنیل نے وفا کے متعلق پوچھا۔ مگر جھجک کے خاموش ہو رہا۔
بسمہ سادگی سے مسکرا دیں۔
وفا اپنے ابّو جی کی وفات کے بعد بڑی نڈھال سی ہوگئی تھی۔ بیٹھے بیٹھے خاموش ہو جاتی اب چند دنوں سے ہسپتال جانے لگی ہے۔ تو کچھ بہل گئی ہے۔" بسمہ غمزدہ سی ہوگئیں۔
"مجھے پتہ چلا تھا ابّو جی کی وفات کا۔" بنیل دھیمے لہجے میں بولا۔
"خدا کو جو منظور ہو وہ ہو کر رہتا ہے۔"
تبھی پردہ اٹھا اور شیبی تیزی سے اندر داخل ہوا۔
" بنیل بھائی ـــ "
" ارے میں آصف بھائی ہوں ـــ آصف بھائی۔" بنیل شیبی سے لپٹتے ہوئے بولا۔
" سچ ـــ!" شیبی کی چیخ سی نکل گئی۔
" پوچھ لو امی سے ـــ" بنیل نے بسمہ کی طرف اشارہ کیا۔
" اللہ ـــ آصف بھائی ـــ" شیبی نے زور سے بنیل کے گرد بازو باندھ لیے

" بہت تنگ کیا ہے آپ نے۔ لالہ آپ سے نپٹیں گے۔"

" کیوں بھئی میرا قصور؟" بنیل اسے کرسی میں دھکیلتے ہوئے بولا۔

" ان سے مل کے نہیں گئے تھے نا آپ۔ اب وہ آپ سے اچھی طرح ملیں گے۔"

شیلی کی معصومیت پر بنیل کو ہنسی آ گئی۔

نسیمہ اٹھ کے چائے لینے چلی گئیں۔ چائے کے دوران مزے مزے کی باتیں جاری رہیں۔

" بھیا۔! لالہ فوجی بن گئے ہیں اور باجی ڈاکٹر۔"

شیلی کپ واپس میز پر رکھتے ہوئے بولا۔ اسی لمحے باہر دروازے پر گھنٹی بجی۔

" باجی آ گئیں۔" شیلی اٹھتے ہوئے بولا۔

" میں انہیں ادھر ہی لاتا ہوں۔ آپ کو دیکھ کر بہت خوش ہوں گی۔"

" نہیں شیلی۔" نسیمہ نے اسے منع کر دیا۔

" کیوں امی۔ ؟" وہ الجھ کے کھڑا ہو گیا۔

" اب تم نہیں سمجھتے تو جاؤ۔ میں جو کہتی ہوں وہی کرو۔"

نسیمہ کی جھنجھلاہٹ اور بنیل کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ناچتی دیکھ کر شیلی سمجھ گیا۔

اچھا۔ اچھا۔ بنیل بھائی آصف بھائی جو بن گئے ہیں۔ اب بھلا باجی ان کے سامنے کیوں آنے لگیں۔" یہ کہتے ہوئے وہ باہر نکل گیا۔

" شریر!" نسیمہ مسکرا دیں اور بنیل نے آنکھیں موند کے صوفے کی پشت سے ٹیک لگا لی۔ وہ وفا سے ملنے کے لئے کوئی ترکیب ذہن میں لا رہا تھا۔

وفا کلینک میں سوگوار سی بیٹھی اپنی ہی سوچوں کا ماتم کر رہی تھی۔ آج آصف آ رہا تھا نا۔ اشتیاق چچا نے خط کے ذریعے اس کی آمد کی اطلاع دی تھی اور پھر صبح امی نے بھی یاد دہانی کرائی تھی۔

"وفا ۔۔۔!"

بسمہ نے برآمدے کی اترتی سیڑھیاں ہوئی وفا کو آواز دی۔

وفا نے پلٹ کر ماں کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"آج جلدی آجانا بیٹی ۔۔۔۔" بسمہ کے کہنے پر وفا نے سر جھکا لیا۔ بسمہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی وفا کے قریب جا پہنچیں اور وفا کی پیشانی پر جھکی ہوئی بالوں کی لٹیں سنوارتے ہوئے دھیرے سے بولیں۔

"کیوں بیٹی ۔۔۔ خاموش کیوں ہو گئیں ؟"

"نہیں تو امی — " وفا مسکرائی۔
"میں جلد گھر پہنچنے کی کوشش کروں گی۔"
عفی دروازے سے پلٹتے ہوئے تیزی سے بولی۔
" آیئے نا باجی — مجھے دیر ہو رہی ہے ۔"
بسمہ نے پیار سے وفا کو آگے بڑھا دیا۔
" اچھا جاؤ بیٹی — خدا حافظ —!"
" خدا حافظ — امی —!"
وفا چلی گئی۔ گھر میں صرف وہ تھیں یا پھر اماں سیٹی کبھی کا کالج جا چکا تھا۔ وفا گھر میں فارغ بیٹھی بالکل ہی عجیب ہو گئی تھی۔ ہر وقت سوگواری سی۔ اداس سی۔ عاصمہ بھائی کے کلینک میں کام کرنے لگ گئی تھی۔ اس نے وفا کو یوں بیمار اور اداس دیکھا تو بھائی سے بات کی۔ اسے بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ اگلے دن ہی وفا اس کے کلینک جانے لگی۔
کلینک اب اچھا خاصا ہسپتال بن چکا تھا۔ جس میں عاصمہ۔ وفا اور ندیم کے علاوہ دو اور ڈاکٹر کام کر رہے تھے۔ دس بارہ نرسیں تھیں۔ پچاس بیڈز کا یہ ہسپتال ڈاکٹروں کی محنت اور نرسوں کی توجہ سے کافی چل نکلا تھا۔ وفا مریضوں کے زخموں پر مرہم رکھتے ہوئے خود سے بالکل غافل ہو چکی تھی۔ ندیم اسے اکثر ٹوک دیتا۔
" تم گھر جلدی چلی جایا کرو وفا! آنٹی گھبرا رہی ہوں گی۔"
اور وہ حیران حیران سی اسے دیکھتی رہ جاتی۔
" آپ ڈاکٹر ہو کر ایک ڈاکٹر کو ایسا مشورہ دے رہے ہیں۔"
اور ندیم خفیف سا ہو جاتا۔ دراصل وہ خود پر قابو پانے کے باوجود بڑا بے

بس ہو کے رہ گیا تھا۔ وفا کی قربت اس کے احساس کیلئے آنچ ہو گئی تھی۔ وہ اس سے زیادہ سے زیادہ دور رہنا چاہتا تھا لیکن حالات نے انہیں ایکدوسرے کے قریب کر دیا تھا۔ وفا مریضوں میں کھو کے خود کو بھول جاتی۔ پھر اس کا ہر غم، ہر دکھ اور ہر دوری فائیت حاصل کر لیتا اور روح ہلکی پھلکی ہو جاتی۔

آج جب وہ کلینک آئی تو ہمیشہ سے زیادہ اداس اور سوگوار تھی۔ کتنی مشکل سے بنیل کو بھلا پائی تھی اور آج آصف کی آمد کی خبر نے اس کے زخموں کو چھیل ڈالا تھا۔ وہ آصف کی ہوتے بھی بنیل کی منتظر تھی۔ اس نے انجانے میں پہروں بنیل کا انتظار کیا تھا۔ پھر جب اسے آصف کے آنے کی خبر دی گئی تو اس نے بے اختیار سوچا۔ کاش آج آنے والا آصف کی بجائے بنیل ہوتا۔

عاصمہ اور ندیم نے اس کی سوگواری اور اداسی کو محسوس کیا۔ لیکن پوچھ نہ سکے۔ وہ دونوں جانتے تھے کہ وفا جواب مسکرا کے بات ٹال دے گی۔ آج مریضوں کی تکالیف کا حال سنتے سنتے وہ چونک پڑتی۔

"یا اللہ! یہ مجھے کیا ہو رہا ہے آج؟" اس نے گھبرا کے سر ہاتھوں میں تھام لیا۔

"وفا ـــ!" عاصمہ نے پیار سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کے اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔

"ہوں ـ" وفا نے خالی خالی نظریں اس کے چہرے پر گاڑ دیں۔

"طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری؟"

"سر چکرا رہا ہے عاصمہ" وفا دبے دبے لہجے میں بولی۔

"کیا چھٹی مل سکتی ہے؟"

عاصمہ مسکرا دی۔
" چھٹی مل سکتی ہے۔ چلو اٹھو! گھر جاؤ اور جب تک سر درد نہ جائے خوب سوؤ۔"
عاصمہ کی پیار بھری نصیحت پر وفا کو روحانی مسرت ہوئی۔ ندیم نے خود چھوڑ آنے کی پیش کش کی لیکن اس نے اسے روک دیا۔
" مریضوں کو آپ کی ضرورت ہے۔ میں کوئی سواری لے لوں گی۔"
گھر پہنچ کر اس نے گھنٹی پر ہاتھ رکھا۔ تو ایک دم سے دروازہ کھل گیا۔ سامنے ہی شیبی کا کھلا کھلا چہرہ تھا۔
" آپ اتنی جلدی آگئیں باجی؟"
" سر میں درد ہونے لگا تھا۔ جلدی میں اٹھ آئی۔" وفا اپنے پیچھے دروازہ بند کرتے ہوئے بولی۔
" اس کا مطلب ہے اب آپ اپنے کمرے میں آرام کریں گی۔"
شیبی حسب عادت پلکیں جھپکتے ہوئے بولا۔
" ہاں شیبی میاں!" وفا اس کے رخسار میں چٹکی لیتے ہوئے پیار سے بولی۔
" لیکن سنو تو۔" اس نے جاتے ہوئے شیبی کو روک لیا۔
" جی؟"
" وہ۔ میرا مطلب ہے گھر میں کوئی آیا ہوا ہے؟"
شیبی کھلکھلا کے ہنس دیا۔
یہ ہنسی وفا کو ایک آنکھ نہ بھائی، ناگوار نظروں سے اس کی طرف دیکھا
" آپ کا مطلب آصف بھائی سے ہے نا باجی۔ وہ تو صبح کے آئے بیٹھے

ہیں۔"

"ہوں ــــ" وفا بے نیازسی اپنے کمرے میں چلی گئی۔ تھکی تھکی سی تھی۔ کپڑے بدلے بغیر بستر پر دراز ہو گئی۔ نوید ان دنوں پنڈی میں تھا۔ ٹریننگ ختم کر کے وہ وہاں متعین ہوا تھا وفا کو اس کی بے اختیار ضرورت محسوس ہوتی۔ کم از کم اس آصف کو تو اس سے دور رکھتا!

نڈھال ہو کے آنکھیں موندلیں اور کوئی بنا بتائے ہی تصور میں آبسا۔ اتنی مضبوطی سے بند کئے ہوئے دریچوں کے کواڑ آپ ہی آپ سرک گئے۔

"تم میرا پیچھا کیوں نہیں چھوڑ دیتے بنیل ــ!"

وفا بے کلی سی اٹھتے ہوئے آپ ہی آپ بولی اور پھر ایکدم سے ٹھٹھک گئی۔ اس کے سامنے کرسی کا سہارا لئے وہ کون کھڑا تھا۔

"وفا ــ!" کوئی پیار سے اس پر جھک گیا۔

اور وفا گھبرا کے پلنگ سے اٹھ بیٹھی۔

"آپ ــ" اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

"ہوں ــ میں ــ حضور کا غلام ــ" بنیل شرارت سے جھکتے ہوئے بولا۔

لیکن وفا کی آنکھوں میں سمٹے وحشت کے سائے پھیل پھیل گئے۔ رنگ زرد پڑ گیا۔

بنیل نے جلدی سے بڑھ کر لڑکھڑاتی وفا کو تھام لیا مگر وہ بے ہوش ہو چکی تھی۔ ہوش میں آتے آتے کتنے ہی اذیت ناک لمحے صدیاں بن بن کے گزرے۔ بنیل گھبرا

سا گیا۔ لیکن وفا کو ہوش میں آتے دیکھا تو اس کی شوخی، شرارت پھر سے عود کر آئی۔ وفا نے اس کی آنکھوں میں شوخ محبت کے دیپ جلتے دیکھ کر کسمسا کے آنکھیں موند لیں۔

"ارے!" بنیل نے اس کا شانہ ہلایا۔

"آنکھیں کھولو"

جانے اس حکم میں کونسا سحر تھا۔ وفا نے گھبرا کے آنکھیں کھول دیں۔

"سنا ہے تم نے میری غیر موجودگی میں بیہوش ہونے کی خاصی لمبی ٹریننگ لی ہے؟"

"کیوں؟" وہ کرسی کھینچ کر اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بولا۔

وفا نے نظریں جھکا لیں۔ بولی کچھ نہیں۔

"جواب دو۔ کوئی بات کرو"

وہ کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے بولا۔

اور وفا کے ذہن میں کئی خدشے ابھر آئے۔

"آصف آ چکے ہیں۔ اگر انہیں پتہ چل جائے تو؟"

لرز سی گئی۔ دل کا خوف زبان پر آ گیا۔

"میرے کمرے سے چلے جائیے بنیل!"

وفا کانپتی ہوئی آواز میں بولی۔

"کیوں؟ گھر کے مہمان کو اس طرح دھتکارا جاتا ہے"

وہ مصنوعی غصے سے بولا۔

وفا رو پڑی۔

"آپ نہیں جانتے بنیل! میری قسمت کا فیصلہ ہو چکا ہے"

"تمہاری قسمت کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ کیا مطلب؟"
بنیل اس پر چونک آیا۔
"میری منگنی ہو چکی ہے بنیل!" وفا دکھی لہجے میں ہولے سے بولی۔
"تمہاری منگنی ہو چکی ہے تو اس میں رونے والی کونسی بات ہے۔ منگنی تو میری بھی ہو چکی۔" بنیل مسکراتے ہوئے بولا۔
"جی ــ ہاں"
وفا کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں ۔
اس نے سوچا تھا کہ جب بنیل کو اس کی منگنی کا علم ہو گا تو خوب چیخے گا، چلائے گا، دھمکیاں دے گا اور آخر میں چپ چاپ لٹا لٹا سا لوٹ جائے گا۔ مگر وہ تو کہہ رہا تھا کہ میری بھی منگنی ہو چکی ہے۔
"کیوں؟"
بنیل اسے سوچوں میں گم دیکھ کر بولا۔
"اتنی حیران کیوں ہو رہی ہو؟"
"نہیں تو۔" وفا آنسوؤں پر قابو پاتے ہوئے بولی۔
"تم نے سوچا ہو گا کہ تم نہ اپناؤ گی تو دنیا کی کوئی لڑکی بھی اپنے دامن میں پناہ نہ دے گی؟"

بنیل کی بات میں چھپے نشتر سے وفا کا دل کٹ کر رہ گیا۔
"آپ نے کس قدر غلط سمجھا بنیل! کس قدر غلط۔ میں بھلا ایسا کیوں سمجھنے لگی۔"
آنسو بے دریغ آنکھوں کے جھرنوں سے بہہ نکلے۔

"پھر اب رو کیوں رہی ہو؟"
وفا کے آنسو دیکھ کر وہ بے قرار سا ہو گیا۔
"آنسو تو میرا مقدر بن چکے ہیں۔" وہ آنسو بھری آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے بولی
"پگلی!" وہ اپنی انگلیوں سے اس کے آنسو گرانے لگا۔ اس کے قریب بیٹھی ہوئی
یہ وفا اسے کس قدر عزیز تھی! ۔ کس قدر!
"آپ چلے جائیں میرے کمرے سے خدا کے لیے۔" وفا اس کے ہاتھ پکڑتے
ہوئے بولی۔
"اوہ۔" وہ دکھی سا بولا۔ اب تم میرا اپنے کمرے بیٹھنا بھی گوارا نہیں کر سکتیں۔"
وفا نے آنسو چھپانے کو سر جھکا لیا۔ وہ کیسے بنیل کو بتاتی کہ وہ کیا گوارہ
کر سکتی ہے اور کیا نہیں۔
اگر تم اپنے منگیتر کی تصویر دکھاؤ تو میں بھی اپنی شریک زندگی کی تصویر
دکھاؤں۔"
وفا چونکی۔ وہ تیر پر تیر چلائے جا رہا تھا اور پھر تصویر اس کے پاس درکنار گھر
میں بھی کسی کے پاس آصف کی تصویر نہ تھی منگنی ہی ایسی افراتفری میں ہوئی تھی کہ تصویر
مانگنے کا کسی کو ہوش نہ تھا۔ بعد میں اعجاز الحسن کی بیماری اور موت نے نڈھال
کر کے رکھ دیا۔
"یہ تمہیں گم ہونے کی عادت کب سے لاحق ہو گئی ہے؟" بنیل چڑاتے ہوئے بولا۔
"میں نے کہا ہے تصویر دکھاؤ تو محترمہ کسی فلسفے میں غرق ہو گئیں۔"
وفا کے ہونٹوں پر ایک بے جان مسکراہٹ آ کر دم توڑ گئی۔

"میرے پاس کوئی تصویر نہیں اور نہ ہی اس کی ضرورت ہے کوئی!"

"ہوں۔" بنیل نے ایک گہری نظر اس پر ڈالی۔

"اچھا۔ اپنی آنکھیں بند کرو، میں دکھاتا ہوں تصویر اپنی منگیتر کی؟"

"وفا کا دم گھٹ سا گیا۔ کیا ہو گیا بنیل کو۔ کیا چاہتا ہے۔ آخر طنز کے یہ نشتر۔ اُف توبہ!"

"بند کرو آنکھیں!" وہ سنجیدہ تھا۔

ایسا تحکم آمیز لہجہ۔ وفا نے مجبوراً پلکوں کی چلمن آنکھوں پر گرا لی۔

ایسی خوب صورت بند بندی آنکھیں اور ریشمی تھرتھراتی پلکیں۔ بنیل اس نظارے میں کھو گیا۔

"اب کھول لوں آنکھیں!" دیر بعد وفا کے پوچھنے پر وہ چونکا۔

"ذرا رکو!" جیب سے ایک لفافہ نکالا۔ اس میں سے تصویریں نکالتے ہوئے متبسم سا بولا۔

"ہاں کھولو!"

وفا نے پٹ سے آنکھوں کے دریچے وا کر دیئے۔

"لو — دیکھا —" بنیل نے تصویریں اس کی گود میں ڈال دیں۔ وفا نے جھک کے ایک تصویر اٹھالی۔ پھر دوسری اور اس کے بعد تیسری۔ اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے بنیل کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"یہ تصویریں تو —!"

"میری ہیں —" بنیل نے اس کا فقرہ پورا کر دیا۔

" مگر سنیئے محترمہ! یہ تصویریں مابدولت کی منگیتر کی ہیں اور یہ ہیں انگلی کے موتی کی"

" بنیل! خدا کے لئے مجھ پر رحم کرو۔ میں یہ طنز یہ تمسخر اور زیادہ برداشت نہیں کر سکتی" وفا بدحواس سی بولی۔

" اچھا ـــ جاؤ معاف کیا لیکن یہ تو بتایئے حضور کے منگیتر کا اسم شریف کیا ہے؟" بنیل جھکتے ہوئے بولا۔

وفا چپ چاپ بیٹھی رہی۔

" بولو نا کیا نام ہے اس کا؟"

" آصف ـــ!" وفا جلدی سے بولی۔ گویا جان چھڑانا چاہتی ہو۔

" نہیں ـــ"

" جی ـــ" وفا کو کچھ سمجھ نہ آیا۔

" بنیل آصف ـــ"

" اوہ ـــ" وفا نے گھبرا کر ہاتھوں میں منہ چھپا لیا۔

" یہ تم نے منہ کیوں چھپا لیا وفا" بنیل اس کے ہاتھ تھامے ہوئے سوگوار سا بولا۔

" کیا اس انکشاف پر دکھ ہوا ـ چلو! میں خود ہی آپ کی نظروں سے دور ہو جاتا ہوں۔"

بنیل جانے کے لئے پلٹ گیا۔ وفا لرز گئی۔ تھوڑی دیر کے لئے اسے کچھ نہ سوجھا لیکن دوسرے ہی لمحے وہ بجلی کی سی سرعت سے بنیل کے پیچھے بھاگی۔

" اب آپ خفا خفا چلے جائیں گے؟"

اس کی پشت سے ٹیک لگا کے وہ رودی۔ بنیل نے مڑ کر اسے اپنی باہوں میں لے لیا۔

"کیا کہا؟" اس نے جھک کر اپنے کان وفا کے ہونٹوں سے لگا دیئے۔

وفا کانپ اٹھی۔

"اب بے ہوش ہونے کی کوشش نہ کرنا۔ میں تمہاری طرح ڈاکٹر تو ہوں نہیں کہ ہوش میں لانے کی تدابیر کرتا پھروں۔"

وفا روتے روتے میں مسکرا دی۔

"تم روتے میں مسکراتی اچھی لگتی ہو۔" بنیل نے سرگوشی کی اور اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے بولا "انگوٹھی؟"

"میں نے اتار دی تھی۔" وہ سر جھکا کے بولی۔

"کیوں؟" بنیل کی پیشانی پر سلوٹیں سی پڑ گئیں اور وفا شوخی سے مسکرا دی۔

"میں کسی آصف کے نام کی ہو کر اپنے بنیل سے بے وفائی نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"اوہ!" بنیل خوشدلی سے بولا۔

"لاؤ۔ اب تمہیں بنیل کے نام کی انگوٹھی پہنائی جائے۔"

وفا نے میز کے دراز کی طرف اشارہ کیا۔ بنیل نے دروازہ کھولا تو انگوٹھی کی سنہری ڈبیہ کے ساتھ ہی اس کی تصویر پڑی مسکرا رہی تھی۔

"بہت جھوٹی ہو تم وفا۔"

"کیوں؟ کیا ہوا؟ وفا ایک دم سے پریشان ہو گئی۔

"تم تو کہتی تھیں کہ تمہارے پاس تمہارے منگیتر کی کوئی تصویر نہیں۔ پھر یہ کیا ہے؟"

بنیل نے اپنی تصویر اس کی آنکھوں کے سامنے نچائی۔

"میں کیا جانتی تھی کہ اسی بہروپیے کے پلے بندھ رہی ہوں"

وفا کی شوخی پر بنیل جھینپ سا گیا۔

"خیر۔ لاؤ ہاتھ" بنیل نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور پھر انگوٹھی پہناتے ہوئے بولا۔

"اب تو صبر شکر کرکے اسی بہروپیے کے ساتھ گزارا کرنا ہوگا"

"ہاں۔ تقدیر میں جو یہ لکھا تھا!"

وہ انگوٹھی والا ہاتھ کھینچتے ہوئے مصنوعی تاسف سے بولی۔

"ایسی ہی تقدیر کے تابع فرماں ہونا آیا تو ایسی مردہ سی پڑی تھیں اور اب تنِ مردہ میں جان پڑ گئی"

بنیل، وفا کے شرم سے سرخ چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے بولا۔

"اعجازِ مسیحائی بھی کوئی چیز ہے آخر"

"تو تم قائل ہو ہماری مسیحائی کی؟"

"بالکل۔"

"کب سے ۔۔۔"

بنیل کے استفسار پر وفا نے آنکھیں اوپر اٹھائیں۔ ان خوبصورت آنکھوں میں لکھی داستان پڑھتے پڑھتے بے خود سا ہو گیا۔

"وفا!" اس نے وفورِ محبت سے اس کا چہرہ ہاتھوں میں لے لیا۔

"ان آنکھوں سے کہہ دو۔ باز آجائیں۔ ورنہ —— میں —" وہ رک سا گیا۔

"— کوئی گستاخی کر بیٹھوں گا"

وفا نے چہرہ اس کے ہاتھوں سے چھڑاتے ہوئے گھٹنوں میں دبا لیا اور بنیل اس کی اس معصوم اور بے ساختہ حرکت پر ہنستا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

———